
عید مبارک
ردا ڈائجسٹ
JULY
2016
ماڈل: دانیا خان
فارینا اعجاز
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

رداڈائجسٹ

خط و کتابت کا پتہ

رداڈائجسٹ

۱۳۹-ڈی-بلاک ۲

پی ای سی ایچ ایس

کراچی

چیف ایڈیٹر

صالحہ محمود

ایڈیٹرز

سعدی محمود جعفری، بلال جعفری

نمائندہ امریکہ، فراز جعفری

E-Mail : frazjafri@aol.com

نمائندہ UAE، عمیر علی جعفری

E-Mail : sgarchil@emirates.n...

نمائندہ لندن، شبانہ آصف خان

آرٹسٹ: جنید النصار



مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

جولائی 2016ء

جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 7

قیمت 60 روپے

www.facebook.com/rida.digest

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

720 روپے

34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

مقام اشاعت: ۱۲۹/۱ ڈی بلاک۔ 2۔ پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی۔

مستقل سلسلے



صالحہ محمود

کوشلہ

خوشیوں اور محبتوں بھرا امت مسلمہ کا تہوار عیدالفطر خوشیوں و محبتوں اور چاہتوں کا پیغام پورے ماہ دین حق پر چلنے والوں کے لیے خوشی کا دن رضائے الٰہی کی طرف سے رحمتوں کا ایک حسین تحفہ۔

زندگی یونہی رحمتوں اور برکتوں میں ہماری بسر ہوتی رہے۔سب خوش اور آباد رہیں اور تمام رائٹرز و قارئین خدا کرے پھولوں کی طرح سدا بہار رہیں۔ماہ رمضان گزر تو گیا مگر ابھی ان پرلطف لمحوں کا تاثر باقی ہے۔یوں تو موسم رُت بدل گئی ہے،جگہ جگہ بادلوں کی ٹولیاں رقص کرتی ہوئی ہوائیں کراچی میں نہ سہی دور دراز شہروں میں جھومتے ہوئے درخت حسین نظارے ہیں۔کہتے ہیں کہ کراچی کے اس صحرا میں بھی ابر رحمت برسے گا اللہ خیر کرے ہمارے ندی نالوں کی جو طغیانی بڑھی تو شہر کو لے ڈوبے گی۔سائیں سرکار! بانسری بجا رہے ہوں گے۔خواب غفلت سے جب چونکیں گے تو شہر ڈوب چکا ہوگا۔کراچی اور صاحب اختیار ان کے دروازے پر سحری کا ڈھول پیٹ رہے ہوں گے اور سائیں خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔سو آپ جاگتے رہیے گا۔اتنی بے خبری شہر کو لے نہ ڈوبے۔

بجلی پانی گیس نہیں...... !خلق خدا چیخ رہی ہے مگر کان نہیں...... !غلاظتوں کے ڈھیر لگ چکے ہیں مگر آنکھ بے بہرہ......!بصیرت سے محروم حکومت بیساکھیوں پر چلنے والی حکومت ہمیشہ بے بسی کا شکار ہوتی ہے۔خزانوں کے انبار تلے غربت سسک رہی ہے۔گاؤں، گوٹھوں میں عید کا تصور کیسا وہاں تو ہر دن بھوک اور افلاس کے ڈھیرے ہیں۔بستی بستی،قریہ قریہ ہر سو انتشار کا عالم! کیا ایسے میں عید منائے کوئی۔ساون رت کی بہار دیکھے آنکھ نہ ہاتھوں کی چوڑیاں، ہر دکھ پر آنکھ روئے چھم چھم، جب بادل برسیں کچی منڈیروں پر اور بہتے دریا لے جائیں انسانوں کو اپنی آغوش میں۔

ہم بہت روئے جب یہ منظر یاد آئے۔کیسی عید، کیسا سکھ،ابر باراں برسا تو اتنا کہ دھل جائیں۔سارے دکھ اور بہہ جائیں اقتدار کے بھوکے لوگ اور قریہ قریہ بستی بستی، حق کا بول بالا ہو، یارب! بس ایک دن تو اتر کر آ دیکھ زمین پر ان بھیڑیا نما انسانوں کو جن لوگوں نے لوٹ لیا ہے میری بستی کو۔

عید نمبر آپ کو کیسا لگا، ہمیں یہ ضرور لکھیے۔

آپی

صالحہ محمود

ردا بندہ

عشرہ نجات

رمضان المبارک کا سب سے اہم عشرہ ''عشرہ نجات'' ہے جس میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہنم سے نجات عطا فرماتا ہے، اسی عشرہ نجات میں ''شب قدر'' جیسی عظیم رات بھی آتی ہے جس میں عبادت کرنے کا اجروثواب ایک ہزار راتوں سے بڑھ کر ہے۔

اس عشرے میں ہم عبادت کر کے اپنی دین اور دنیا سنوار سکتے ہیں

حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''رمضان المبارک ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس کا پہلا عشرہ رحمت ہے یعنی پہلے دس دنوں میں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ دوسرا عشرہ اس کا مغفرت ہے جس میں اللہ تعالی روزہ دار کے گناہ معاف فرماتے ہیں اور تیسرا اور آخری عشرہ، عشرہ نجات ہے جو جہنم سے چھٹکارے کا ہے''۔

انسان سارا سال دنیاوی جھمیلوں میں پڑا رہتا ہے لیکن بارہ مہینوں میں سے کم سے کم اس رمضان کے ایک مہینے میں تو ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تلاوت قرآن میں گزارے۔ سال بھر تو ہم روزی روٹی اور اہل وعیال کے لیئے محنت کرتے ہیں تو کیا صرف اس ایک مہینے کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیئے مخصوص نہیں کیا جاسکتا، دنیاوی کام دھندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں تو عام دنوں میں بھی فرض ہے اور ہر مسلمان کو یہ فرض ادا کرنا چاہیئے لیکن ماہ رمضان میں تو ہر مسلمان کی ہر ممکن کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ وہ گناہوں سے بچے اور اپنا زیادہ تر وقت عبادت میں گزارے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی گئیں نعمتوں، برکتوں اور رحمتوں سے لبریز ''رمضان'' کا مبارک مہینہ، درحقیقت مسلمانوں کے لیئے ایک بہترین موقع ہے کہ وہ اس مہینے میں تھوڑی سی توجہ اور محنت کے ساتھ عبادت کر کے خالق دو جہان سے اپنے گناہوں کی بخشش کروالیں کیونکہ اس ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف خصوصی توجہ کرتا ہے اور چھوٹے چھوٹے اعمال پر بھی بے حساب اجروثواب سے نوازتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں''۔ (البقرہ: 185)

روزے کا مقصد محض بھوکا پیاسا رہنا نہیں ہے اس حوالے سے رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جس نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا، تو اللہ کو کوئی حاجت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے''۔ (صحیح بخاری) اسی طرح حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ: ”جو شخص (روزے کی حالت میں) ناجائز کلام کرنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے کو چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے“۔ (مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”تم میں سے جس کسی کا روزہ ہو تو نہ وہ بے حیائی کی بات کرے، نہ جہالت کا ثبوت دے اور اگر کوئی اس پر جاہلانہ طور پر چڑھ آئے تو اسے یہ جواب دے کہ میں روزے سے ہوں“۔ ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا“۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”جو لوگ رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے“۔ (بخاری و مسلم)

رمضان کے مہینے میں مسلمانوں کو خوب دل لگا کر اللہ سے دعائیں مانگنی چاہئیں کیونکہ اس ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ”میں مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے مانگے“۔ رمضان کے مہینے میں اللہ تعالیٰ مومنوں کا رزق بھی بڑھا دیتے ہیں، حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”رمضان ایک ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے“۔ آپ مشاہدہ کریں کہ اس مہینے میں غریب سے غریب آدمی کا دسترخوان بھی کشادہ ہو جاتا ہے اور رمضان میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کی بارش سے کسی تخصیص کے بغیر چھوٹے بڑے، امیر اور غریب سب کو سیراب کر دیتا ہے، غرض یہ کہ رمضان کے مہینے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی روحانی اور جسمانی تربیت اور اصلاح کا ذریعہ اور ان کے گناہوں کو بخشنے کا ایک بہانہ بنا دیا ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے استغفار کو غم و حزن سے چھٹکارے اور فراخی رزق کا سبب قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ: ”جو شخص کثرت سے استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہر غم کو دور کر دے گا، اس کو ہر تنگی سے نکالے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا“۔ (نسائی)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ”جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے یعنی پوری رات عبادت اور ذکر و دعا میں مشغول رہتے اور گھر کے لوگوں یعنی ازواج مطہرات اور دوسرے متعلقین کو بھی جگا دیتے تاکہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں اور سعادتوں میں حصہ لیں“۔ (صحیح بخاری و مسلم، معارف الحدیث)

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ: ”جس نے رمضان میں کسی شخص کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا تو قیامت کے دن اللہ اسے حوض کوثر کا پانی پلائے گا جس کے بعد اسے جنت میں داخل ہونے تک کبھی پیاس نہیں لگے گی“۔

حدیث میں ہے کہ: ”اس مہینے جس نے کوئی نیکی کا کام کیا یا کوئی نفلی عبادت کی تو گویا اس نے غیر رمضان میں فرض ادا کیا“۔ یعنی نفل کا ثواب فرض کے برابر ملے گا۔

......☆......

جیا قریشی

مکمل ناول

تاباں ہے چاند رات

وہ بے حد سرو قد اور مضبوط جسامت کا تھا، شانے چوڑے تھے اگر وہ ایڑیاں اونچی کرتا تو اس کا سر باآسانی کالج کی بے حد نچلی چھت کو چھو جاتا، اس کا رنگ ہلکا سانولا تھا اس کے بال اور آنکھیں دونوں سیاہ تھیں مگر اس وقت اس کے ہونٹوں پر وحشیانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی، کنپٹی سے بہتی خون کی باریک لکیر اسے مزید بھیانک بنا رہی تھی وہ دھیرے دھیرے اس کی طرف قدم بڑھا رہا تھا اور وہ خوف سے لرزتی پیچھے کھسک رہی تھی۔ کالج کے باہر بادلوں کے گرجنے برسنے کا عمل جاری تھا، کالج میں نیم روشنی پھیلی ہوئی تھی کبھی کبھی بجلی کی تیز روشنی بھی لمحے بھر کو اندر داخل ہوتی۔

پیچھے کھسکتے کھسکتے وہ دیوار سے جا لگی تھی، وہ بے حد قریب آ گیا تھا، بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا، اس نے ہاتھ بلند کیا تھا اور لڑکی نے خوف سے سپید پڑتے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا، ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک چیخ بلند ہوئی تھی چیخ بے حد تیز تھی اس کے ساتھ ہی ٹی وی آف ہوا اور لائٹس آن ہوئی تھیں آنکھوں پر ہاتھ رکھے وہ مسلسل چیخ رہی تھی، تمثیل نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کی چیخوں کا گلا گھونٹا تھا۔





وہ ہوش میں آ بھی پھٹی پھٹی نظروں سے ٹی وی کی اسکرین کو گھورا، لاؤنج میں یکدم بے حد خاموشی چھا گئی تھی، تمثیل نے اب بھی ہاتھ بیشا کے ہونٹوں پر جما رکھا تھا اور وہ سب کی خونخوار نظروں کی زد میں تھی۔ بیشا کے برابر کاؤچ پر سوئی ہوئی ماہم اس کی چیخوں سے تو نہ اٹھی تھی مگر اس قدر خاموشی سے گھبرا کر جمائیاں لیتی بیدار ہو گئی تھی۔

''ختم ہو گئی فلم؟'' جمائی روکتے اس نے تمثیل سے پوچھا اس سے پہلے چیخنے کا لائسنس صرف اس کے پاس ہوتا تھا، مگر آج اس کے سو جانے پر اس کی کمی بیشا بی بی نے پوری کر دی تھی اور کیا خوب پوری کی تھی ماہم کی گھٹی گھٹی چیخ کے مقابلے میں فلک شگاف چیخ۔ سب سے پہلے فاریہ کو ہوش آیا تھا لپک کر اس کے منہ سے تمثیل کا ہاتھ ہٹایا اور اس نے گہرے گہرے سانس لے کر اپنی آکسیجن بحال کی تھی۔

''جب نہیں ہے اتنا حوصلہ تو مت دیکھا کرو ناں ہمارے ساتھ موویز'' تمثیل دبی آواز میں غرایا تھا۔

''کر دیا سارے موڈ کا بیڑا غرق اتنی مشکل سے یہ مووی ملی تھی''۔ ولی بھی اس پر برسا تھا۔ ان دونوں کے منہ کھلتے ہی فاریہ آپی اور ریمانہ کو بھی ہوش آ گیا تھا اور وہ چاروں مل کر دبی آواز میں اس پر غرار ہے تھے، آج ان کی لعنت ملامت کا مرکز ماہم نہیں تھی اس لیے اس نے ایک بار پھر اطمینان سے کاؤچ پر سر جما کر آنکھیں موند لی تھیں۔

''ہاں تو کس نے کہا تھا گھٹیا سڑیل مرڈر ٹائپ موویز لانے کو اتنی دیر سے لاشیں اور خون دیکھ کر اپنی الٹیاں روک رہی ہوں''۔ اس نے ابکائی لی تھی تمثیل نے قلابازی کھائی تھی باہر اسٹک کی مدھم مخصوص ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی اس نے ولی کو کالر سے پکڑ کر کھینچا تھا اور پھر دونوں سیڑھیوں کی طرف لپکے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگ بھی بھاگنے کی کوئی تدبیر کرتے مصطفیٰ نیازی نے اندر قدم رکھا تھا۔ پوتیوں اور نواسی کو دیکھ کر انہیں جھٹکا لگا تھا، لاؤنج میں ان کی موجودگی کی ان کو ایک فیصد بھی توقع نہیں تھی۔

''کیا کر رہی ہو تم لوگ اس وقت یہاں گھڑی دیکھی ہے''۔ ان کا انداز کڑا تفتیشی ساتھ ہی نظریں لاؤنج کا جائزہ لے رہی تھیں جہاں جگہ جگہ فلور کشن کشنز اپنی بہاریں دکھا رہے تھے چائے کے کپ ادھر ادھر لڑھکے ہوئے تھے۔

''کچھ نہیں نانا ابو! ایسے ہی ہمیں نیند نہیں آ رہی تھی ناں تو ہم لوگ باتیں کر رہے تھے آئیں یہ دیکھیں ماہم تو باتیں کرتے کرتے یہیں سو گئی''۔ بیشا نے بات بنانے کی کوشش کی تھی۔

''یہ چیخا کون تھا ابھی؟'' ان کی تفتیش اب بھی جاری تھی۔

''چیخ نہیں تو دادا ابو، کوئی بھی نہیں چیخا ہم تو بس باتیں کر رہے تھے''۔ ریمانہ ہمت جمع کر کے بولی۔ ساتھ ہی اس نے بیشا کا نازک ہاتھ اپنے پاؤں تلے رگڑ ڈالا تھا۔

''اچھا بہت رات ہو گئی جاؤ جا کر سو جاؤ پھر فجر میں نہیں اٹھو گے''۔ وہ بولتے ہوئے جانے کو مڑے تھے، مگر ڈی وی ڈی پلیئر کی چمکتی بتی نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور وہ جو رکا ہوا سانس بحال کرنے لگی تھیں اب دم سادھے شرافت سے سر جھکا کر کردار سے لے کر ان کے لوگوں کے اگلے گھر جانے تک دھماکے دار لیکچر سے فیضیاب ہوتی شرم سے پانی پانی ہو رہی تھیں، ماہم کی آنکھیں پوری کھل چکی تھیں اور اب وہ بھی سر جھکائے ان کے ساتھ لائن میں کھڑی تھی، بیشا کے خون میں ابال اٹھ رہے تھے اس کا جی چاہا کہ دادا ابو کو بتائے کہ وہ اکیلی مجرم نہیں ہیں، اصل مجرم تو کب کے فرار ہو چکے ہیں مگر ریمانہ آپی کی مسلسل کہنیوں کے باعث اس نے چپ رہنے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

☆☆☆☆

''آپ نے مجھے بتانے کیوں نہیں دیا''۔ کمرے میں آتے ہی وہ ریمانہ پر الٹ پڑی۔

''پاگل ہو ہمیں صرف ڈانٹ پڑی ان کا کیا حشر ہوتا تمہیں معلوم نہیں ہے کیا''۔ رمانہ نے آنکھیں نکالیں تھیں۔

''اچھا ہوتا ناں اتنی زور سے منہ دبایا میرا..... ادھر مرد تم''۔ بیڈ پر پھیل کر لیٹی ماہم کو اس نے سائیڈ پر دھکیلا تھا۔

''ہاں تا کہ وہ آئندہ ہمیں اپنے کسی بھی پروگرام میں شامل نہ کرتے''۔ فاریہ کی آواز الماری میں سے برآمد ہوئی تھی۔

''تو نہ کریں، ہم کون سا مرے جا رہے ہیں یہ سڑی بھسی فلمیں دیکھنے کے لیے کبھی ہارر موویز لائی جاتی ہیں تو کبھی چوری ڈکیتی، مار دھاڑ یا خون خرابہ والی بے ہودہ فلمیں انسان چیخے نہ تو اور کیا کرے''۔ اس نے منہ بنایا۔

''تو اپنی چیخوں کا گلا تھوڑی دیر تک اور گھونٹ لیتی کلائمکس ہی تو چل رہا تھا پتہ نہیں ہیروئن بچی یا نہیں''۔ رمانہ کے لہجے سے بے چینی چھلک رہی تھی۔

''میرے خیال میں مری تو نہیں ہوگی آخر ہیروئن تھی''۔ فاریہ نے خیال ظاہر کیا میشا بستر پر دراز چادر تان چکی تھی۔

''ہیرو شاندار تھا''۔ ماہم نے بھی اپنا تبصرہ ان تک پہنچایا۔

''ہاں یہ تو ہے اداکاری بھی غضب کی ہے آخر تک گمان نہیں ہوا کہ کلر یہ ہے''۔ خدا خدا کر کے فاریہ الماری میں سے برآمد ہوئی تو رمانہ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں نے تو ذرا سی دیکھی''۔ ماہم کے لہجے میں افسوس چھلک رہا تھا۔

☆☆☆☆

''اف خدایا اتنی گرمی رمضان میں پتہ نہیں کیا حال ہوگا''۔ رمانہ کچن سے دوپٹہ جھلتی برآمد ہوئی تھی۔

''سکھر میں 48 سینٹی گریڈ ہو رہا ہے یہاں کی ذرا سی گرمی برداشت نہیں پتہ نہیں وہاں کی کیسے کریں گے''۔ کارپٹ پر نیم دراز تمثیل نے اطلاع پہنچائی تھی انداز سراسر چھیڑنے والا تھا، سکھر میں رمانہ کی سسرال جو تھی اس نے توجہ نہ دی۔

''کہا تھا میں نے کتنی منتیں کیں تھیں کہ یہیں اپنے قریبی ہم آشنا شخص پر نظر کرم کر لیں مگر نہیں انہیں تو اس شدت پسند شہر سے ناتا جوڑنا تھا جہاں گرمی بھی غضب کی پڑتی ہیں اور سردی بھی''۔ اس کا انداز سراسر طعنے دینے والا تھا مگر آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی رمانہ ادھر ادھر کچھ ڈھونڈنے لگی۔

''کتنی منتیں کیں تھیں میں نے کیسے میری آہوں اور سسکیوں کو نظر انداز کر کے محض ڈیڑھ سال چھوٹا ہونے کی سزا دی مجھے''۔ اس کا انداز خاصا دردناک ہو چلا تھا رمانہ کا جل جل کر برا حال ہو رہا تھا کپڑے پریس کرتی میشا نے ہنسی ضبط کی اور ہینگر رمانہ کی طرف اچھالا تھا۔

''اب سناؤ اپنی بکواس تم''۔ ہینگر نے کرارا نشان چھوڑا تھا اور وہ جو آنکھیں بند کیے مظلومیت کی اتھاہ گہرائیوں میں اترا ہوا تھا اچھل پڑا۔

''او..... میری جانی دشمن بھی تو سامنے سے بہادروں کی طرح وار کیا کرو''۔ رمانہ کے ہاتھ میں ہینگر دیکھ کر وہ میشا پر چیخا تھا۔

''صرف دشمن کہا کرو جانی کا صیغہ ساتھ نہ لگایا کرو مجھے تمہارا بھروسہ نہیں''۔ بہت اطمینان سے میشا نے اسے سلگایا تھا۔

''شکل دیکھی ہے اپنی آئینے میں عینک والی چڑیل تجھ سے تو میں کبھی خواب میں بھی فلرٹ نہ کروں''۔ ہینگر نے ایک اور نشان چھوڑا تھا اسے بھاگتے ہی بنی۔

"جلدی آجائیں آدھا ڈراما تو نکل بھی چکا"۔ ماہم نے ریموٹ اٹھایا تھا، یشا بھی استری چھوڑ کر صوفے پر آبیٹھی۔

☆☆☆☆

مصطفیٰ نیازی "نیازی ہاؤس" کے سربراہ تھے دو بیٹے تھے احسن، احمد اور ایک ہی بیٹی تھی شگفتہ، دونوں بیٹوں کی بیویاں رافعہ اور ثانیہ بہنیں تھیں، نیازی ہاؤس کو زمین پر جنت کا نمونہ کہا جائے تو غلط نہ تھا اس گھر کے مکین ایسے ہی تھے جیسے ایک تسبیح کے دانے لوگ اس گھر کی مثال دیا کرتے تھے، اس دو منزلہ گھر سے چہکار اور قہقہوں کی آواز بھی بلند ہوتیں ہر دم یہاں میلے کا سا سماں لگا رہتا تھا، پڑوسی اس گھر پر رشک کرتے تھے۔ پیشے کے لحاظ سے مصطفیٰ نیازی انجینئر تھے ریٹائرمنٹ سے قبل انہوں نے ایک چھوٹی سی کنسٹرکشن کمپنی کی بنیاد رکھی تھی جسے ان کے بیٹوں نے ترقی دی تھی سب سے بڑے پوتے فواد نے بھی گھر کے بزنس کو کرنے کو ترجیح دی تھی فواد کے بعد رمانہ، ولی اور یشا تھے، مہران احمد نے گھر کے بزنس پر میڈیکل لائن کو فوقیت دی تھی اور اب وہ ڈاکٹر مہران نیازی تھے، ان کے بعد تمثیل تھا اور اس کے بعد ایک ہی بہن ماہم تھی، مصطفیٰ نیازی کی ایک ہی نواسی تھی فاریہ جو اپنے اکیلے پن سے جب بھی گھبراتی نیازی ہاؤس بھاگی چلی آتی۔

"یار! ہمارے ملک میں غربت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے"۔ اس کی بات پر اس کے ساتھ چلتا ولی چونکا تھا، سامنے ہی گیارہ بارہ سال کا افغانی لڑکا تھیلا کاندھے پر لیے اڑتے بھاگتے کاغذ چننے کے لیے جتن کر رہا تھا، ولی نے گردن موڑ کر ایک بھرپور نظر اس پر ڈالی اتنی سنجیدہ بات بلکہ کسی بھی قسم کی سنجیدہ بات کی توقع اس سے نہیں کی جا سکتی تھی مگر اس کی اگلی بات اس سے بھی زیادہ سنجیدگی لی ہوئی تھی وہ کہہ رہا تھا۔

"اور یہ ہمارے گھٹیا اور فرسودہ معاشی نظام کے سبب ہے جس کی بدولت طبقاتی تقسیم بڑھتی جا رہی ہے"۔ وہ تمثیل نیازی تھا جو ہمیشہ بے نیاز رہتا تھا ولی تشویش میں مبتلا ہو گیا۔

"تیری طبیعت تو ٹھیک ہے"۔ اس نے فکر مندی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"نہیں ہے صبح سے کچھ نہیں کھایا بھوک سے چکر آ رہے ہیں"۔ اس نے چہرے پر نقاہت طاری کی تھی ولی نے فوراً سے بیشتر اس کے کاندھے سے ہاتھ ہٹایا تھا جسے اس نے بھی فوراً دبوچ لیا تھا۔

"تیرے والٹ میں اتنے نوٹ اور میں خالی جیب اور خالی پیٹ"۔ اس نے گویا دہائی دی تھی۔

"تو بھول رہا ہے مجھے بھی اتنی پاکٹ منی ملتی ہے جتنی کہ تجھے اپنے خرچے کچھ کم کرے گا تو تیرا والٹ بھی بھرا رہے گا"۔ اس کے غربت کے رونے تو ہر وقت چالو رہتے تھے ولی نے گھر کتے ہوئے گھر کی راہ پکڑی تھی۔

"ولی......" اس نے سارے جہاں کا درد اپنی آواز میں سمیٹ کر آواز دی تھی ولی تو کیا کوئی راہ گیر بھی مڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئے تھے وہ تو پھر کزن، دوست، بھائی روم میٹ غرض سبھی کچھ تھا۔

"منحوس آدمی...... کھانے میں اتنے کیڑے کیوں نکالے تھے پھر کہ دادا نے ذلیل کر کے ٹیبل سے ہی بھگا دیا"۔ وہ غراتے ہوئے قریب آیا تھا۔

"تو جانتا ہے یہ کڑھی، چاول، دال چاول، ٹائپ چیزیں میرے حلق سے نہیں اترتیں"۔

"ہاں تیرے حلق سے تو صرف وہی چیز اترتی ہے جس کا بل میری جیب ادا کرتی ہے"۔ وہ جل گیا تھا۔

"ایسی بھی بات نہیں ہے یار! میں کبھی کبھی مہران بھائی اور فواد بھائی کی جیب سے بھی کھا لیتا ہوں"۔ وہ برا مان گیا تھا، ولی کا خون جل گیا تھا مگر اس سے مزید کچھ کہنا فضول تھا۔

"فرمایئے کس ریسٹورنٹ میں جانا پسند کریں گے"۔ اس نے دانت کچکچائے تھے وہ کھل اٹھا تھا۔

''وہاں چلتے ہیں وہاں کا بار بی کیو مزیدار ہوتا ہے''۔اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔

''میں صرف بریانی کھاؤں گا''۔اس نے ہاتھ اٹھا کر وارن کیا تھا انداز ایسا تھا کھانا ہے تو کھاورنہ بھاڑ میں جاؤ،اس نے چند لمحے سوچا۔

''اچھا تو پھر وہاں چلتے ہیں،اس ریسٹورنٹ کی آج اوپننگ ہو رہی ہے ہم فرسٹ کسٹمر ہوں گے ہوسکتا ہے کہ خوش ہو کر ہمارے لئے لائف ٹائم مفت کھانا کر دیں''۔ولی کا بازو دبو کے وہ آگے بڑھ گیا تھا اور وہ صرف خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔منیجر نے بہت خوش اخلاقی سے ویلکم کیا تھا ویٹر نے مسرت سے مینو کارڈ سامنے رکھا تھا جسے اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر ویٹر کو واپس کرتے ہوئے ولی نے صرف بریانی کا آرڈر دیا تھا۔

''کم از کم کارڈ دیکھنے کی فارمیلٹی تو پوری کرنے دیتا''۔وہ چڑ گیا۔

''تیرا کیا بھروسہ......؟''اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''اور منگواؤ''۔خلاف توقع ولی کا لہجہ خاصا نرم تھا،وہ ایک پلیٹ کھا چکا تھا۔

''رات میں کیا بن رہا ہے؟''وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''ہماری والدہ ماجدہ وہی دوپہر کی کڑھی چلائیں گی اور کیا؟''ولی نے جواب دیا تھا۔

''ایک پلیٹ اور......''اس نے ویٹر کو اشارہ کیا تھا۔

☆☆☆☆

لاؤنج میں بار بی کیو کا انتظام دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں ولی نے اس کی لاعلمی کا اچھا فائدہ اٹھایا تھا یا نہ جانے کس بات کا بدلہ لیا تھا،اس نے فوراً ہی ولی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں مگر وہ ندارد تھا،اسے منہ بھر کے کوستے ہوئے وہ اس کی تلاش میں جتا تھا مہران کی کل ہی بلوچستان سے واپسی ہوئی تھی جہاں وہ میڈیکل کیمپ کی غرض سے گئے ہوئے تھے مہران نت نئے کھانے کھانے اور پکانے دونوں کے ہی کے شوقین تھے اب اس بار بلوچی سجی اور چرغہ کی باری تھی جس کے لئے لان میں انتظام کیا گیا تھا پھپھو کو بھی دعوت دی گئی تھی لان میں خاصی چہل پہل تھی۔

''تم کھانا کیوں نہیں کھا رہے ہو؟''ولی چرغہ ٹھونستا شرارتاً مسکرایا تھا۔

''میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گا''۔وہ حسرت ناک نظروں سے پلیٹ کو گھورتا چیئر کھسکا کر کھڑا ہو گیا موڈ آف ہو گیا تھا وہ اندر چلا آیا،فون مسلسل بج رہا تھا،رمانہ کے سسرال سے کال تھی وہ کارڈلیس لان میں لے آیا تھا۔

''رانیہ (رومانی کی نند) آ رہی ہے''۔فون سننے کے بعد لافعہ نے سب کو اطلاع دی تھی۔

''فوزیہ بھابی چاہتیں ہیں کہ رمانہ بری کی شاپنگ اپنی پسند سے کر لے اس لئے رانیہ کو بھیج رہی ہیں''۔رانیہ کی آمد کا سن کر سوائے رمانہ سب لڑکیوں کے منہ لٹک گئے تھے رانیہ انہیں کچھ خاص پسند نہ تھی دو سال قبل جب وہ منگنی پر آئی تھی سب لڑکیوں نے اسے اچھی کمپنی دینے کی کوشش کی تھی مگر وہ الگ تھلگ رہنے والی مغرور سی لڑکی ان میں گھل مل نہ پائی تھی۔اس کی آمد کا سن کر لڑکیوں کے ہاتھ موضوع لگ گیا تھا دو سال پہلے کی باتیں یاد کر کے اس کی خوب برائیاں کی جا رہی تھیں۔

''چھوڑو بھی......اب ہوسکتا ہے وہ بدل گئی ہو''۔رمانہ نے لقمہ دیا تھا۔

''روی......رومی''۔تمثیل اسے پکارتا لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

''آئی نیڈ یور ہیلپ''۔قدرے جھک کر رازداری سے اس نے رمانہ کے کان میں کہا تھا وہ تینوں اپنی

باتوں میں مصروف تھیں۔

"سوری مجھے بہت کام ہیں"۔ وہ سمجھ گئی تھی اس لئے قطعیت سے بولی۔

"پلیز، پلیز، پلیز"۔ اس کا ہاتھ تھام کر وہ ملتجی لہجے میں گویا ہوا تھا، مجبوراً وہ کھڑی ہوئی۔

"تم کہاں چل دیں"۔ فاریہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"مجھے اپنی گرل فرینڈ کے بارے میں رمانہ سے کچھ ڈسکشن کرنا ہے تم لوگ اپنی باتیں جاری رکھو"۔ وہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔

"تمثیل! دادا ابو کو اگر پتہ چل گیا ناں"۔ اس کے کاندھے پر مکا جڑتی وہ بولی تھی۔

"میں تو انہیں بتانے نہیں والا اور تم پر مجھے بھروسہ ہے سو ڈونٹ وری یار"۔ وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔ ولی کا ربیٹ پر بیٹھا نقشوں میں مصروف تھا، اس کا انجینئرنگ کا چوتھا سال تھا۔

"بتاؤ اب کتنا باقی رہتا ہے"۔ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے بے زاری سے اس کی اسائمنٹ فائل اٹھائی تھی تمثیل اسے بتانے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے میں دو تین دن میں کمپلیٹ کر دوں گی"۔ وہ فائل لے کر کھڑی ہوگئی، لاسٹ ایئر رمانہ کا ایم کام کمپلیٹ ہوا تھا اور یہ تمثیل کا آخری سال تھا، آنرز سے وہ ہی تمثیل کے نوٹس اور اسائمنٹ بناتی چلی آرہی تھی۔

"یار! مجھے کل یہ جمع کرانا ہے لاسٹ ڈیٹ ہے تم جیسے تیسے بس یہ کمپلیٹ کر دو مجھے کون سا خواہش ہے ٹاپ کرنے کی"۔ وہ بے زاری سے بولا۔

"تمثیل! کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں اتنے لاپرواہ کیوں ہو رہے ہو کوچنگ تم نہیں جا رہے پتہ نہیں کوچنگ کے ٹائم پر کہاں غائب رہتے ہو یونیورسٹی جاتے ہو تو ڈھنگ سے پریڈ اٹینڈ نہیں کرتے یہ ولی بھی گھنا ہے، کچھ نہیں بتاتا رزلٹ تمہارا دن بدن ڈاؤن ہوتا جا رہا ہے نوٹس بنانے میں پہلے تم صرف ہیلپ لیتے تھے اب تمہارے نوٹس اور اسائمنٹ بنانے کی ذمہ داری میری ہے"۔ اس کی آواز تیز ہوگئی تھی۔

"آپی پلیز! میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں"۔ ولی جھنجلایا تھا، وہ چپ ہوگئی۔

"بس یار! تم یہ اسائمنٹ بنا دو بدلے میں تم جو کہو گی میں کر دوں گا"۔

"بہت خوب میں پوچھ رہی ہوں کہ تمہیں پرابلم کیا ہے تمہیں اسائمنٹ کی پڑی ہے"۔ اس نے آنکھیں نکالیں تھیں۔ ولی کے ساتھ انجینئرنگ میں انٹر کرنے کے بعد اسے اچانک محسوس ہونے لگا کہ انجینئرنگ اس کی منزل نہیں ہے اسے تو شیف بننا چاہئے شاید مہران کا شوق اس کے اندر جنون کی صورت سرایت کر گیا تھا، اس لئے اس نے سب سے پہلے امی بابا کے حضور اپنی عرضداشت پیش کی تھی احمد صاحب کو کوئی اعتراض نہ تھا مگر مصطفیٰ نیازی نے اسے شرافت سے NED میں ایڈمیشن لینے کا حکم دیا تھا۔

"آپ کے زور زبردستی کرنے سے میں انجینئر بن بھی گیا تو بہت ہی خراب انجینئر بنوں گا"۔ دادا کے حضور پیش ہونے سے قبل اس نے "تھری ایڈیٹس" کم و بیش تھری ٹائم دیکھی تھی۔

"نہیں تو پھر کیا کرو گے نائی بن کر ہمارے خاندان کے نام روشن کرو گے"۔ وہ دھاڑے تھے۔

"نائی"۔ اس نے دہرایا اسے لگا دادا ابو کو کوئی شدید غلط فہمی ہوگئی ہے۔

"نہیں دادا ابو میں نائی نہیں میں شیف......"

"دہلی کی پرانی زبان میں نائی باورچی کو کہا جاتا ہے پتہ نہیں تم لوگ کیا پڑھ لکھ رہے ہو، حجام کو ہیئر ڈریسر کہنے

سے نانی کو شیف بنا دینے سے ان کے کام نہیں بدل جائیں گے" اس کی منت سماجت بیکار گئی تھی مجبوراً اسے آنرز میں ایڈمیشن لینا پڑا تھا جبکہ ولی نے این ای ڈی میں داخلہ لے لیا تھا، دو سال تک تو اس نے اپنی خواہش دل میں ہی دبائے رکھی مگر پھر کوکنگ ڈپلومہ کے لئے اسی ریسٹورنٹ میں ایڈمیشن لے لیا جس میں وہ لینا چاہتا تھا اب صبح میں وہ یونیورسٹی جاتا تھا اور اس کے بعد ریسٹورنٹ اس لئے اس کی توجہ بٹ گئی تھی اس بات کا علم اس نے کسی کو نہیں ہونے دیا تھا ماسوائے ولی کے ولی نے اسے دادا کے غصے سے ڈراتے ہوئے اس اقدام سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی تھی ساتھ ہی اس نے شیف کے مستقبل پر بھی روشنی ڈالی تھی مگر وہ باز نہیں آیا تھا بڑے بڑے خواب تھے اس کے تم دیکھنا اپنا ریسٹورنٹ بناؤں گا ہو سکا تو ایک کوکنگ چینل بھی کھول لوں گا سو ولی نے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر چپ سادھ لی تھی۔

☆☆☆☆

رانیہ کی آمد ہو گئی تھی آتے ہی اس نے سکھر کو دوزخ اور کراچی کو جنت سے تشبیہہ دی تھی اس کا قصور نہ تھا وہ 48 تا 50 کی گرمی میں جھلس کر آئی تھی اسے تو یہاں کا موسم خوشگوار ہی لگنا تھا۔

"آپ کے ہاں اے سی نہیں ہے؟" تمثیل نے بڑی سادگی و معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے سوال کیا تھا مگر اس کی عیاری صرف رمانہ اور وہ سب ہی محسوس کر سکتے تھے۔

"ہے نا مگر ہر دو گھنٹے بعد ڈھائی گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ میں اے سی نے کیا کام کرنا ہے"۔

"وچچ...... ہائے بے چارے......" وہ مخاطب رانیہ سے تھا مگر روئے سخن رمانہ کی طرف تھا جو اس وقت صبر کے گھونٹ پی رہی تھی کوئی اور وقت ہوتا تو وہ تمثیل کا نقشہ بگاڑ دیتی مگر اس وقت رانیہ کے سامنے اسے ملحوظ خاطر رکھنا تھا آخر ہونے والی نند جو تھی۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے یہاں لوڈ شیڈنگ نہیں ہوتی"۔ اسے تمثیل کی یہ ہمدردی پسند نہیں آئی تھی طنزیہ لہجے میں بولی۔

"جاتی تو ہے مگر کسی ڈاکٹر کے نسخہ کے مطابق صبح، دوپہر، شام...... اچھا آپ یہ بتائیے کہ سکھر میں گھومنے کی قابل ذکر جگہیں کون سی ہیں"۔ وہ رانیہ کا انٹرویو ایسے کر رہا تھا جیسے وہ اس ملک کے دوسرے شہر سے نہیں بلکہ دنیا کے آخری کونے سے اٹھ کر آئی ہو، مقصد صرف رمانہ کو تنگ کرنا تھا، مگر رانیہ کو لگ رہا تھا جیسے وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے اس نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

"میں نے سنا ہے سکھر اتنا چھوٹا ہے کہ صبح سے شام تک پیدل گھوما جا سکتا ہے"۔ رانیہ کے جواب نہ دینے کی قطعاً پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ پھر مخاطب ہوا تھا اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتی وہ رمانہ سے بولا۔

"رمانہ ڈیئر! تمہاری لانگ ڈرائیو تو پندرہ منٹ میں ہی پوری ہو جایا کرے گی"۔

"کوئی بات نہیں میں شارٹ ڈرائیو پر گزارہ کر لوں گی، تم اس کی فکر مت کرو"۔ وہ جل کر مگر بظاہر پرسکون لہجے میں بولتی رانیہ کو اپنے ساتھ لے گئی تھی اس کے جاتے ہی ان سب کے رکے ہوئے قہقہے بحال ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆

رمانہ کا کہنا درست ثابت ہوا تھا رانیہ واقعی بدل گئی تھی یا اپنی عادت کے برخلاف سب میں گھلنے ملنے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ یہاں اس کا قیام طویل ہونے والا تھا، وہ تنہائی پسند لڑکی تھی اس میں اس کا قصور نہ تھا وہ اور فیضان دو ہی بہن بھائی تھے والد کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا تھا فوزیہ سخت گیر ماں تھیں اس لئے وہ اپنے آپ

میں گم رہنے والی لڑکی تھی اپنے بھائی کی منگنی میں وہ تین دن ہی رہی تھی اور اپنی ریزرو طبیعت کی بناء پر کسی سے فرینڈلی نہیں ہو پائی تھی اس کا خیال تھا وہ دس پندرہ دن میں ہی شاپنگ مکمل کر کے واپس چلی جائے گی مگر رافعہ اور رانیہ نے اسے اصرار کر کے روک لیا تھا کہ وہ رمضان اور عید یہیں کریں اور آرام سے اپنی شاپنگ کرے رمانہ کی شادی عید کے دس دن بعد تھی۔

''رومی......رومی''۔ تمثیل کو جب بھی اس سے کوئی کام ہوتا وہ رمانہ سے رومی ہو جایا کرتی تھی۔

''مجھے کچھ پیسے چاہئے رومی''۔ وہ اندر داخل ہوا تھا، اس کے کان کھڑے ہو گئے تمثیل کو پیسے دینے کا مطلب تھا اپنے پیسوں سے ہاتھ دھو بیٹھنا۔

''میں بزی ہوں تمثیل! بینشا سے لے لو''۔ وہ بے حد مصروف لہجے میں بولی حالانکہ وہ رانیہ کے ساتھ فیشن میگزین دیکھتی کپڑوں پر ڈسکشن کر رہی تھی۔

''بینشا وہ کسی کو اپنا بخار نہ دے، تم پیسوں کی بات کر رہی ہو ویسے بھی اس وقت اسے چھیڑنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے جیسا ہے''۔ بینشا کے ایگزامز نزدیک تھے اس لئے وہ اسٹڈی میں ہوتی یا مہران کے ساتھ پائی جاتی مستقبل میں اسے بھی ڈاکٹر بننا تھا۔

''کتنے پیسے چاہئے آپ کو؟'' رانیہ کے بولنے پر رمانہ بوکھلا اٹھی تھی اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتی وارڈروب کی طرف بڑھی تھی۔

''کتنے چاہئیں؟'' بیگ سے پیسے نکالتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''پانچ ہزار''۔

''کیا......؟'' بیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

''اتنے پیسوں کا کیا کرو گے تم؟''

''کوچنگ کی فیس دینی ہے پلیز تفتیش بعد میں کر لینا میں لیٹ ہو رہا ہوں''۔ اس کا انداز عجلت بھرا تھا۔

''چاچو نے فیس نہیں دی تمہیں؟'' اس کا انداز مشکوک تھا۔

''دی تھی یار مگر پانچ ہزار مجھ سے خرچ ہو گئے اب ان سے دوبارہ مانگتا تو ڈنڈے کھاتا پاکٹ منی ملتے ہی تمہیں لوٹا دوں گا''۔

''ہاں جیسے پہلے کے سارے لوٹا دیئے ناں''۔ بڑبڑاتے ہوئے اس نے پیسے تھما دیئے تھے۔

''میں کر دیتا واپس اگر آپ نے دو ہزار کے دھوکے میں مجھے ہزار روپے نہ پکڑائے ہوتے بینتاں کے سامنے اتنی شرمندگی ہوئی تھی مجھے لنچ کا بل اس نے پے کیا تھا''۔ پیسے پاکٹ میں رکھتا وہ مڑا تھا مگر پھر کچھ یاد آنے پر پلٹا تھا۔

''بائی دا وے یہ تمہاری نند پہلے سے زیادہ خوبصورت نہیں ہو گئی ہے''۔ اس نے کان میں سرگوشی کی تھی مگر وہ اتنی ضرور تھی کہ با آسانی رانیہ تک پہنچ جائے۔

''دفع ہو جاؤ تم ورنہ ضائع ہو جاؤ گے میرے ہاتھوں''۔ اس نے غصے سے اسے باہر دھکیلا تھا، رانیہ نے یوں پوز کیا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو رمانہ نے شکر ادا کیا تھا۔

رانیہ کو یہ سب بڑا اٹریکٹ کر رہا تھا اس نے کب ایسی زندگی گزاری تھی کزنز کے ساتھ گھل مل کر رہنا ایک دوسرے سے چھین کر کھانا ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنا اور پھر منانا راتوں کو چھپ کر لیٹ نائٹ مووی دیکھنا، فاریہ بھی روز آ جاتی، تمثیل اور ولی سے وہ شروع شروع میں کچھ ریزرو رہی تھی فواد اور مہران ان سب سرگرمیوں

میں شامل نہیں ہوتے تھے، فواد بھائی سب سے بڑے تھے اور ان کا خاصا رعب بھی تھا، مہران کے ساتھ اگرچہ یہ معاملہ نہیں تھا مگر ان کے پاس وقت کی کمی تھی۔

شاپنگ شروع ہوگئی تھی رانیہ کے آنے سے ان لوگوں کو بھی احساس ہوا تھا کہ وقت کم رہ گیا ہے اب تک تو وہ گرمی سے ڈر کر گھر میں ہی بیٹھے تھے، تانیہ رمانہ کو دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتیں ان کی شدید خواہش تھی کہ رمانہ ان کی بہو بنتی، مگر مہران ڈاکٹر تھے اور اس ڈاکٹری کے بل بوتے انہوں نے کزن میرج کے اتنے سائیڈ افیکٹ کھینچے کہ تانیہ دہل گئیں، ساتھ ہی انہوں نے صاف کہہ دیا کہ چھ سات سال تک ان کی شادی کا نام بھی نہ لیں کیونکہ انہیں اسپیشلائزیشن کے لئے باہر جانا ہے جس کے لئے آج کل وہ تیاریوں میں جتے ہوئے تھے۔

''تمثیل رمانہ سے ڈیڑھ سال چھوٹا نہ ہوتا تو میں رمانہ کو کہیں جانے نہ دیتی'' مہران کی طرف سے مایوس ہو کر تانیہ خالہ نے یہ بات اتنی بار دہرائی تھی کہ تمثیل کے ہاتھ رمانہ کو چھیڑنے کا موضوع لگ گیا تھا۔ گھر کے لڑکوں کے ذمہ دادا، ابو نے خواتین کو شاپنگ پر لانے اور لے جانے کی ذمہ داری لگائی تھی اور وہ سب اپنی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھا رہے تھے ماسوائے تمثیل کے وہ اکثر و بیشتر گھر سے غائب رہتا تھا، زیادہ تر ولی ہی انہیں لے جاتا تھا، مگر آج کل وہ اپنے ایک پروجیکٹ میں مصروف تھا اس لئے رافعہ نے تمثیل سے ان لوگوں کو لے جانے کا کہا تھا وہ مان تو گیا تھا، مگر شاپنگ کے لئے ان لوگوں کو طارق روڈ چھوڑ کر خود پیچھے سے نجانے کب فرار ہو گیا تھا، انہیں پتہ ہی نہیں چل سکا تھا وہ تو انہیں جب پتہ چلا جب ییشا کے سیل پر اس نے میسج کیا کہ جب وہ شاپنگ سے فارغ ہو جائیں تو اسے کال کر لیں اور اب وہ گزشتہ ایک گھنٹہ سے اس کے انتظار میں ریسٹورنٹ میں بیٹھی تھیں ہر کال کے جواب میں اس نے یہی کہا تھا کہ دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔

''اٹھیں بھئی...... ہم کب تک اس کے انتظار میں بیٹھے رہیں گے خود چلتے ہیں'' بالآخر ییشا کا صبر جواب دے گیا تھا۔

''مگر جائیں گے کیسے؟'' ماہم نے ایک بے وقوفانہ نکتہ اٹھایا تھا۔

''پیدل مارچ کرتے ہوئے'' فاریہ نے اسے گھورتے ہوئے شاپرز سمیٹنے شروع کئے تھے، راستے میں سگنل پر ٹیکسی رکی تو رانیہ نے ان سب کی توجہ ریسٹورنٹ سے نکلتے تمثیل پر مبذول کرائی تھی اور وہ سب کی سب نئے سرے سے جل بھن گئی تھیں۔ ڈیڑھ گھنٹہ خوار ہونے کے بعد وہ پریشان سا گھر پہنچا تو ان لوگوں کو اطمینان سے گھر میں بیٹھا دیکھ کر کھول اٹھا تھا۔

''گھر پہنچ گئی تھیں تو کال یا میسج کر کے بتا نہیں سکتی تھیں خود بتانا تو در کنار میں نے اتنی کالز اور میسجز کئے اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا'' چور الٹا کوتوال کو ڈانٹ رہا تھا۔

''ہمارے موبائلز تو اب تک بیگ میں پڑے ہیں کالز کا پتہ ہی نہیں چلا تم لینڈ لائن پر کر لیتے'' ییشا نے سادگی سے کہا تھا وہ فوراً ہی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''ہاں وہ میرے دوست کا چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اس کی کال آئی تو میں پریشانی میں تم لوگوں کو بتانا ہی بھول گیا تھا''۔

''اوہو...... چچ چچ...... کتنا برا ہے تمہارا دوست''۔

''کیا......؟ اس نے نا سمجھی سے ییشا کو دیکھا۔

''ہاسپٹل اس کی بینڈیج کرانے کے بعد تم اسے بہلانے کے لئے ریسٹورنٹ لے گئے، کتنے سال کا ہے تمہارا دوست گود میں اٹھائے اٹھائے تھک گئے ہو گے ناں'' وہ بظاہر افسوس سے گردن ہلا رہی تھی مگر لہجہ کاٹ

دار تھا ان سب کی ہنسی چھوٹ گئی تھی جبکہ رافعہ اور تانیہ نے صبح کی کھنچائی کی تھی مزید کی ہر ایک نے سرزنش کر کے پوری کر دی تھی اور دادا ابو انہیں تو موقع چاہئے ہوتا تھا اسے ذلیل کرنے کا یہ اس کا ذاتی خیال تھا اپنی حرکتوں پر کبھی اس نے غور نہیں کیا تھا، رانیہ کے سامنے اسے زیادہ ہی سبکی محسوس ہو رہی تھی اس کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ جو دیکھ چکا تھا۔

☆☆☆☆

رمضان کی آمد میں چار دن تھے رمانہ نے ملازمہ کے ساتھ مل کر گھر کا کونہ کونہ چمکانا شروع کر دیا تھا اس کی صفائی مہم میں رانیہ بھی شامل ہو گئی تھی اک دن قبل لاؤنج سے ایل سی ڈی اٹھا کر اسٹور روم میں منتقل کر دی گئی کارپٹ پر سفید چاندنی بچھا دی گئی تھی گھر کی سب خواتین رمضان میں یہاں اپنی عبادات کرتی تھیں۔ دادا ابو نے گھر کے سب بچوں کو بلا کر آدھے گھنٹے کا مختصر لیکچر دیا تھا جس کا لب لباب یہ تھا کمپیوٹر اور نیٹ تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال ہوگا کوئی چوری چھپے ٹی وی لگانے کی جرأت نہیں کرے گا رمضان میں اپنی عبادات پر سب خصوصی توجہ دیں گے کوئی اپنا روزہ کسی حال میں نہیں چھوڑے گا کوئی دس بجے کے بعد گھر سے باہر نہیں رہے گا یہ اصول عام دنوں میں بھی لاگو ہوتا تھا سب جلدی سوئیں گے تاکہ سحری میں با آسانی اٹھ سکیں۔ پہلا دن تھا اس لئے سبھی کو اٹھنے میں کچھ دیر ہو گئی تھی تانیہ گھبرا کر کچن میں پہنچی تھیں رمانہ کھٹر پٹر کرتی تیزی سے کام نمٹا رہی تھی اسے دیکھ کر وہ نہال ہو گئیں۔

"میں تو گھبرا گئی تھی پر جس کی تم جیسی بیٹی ہو اسے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" انہوں نے بے اختیار پیشانی چومی۔

"سب ہو گیا ہے آنی! آپ سب کو جگائیں میں ٹیبل لگاتی ہوں۔" وہ مسکراتی ہوئی کچن سے نکل گئی۔

"حمتیل اٹھ جا یار سحری نکل جائے گی۔" ولی اسے کب سے جھنجھوڑ رہا تھا مگر وہ تو لگتا تھا نشہ پی کر سویا ہے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر وہ ڈائننگ ٹیبل پر آ گیا تھا دادا ابو کے استفسار پر اس نے کہہ دیا وہ سو رہا ہے۔

"تم بیٹھو میں لاتی ہوں اسے۔" تانیہ کھڑی ہوئی تھیں۔

"کوئی ضرورت نہیں بیٹھ جاؤ اس کے چکر میں تمہاری سحری بھی نکل جائے گی۔" ان کا لہجہ تحکمانہ تھا وہ دل مسوس کر رہ گئیں۔ صبح وہ اپنے ٹائم پر تیار ہو کر ڈائننگ روم میں آیا تھا مگر ٹیبل سنسان دیکھ کر یاد آ گیا تھا کہ آج پہلا روزہ ہے خود کو کوستا وہ وہیں سر پکڑ کر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گیا جی تو نہیں چاہ رہا تھا یوں خالی پیٹ یونیورسٹی جانے کو مگر چھٹی کر لیتا تو دادا ابو کی تفتیش سے کیسے بچتا اور پھر آج اس کے کئی اسیسمنٹ لیکچرز تھے۔ یونیورسٹی میں بھوک پیاس نے بے حال کیا تو باقی پیریڈ بھاڑ میں ڈال کر اس نے جلدی گھر جانے کا قصد کیا تھا مگر ہائے ری قسمت دروازے پر دادا ابو سے مڈبھیڑ ہو گئی تھی وہ ظہر کی نماز کے لئے گھر سے نکل رہے تھے۔

"شرم تو نہیں آ رہی ہو گی تمہیں اذانیں ہو رہی ہیں اور تم گھر میں گھسے چلے آ رہے ہو۔" انہوں نے لتاڑا تھا۔

"جج...... جی دادا ابو میں بس نہا کر مسجد جا ہی رہا ہوں۔" وہ منمنایا۔

"نن..... نہیں میں گھر میں ہی۔" بقیہ جملہ ان کے چشمے کے اوپر سے گھورتی آنکھوں نے اسے مکمل نہیں کرنے نہیں دیا تھا انہوں نے اسٹک سے اسے چلنے کا اشارہ کیا تھا اور وہ ٹھنڈی سانس بھرتا سر جھکائے ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ زبردستی ہانک کر مسجد لے جانے پر اسے کوئی اعتراض نہ تھا مگر دادا ابو نماز کے بعد اسے لئے ٹھیلوں کے جلوس میں گھس گئے تھے چلو اس نے اس اعتراض کو بھی سائیڈ پر رکھ دیا تھا کہ انواع و اقسام کا یہ ڈھیر سارا فروٹ ان ہی لوگوں کے پیٹ میں جانا تھا دادا ابو اس پر اکیلے ہاتھ صاف نہیں کر سکتے تھے مگر ستم بالائے ستم

یہ ہوا تھا کہ دادا ابو فروٹ اپنے زمانے کے ریٹ پر خریدنے پر مصر تھے ہر فروٹ والے کو دادا ابو ناجائز منافع خوری پر خدا کے عذاب سے ڈراتے اور موت کے بعد کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچتے فروٹ والوں پر تو کیا اثر ہوتا تھا تمثیل کا کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا' شدید بھوک اور پیاس سر پر چمکتا سورج اوپر سے دادا ابو کی خوفناک باتیں اور ان کی ضد' ٹھیلوں والوں کی بحث وتکرار اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا' اس طویل ہوتی بحث سے ان لوگوں کا تو کچھ نہیں بگڑ رہا تھا مگر تمثیل خود کو کسی موم بتی کی طرح آہستہ آہستہ ختم ہوتا محسوس کر رہا تھا مجبوراً ہمت کر کے اس نے ثالث بننے کی کوشش کی تھی۔

''دادا ابو! کیا ہوا اگر ہم کلو پر 40 روپے زیادہ دے دیں گے تو یہ بھی بال بچوں والے ہیں''۔ اس نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''ہاں...... پیسے تو پیڑ پر لگتے ہیں ناں جو توڑ کر ان کو دے دوں' میرے بچوں کی محنت کی خون پسینے کی کمائی ہے ہر چیز بیٹھے بٹھائے بنا محنت کے تم لوگوں کو حاصل ہو جاتی ہے تم کیا سمجھو گے روپے پیسے کی قدر کو''۔ وہ ٹھیلے والے کو چھوڑ کر اس پر پل پڑے تھے۔

''گھر تو گھر بازار بھی نہ چھوڑا آپ نے''۔ انتہائی دکھ سے بے انتہا بے عزتی محسوس کرتے ہوئے اس نے اپنے نادیدہ آنسو ٹٹولے تھے۔ بالآخر دادا ابا شادمان وکامران فخر سے سر اٹھائے شان سے چلتے گھر میں داخل ہوئے تھے پیچھے پیچھے وہ پھلوں کے انبار تلے دبا بمشکل خود کو گھسیٹتا بے بیل کی طرح کئی چیزوں سے ٹکراتا چلا آ رہا تھا۔ ڈرائنگ روم کے کارپٹ پر چیزیں ڈھیر کرتا وہ خود بھی وہیں الٹ پڑا تھا وہ سب یہاں اے سی کی ٹھنڈک کے مزے لے رہے تھے اور دادا ابو اسے بازار میں خوار کرا رہے تھے۔ تانیہ تے بے حال ہوتے لال کا سر گود میں رکھتے ہوئے دوپٹہ سے پسینہ خشک کرنا شروع کیا تھا۔

''میرے بچے کا بغیر سحری کا روزہ''۔ ان کی ممتا اس پر الٹ پڑی تھی۔

''بڑے میاں صرف مجھ پر ظلم کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں''۔ ذرا ہوش ٹھکانے لگے تو اس نے آواز شکایت بلند کی تھی' تانیہ کی ممتا فوراً ہی سائیڈ پر ہو گئی دادا کی شان میں گستاخی پر فوراً ہی کرارا تھپڑ لال نشان چھوڑ گیا تھا۔ رات سونے سے پہلے اس نے موبائل پر نہایت خوفناک آواز الارم ٹون کے طور پر سیٹ کی تھی' ساتھ ہی اس نے ولی کو ہدایت کی تھی کہ اگر وہ یہ سننے کے باوجود نہ اٹھے تو بلا تکلف بالٹی بھر کر اس پر الٹ دے اور ولی نے نہایت فرمانبرداری سے گردن ہلا دی تھی۔

☆☆☆☆

وہ سب تراویح وغیرہ سے فراغت کے بعد چھت پر ٹہلنے چلی آئی تھیں یاہم کا ٹیسٹ تھا وہ جلدی چلی گئی تھی کچھ دیر بعد رمانہ اور فاریہ بھی چلی گئی تھیں' چھت پر بس وہ دونوں ہی رہ گئی تھیں رات کافی ہو گئی تھی ییشا نے بھی نیچے جانے کا ارادہ کیا تھا۔

''یار ییشا! مجھے بھوک لگ رہی ہے''۔ سیڑھیاں اترتی رانیہ اس سے مخاطب ہوئی تھی وہ اس کی بھوک کے علاج کے لئے اسے لئے کچن میں چلی آئی تھی۔

''مجھے یہ نہیں کھانا یار''۔ وہ فریج سے آلو لوبیا کی ڈش نکال رہی تھی جب وہ ٹھٹکی ایک تو اس کے کھانے پینے میں بڑے نخرے تھے چند گنی چنی ڈشز ہی کھاتی تھی لوبیا کو چھوڑ کر اس نے انڈوں کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر پھر یاد آیا کہ انڈے کھا کر محترمہ کے پیٹ میں درد ہو جاتا ہے۔

''اب رات کے اس پہر میں تمہارے لئے من وسلویٰ کہاں سے لاؤں''۔ وہ سوچ میں پڑ گئی جب ہی اس کے موبائل کی میسج ٹون بجی تھی۔

''لگتا ہے تمہارے لئے من وسلویٰ کا انتظام ہو ہی گیا تھا تمہارے ساتھ میرا بھی بھلا ہو جائے گا''۔ وہ اسے کھینچتی گیٹ پر لے آئی تھی۔

''میشا''۔ گیٹ کے باہر بہت مدھم سی آواز ابھری تھی آواز ولی کی تھی۔

''جی آپ کون......؟'' اس نے انجان پن کی حد کر دی تھی۔

''یار ہم ہیں گیٹ ...'' تمثیل کی جھنجھلائی آواز سنائی دی۔

''ہاں گیٹ تو میں کھول دوں گی مگر ہر کام کا کچھ معاوضہ ہوتا ہے''۔

''کیا بکواس کر رہی ہو گیٹ کھولو''۔ ولی کی آواز پر رعب تھی دونوں نے بمشکل اپنی ہنسی قابو کی تھی۔

''گیٹ کھل جائے گا پہلے آپ ایک زنگر برگر اور لارج آئسکریم کپ لے آئیں''۔ اس نے شرط رکھی۔

''کیا بکواس ہے ٹائم دیکھو ایک بجنے والا ہے''۔

''وہی تو میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں ایک بجنے والا ہے''۔ اس کی آواز میں شوخی نمایاں تھی۔

''میشا پلیز یار''۔ تمثیل کی آواز منت بھری تھی۔

''ٹھیک ہے آپ لوگ رکیں میں دادا ابو کو بلا کر لاتی ہوں وہ گیٹ کھول دیں گے''۔ اس نے چاپ کی آواز پیدا کی تھی۔

''میشا''۔ ولی نے چیخنے کی کوشش کی تھی تمثیل نے فوراً ہی منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''رمضان میں چغل خوری کرو گی تو جہنم کی سب سے نچلی تہہ میں جلو گی''۔ تمثیل جل کر بولا تھا۔

''بھئی آپ لوگ ڈسکس کر لیں پھر مجھے کال کر کے بتا دیجئے گا میں اندر جا رہی ہوں''۔

''نہیں رکو...... اچھا ٹھیک ہے ہم جا رہے ہیں''۔ بائیک اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی' اس نے فخریہ نظروں سے رانیہ کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو دیکھا میرا کمال۔ وہ دونوں وہیں ٹہلتی رہیں تھیں بائیک کی آواز پر لپک کر گیٹ پر گئی تھی۔

''لے آئے......؟'' اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

''ہاں گیٹ کھولو''۔ ولی کی بے زار آواز سنائی دی' رانیہ کو انگوٹھا دکھاتے ہوئے اس نے لاک کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر پھر ہٹا دیا۔

''لائیں پہلے چیزیں دیں''۔ تمثیل نے ولی کے ہاتھ سے شاپر جھپٹ کر گیٹ کے نیچے سے اندر پھینکا تھا۔

''ہو گئی تسلی......'' وہ پھنکارا اس نے جھٹ گیٹ کھول دیا۔

''میں نے تم جیسی مکار لڑکی آج تک نہیں دیکھی''۔ اندر داخل ہوتا تمثیل غصے سے بولا۔

''دیکھو گے بھی نہیں''۔ نہایت اطمینان سے اطلاع دی گئی تھی۔

''وہ اس نے میرے لئے اصل میں مجھے بہت بھوک لگ رہی تھی''۔ رانیہ انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی۔

''کوئی بات نہیں''۔ اس کا سارا غصہ ہوا ہو گیا نرمی سے بولتا وہ اندر کی طرف مڑ گیا ولی پورچ میں بائیک کھڑی کرنے چلا گیا تھا' گیٹ بند کرتی میشا کا موڈ بگڑ گیا۔

''ہاں سارا غصہ مجھ پر ہی نکالا ہے محترمہ کو بھی دو چار صلواتیں سنا دیں''۔ مگر یہ صرف چند پل کے لئے تھا'

آئسکریم دیکھتے ہی اس کا موڈ پھر سے بحال ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆

تمثیل کا زاویہ نظر رانیہ کے لئے بدل رہا تھا' پہلے وہ اسے رمانہ کی نند اور مہمان کی حیثیت سے ٹریٹ کرتا تھا مگر اب وہ اسے خاص لگنے لگی تھی' رانیہ بھی اس کی نگاہوں کا زاویہ کچھ کچھ سمجھنے لگی تھی اس کے من میں بھی میٹھی سی گدگدی ہوتی تھی ہنس مکھ سا تمثیل اسے بھی پسند تھا۔

''تمثیل سے کتنی رونق رہتی ہے''۔ اس نے رمانہ سے اس کا ذکر چھیڑا تھا۔

''ہاں ہمارے گھر میں ساری رونق اسی کے دم سے ہے لاسٹ ایئر وہ اور ولی اپنے دوستوں کے ساتھ گھومنے گئے تھے یوں لگتا تھا ساری رونق اپنے ساتھ لے گئے ہیں ایسا لگتا تھا اس گھر میں کوئی رہتا ہی نہیں ہے نہ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ شور شرابہ''۔ اس کے لہجے سے محبت جھلک رہی تھی تب ہی باہر سے شور کی آواز آنے لگی تھی۔

''روی...... پلیز مجھے اس چڑیل سے بچاؤ''۔ وہ بھاگتا ہوا اندر آیا تھا اس کے پیچھے ہی یشا اپنی ہائی ہیل کی سینڈل لئے اندر داخل ہوئی تھی نیچے سے رافعہ اور ثانیہ کی چلانے کی بھی آوازیں آرہی تھیں۔

''تم...... تمہاری ہمت کیسے ہوئی فضول بکواس کرنے کی''۔ اس نے رمانہ کے پیچھے چھپے ہوئے تمثیل پر اچک کر وار کرنا چاہا تھا مگر اس نے رمانہ کو آگے کر دیا۔

''کیا ہوا......؟'' وہ اس اچانک افتاد پر گھبرا گئی تھی۔

''تم یقین کرو میری کوئی بری نیت نہیں تھی''۔

''تم اور تمہاری نیت میں دونوں کو برسوں سے جانتی ہوں باہر نکلو آپی کے پیچھے سے''۔ وہ گلا پھاڑ کر چلائی۔

''تم پلیز میری بات تو سنو''۔ وہ لجاجت آمیز لہجے میں بولا۔

''کچھ نہیں سننا مجھے میں اس لئے تو تمہارے ساتھ کالج نہیں جاتی کہ تم میری دوستوں کو تاڑو کہ کس کے بال لمبے ہیں کس کی آنکھیں خوبصورت ہیں اور کس کا چہرہ کتابی ہے''۔ تمثیل اکثر یشا کو اس کے کالج سے پک کرتا تھا' وہ دونوں کالج سے لڑتے ہوئے آتے تھے اور گھر آکر لڑائی جنگ میں تبدیل ہو جاتی تھی۔

''خدا کا خوف کرو زلفوں اور چہرے کے بارے میں تو میں نے بات ہی نہیں کی تھی میں نے تو صرف......''

وہ بدک کر آگے آیا یشا نے سینڈل کھینچ ماری مگر وہ تیزی سے آگے سے ہٹ گیا سینڈل جا کر رانیہ کو لگی تھی رمانہ دونوں کو پرے دھکیلتی اس کی طرف بڑھی جبکہ وہ بازو سہلاتی یشا کو خونخوار نظروں سے دیکھ رہی تھی یشا بھی کچھ ڈھیلی پڑ گئی تھی۔

''زور سے تو نہیں لگی''۔ اسے گھورتا ہوا تمثیل بھی اس کی طرف بڑھا تھا۔

''آئی ایم سوری''۔ وہ شرمندہ ہو گئی۔

''جوتیاں پھینکنے کے بجائے تمیز سے انسانوں کی طرح بیٹھ کر بھی بات کی جا سکتی ہے''۔ وہ غصے سے بولی۔

''یہ اس قابل ہے''۔ اس نے کینہ توز نظروں سے تمثیل کو دیکھا۔

''آخر بات کیا ہے......'' رمانہ جھنجلائی تھی۔

''کل اس نے......'' یشا نے بات شروع کی تھی کہ اس نے جلدی سے کاٹ دی۔

''کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے کل اس کی دوست کا فون آیا تھا میں نے ایک دو کمنٹس دے دیئے اور بس لیکن اس نے اسے پتہ نہیں کیا کیا لگا کر بڑھا کر بھیج دیا ہے راستے پھر مجھ سے لڑتی آئی ہے یہ کتنی بار تو

ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا ہے۔" اس نے نہایت معصومیت سے بات ختم کی تھی مگر یشا کو آگ لگ گئی۔

"ذراسی بات...... صاف صاف کیوں نہیں بتاتے کہ تم نے اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی"۔

"لو بلاوجہ ہی اس کی خود کی نیت صاف نہیں ہوگی ورنہ لینڈ لائن پر کیوں کال کرتی"۔ یہ بات یشا سے زیادہ رانیہ کو سنانے کے لیے کہی گئی تھی۔

"ہاں! کیا کہا تم نے اسے"۔ رمانہ اس کے کرتوتوں سے واقف تھی کڑے لہجے میں بولی۔

"ہونہہ...... یہ کیا بتائے گا مجھ سے پوچھیں تمہاری جھیل سی گہری آنکھوں میں ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے تمہاری ان خوبصورت آنکھوں میں بس جانے کا جی چاہتا ہے پوچھیں اس سے آنکھوں پر کون کون سی شاعری سنائی ہے اس نے اتنی انسلٹ کی اس نے میری کہ تمہارے کزن نے میری آنکھوں کا مذاق اڑایا ہے اتنا سمجھایا اسے کہ میرا کزن پیدائشی فلرٹ ہے تمہاری بھینگی آنکھوں کا مذاق نہیں اڑایا اس نے مگر نہیں آخر اسے ضرورت ہی کیا تھی اس سے فضول بکواس کرنے کی اگر وہ نہیں مانی تو میرا کیا ہوگا"۔ شدید غصے سے تمثیل کی نقل اتارتے ہوئے وہ آخر میں اتنی فکرمند ہوگئی تھی جیسے وہ نہ مانی تو اس کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہو جائے گا اور واقعی مسئلہ تو تھا ہی آخر عطیہ بی بی کے نوٹس پوری کلاس میں سب سے اچھے ہوتے تھے۔

"قسم لے لو جو میں نے اسے یہ سب کہا ہو وہ جھوٹی مکار جھوٹ بول رہی ہے"۔ رانیہ کے سامنے یہ سب کہے جانے پر وہ جز بز ہوا تھا رانیہ کمرے سے نکل گئی تھی مگر جانے سے پہلے وہ اس کا سرخ چہرہ دیکھ چکا تھا رمانہ کو فوری طور پر تو معاملہ سمجھ نہیں آیا تھا مگر جب آیا تو بمشکل اپنے قہقہہ کا گلا گھونٹتے ہوئے وہ سیز فائر کرانے میں جت گئی۔

☆☆☆☆

کچھ دنوں تک اسے رانیہ کی آنکھیں خفا خفا سی لگیں مگر پھر جلد ہی اس کا تاثر ٹھیک ہو گیا وہ بھی مطمئن ہو گیا رحمتوں اور برکتوں کے مہینے کا آخری عشرہ شروع ہو گیا تھا جہاں مزید خشوع خضوع سے عبادتیں کی جارہی تھیں وہیں رمانہ کی شادی کی تیاری بھی تیزی سے جاری تھی وہ سب دن میں گھر کے کاموں اور بازار کے چکر لگاتے ادھ موئی ہوتیں اور رات میں پیکنگ کرتیں رافعہ اور رانیہ بھی ان کا ساتھ دیتیں ساتھ ساتھ رونے کا شغل بھی جاری رہتا یشا اور ماہم پر انہوں نے کم ہی لوڈ رکھا تھا کیونکہ ان کا کالج بھی ہوتا تھا۔ یشا کی آنکھیں مسلسل کھانسنے کی آواز پر کھلی تھیں کچھ دیر تک تو یونہی نظر انداز کرتی بستر پر پڑی رہی مگر آواز وقفہ وقفہ سے مسلسل آرہی تھی اس نے اپنے برابر سوئی ہوئی ماہم کا کاندھا ہلایا مگر وہ کروٹ بدل کر دوبارہ سو گئی وہ خود اٹھی ان کے سامنے والا کمرہ تمثیل اور ولی کا تھا اور یہ آواز تمثیل کی ہی تھی دروازہ ناک کر کے وہ اندر داخل ہوئی تھی کمرے میں نائٹ بلب کی مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی سامنے کارپٹ پر ولی سویا ہوا تھا اس کے ارد گرد چارٹ اور کتابیں بکھری ہوئی تھیں یقیناً وہ کام کرتے کرتے ادھر ہی لڑھک کر سو گیا تھا۔ بیڈ پر تمثیل اوندھا لیٹا مسلسل کھانس رہا تھا مگر آفرین ہے نیند ایسی تھی کہ وہ پھر بھی نہیں کھلی تھی۔ کچھ دن پہلے کا عطیہ والا واقعہ یاد آیا تو جی چاہا واپس الٹے قدموں لوٹ جائے عطیہ ہنوز اس سے ناراض تھی بلکہ اب تو اس سے بات کرنا بھی چھوڑ چکی تھی کچھ دن تک اس نے اسے منانے کی کوشش کی پھر اس پر لعنت بھیج کر خود ہی اپنے نوٹس بنانے لگی تھی۔ اس کا دل پسیج گیا آگے بڑھ کر اس کا کاندھا ہلایا دو تین بار کی کوششوں سے وہ اسے جگانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"تم یہاں کیا......" وہ یہی پوچھنا چاہ رہا تھا کہ اس ٹائم وہ ان کے کمرے میں کیا کر رہی ہے مگر کھانسی کا دورہ پڑ گیا تھا اس کے برابر بیٹھ کر وہ مارنے والے انداز میں اس کی پشت سہلانے لگی کھانسی کچھ کم ہوئی تو اس نے پانی

کا گلاس پکڑ لیا۔

"تم نے کیا کھایا تھا جو اتنی شدید کھانسی شروع ہو گئی"۔ اس نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہی تمہارے ہاتھ کے بنے پکوڑے اور املی کی چٹنی اور بس وہی سب کچھ تو کھایا تھا جو افطار میں بنا تھا"۔ وہ سوچتے ہوئے بولا تھا' مگر عیشا کی پوری جان جل گئی تھی حالانکہ اس کا ارادہ اسے جلانے کا ہرگز نہیں تھا اس نے تو سنجیدگی سے اس کے سوال کا جواب دیا تھا' عیشا کا جی چاہا اس پر لعنت بھیج کر اپنے کمرے میں جا کر سو جائے مگر وہ ایک بار پھر کھانس کھانس کر دہرا ہونے لگا تھا' وہ کچن میں چلی آئی فریج سے شہد نکال کر اس نے اسٹیل کی پیالی میں نیم گرم کیا اور ذرا سا نمک ملا کر اس کے کمرے میں چلی آئی اسے شہد کھلا کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی اسے واقعی افاقہ ہو گیا تھا۔ سحری میں اس پر فلو کے اثرات سب نے ہی محسوس کئے تھے صبح تک اسے شدید بخار چڑھ گیا تھا' مہران نے اس کا چیک اپ کیا اب میڈیسن تو وہ افطار کے بعد ہی لے سکتا تھا' فی الحال تو وہ "برستے ہیں نین چھم چھم"۔ کی عملی تصویر بنا ڈرائنگ روم میں بیٹھا اپنے دوستوں کو اپنی بیماری کی خبر نشر کر رہا تھا۔

"ہاں یار! ایک خاص قسم کے وائرس نے حملہ تو دل پر کیا تھا مگر اثر فلو کی صورت میں نکلا"۔ وہ رانیہ کو ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے دیکھ چکا تھا معنی خیز لہجے میں بولا چہرے پر بھرپور مسکراہٹ تھی دوسری طرف سے نجانے کیا کہا گیا تھا کہ اس کا قہقہہ بڑا جاندار تھا' رانیہ اس سے کنی کترا کر سرخ چہرہ لیے نکل گئی' افطار پر وہ سب گھر والوں کے ساتھ ٹیبل پر موجود تھا' سب کے لئے انواع و اقسام کی اتنی ڈشز تھیں اور اس کے لئے کالی مرچوں کا چکن سوپ' سوپ کو کینہ توز نظروں سے گھورتے ہوئے اس نے فروٹ چاٹ کی ڈش اٹھائی تھی۔

"یہ نقصان دے گی تمہیں' فریش فروٹ کھاؤ"۔ دادا ابو نے منع کر دیا۔

"یہ بھی تو فروٹ ہی ہے"۔ للچائی ہوئی نظروں سے ڈش کو دیکھا وہ منمنایا۔

"چینی کے شیرے میں ڈوبا یہ فروٹ کھاؤ گے تو مزید کھانسی ہو گی"۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے ڈش لے لی وہ خود بھی فریش فروٹ کھاتے تھے اسے بھی کاٹ کاٹ کر کھلانا شروع کر دیا۔ وہ نقاہت و کمزوری کے عظیم الشان ریکارڈ توڑتا بستر پر ڈھیر تھا پورے گھر والے اس کی ناز برداریوں میں مصروف تھے آخر اتنی بیماری کے باوجود روزے جو رکھ رہا تھا' بستر سے وہ صرف نماز پڑھنے کے لئے اٹھتا تھا۔

"نری ڈرامہ بازی ہے"۔ عیشا ابھی کالج سے لوٹی تھی اتنی شدید گرمی اور روزے میں وہ دو دن سے پوائنٹ کے دھکے کھاتی کالج جا رہی تھی اس کا جلنا لازمی امر تھا۔

"کون سی ڈرامہ بازی کس خوشی میں میرے بھائی کو گالیاں دی جا رہی ہیں"۔ ماہم کا بہناپا یکدم جوش لے کر بیدار ہوا تھا ورنہ زیادہ تر تو وہ رضائی میں منہ دیئے سویا رہتا تھا۔

"یہ جو تمہارا بھائی دو دن سے بستر میں اینٹھ رہا ہے اس کی بات کر رہی ہوں' اس کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ کزن بیچاری بسوں کے دھکے کھاتے کالج جا رہی ہے لاؤ اس کو چھوڑ آؤں' بلکہ اس کو کیا یہ توفیق تو کسی کو بھی نہیں ہوئی"۔ وہ روہانسی ہو گئی ماہم کے بہناپے نے دوبارہ رضائی میں منہ دے لیا وہ فوراً ہی عیشا کی دل جوئی میں لگ گئی۔

☆☆☆☆

آج پچیسواں روزہ تھا شگفتہ پھپھو کے گھر وہ سب افطاری پر انوائیٹڈ تھے دادا ابو فواد بھائی کا رشتہ بھی لے جا رہے تھے اور وہ سب بہت ہی ایکسائیٹڈ تھے' اپنی بیماری کو بالائے طاق رکھ کے تمثیل سب سے پہلے بائیک پر اڑتا پھپھو کے گھر پہنچا تھا۔ وہ سب شور مچاتے فاریہ کو اپنے جلو میں لئے بیٹھے تھے فاریہ ٹھس ہی بیٹھی تھی ان کی

چھیڑ چھاڑ کا اس پر کوئی اثر نہ پڑا تھا۔

''میری جان پر بنی ہوئی ہے اور تم لوگوں کو ہری ہری سوجھ رہی ہے''۔ شور ذرا تھما تو وہ بولی۔

''میں ہرگز بھی فواد بھائی سے شادی نہیں کروں گی''۔ اس نے اعلان کیا تھا۔

''کم از کم اب تو بھائی نہ کہیں''۔ دلی ہنسا۔

''کیوں کیا کمی ہے میرے بھائی میں''۔ رمانہ تڑپ اٹھی۔

''خوبی کیا ہے......؟'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا سب کو سانپ سونگھ گیا۔

''کیا خوبی نہیں ہے اتنا اسمارٹ' ڈیشنگ' سوبر ہائی کوالیفائیڈ بندہ آپ ٹارچ تو کیا ٹیوب لائٹ لے کر بھی ڈھونڈیں گی تو نہیں ملے گا''۔ بیشا کے اندر کی نند کی چلائی۔

''ہونہہ......'' فاریہ نے ہنکارا بھرا۔

''آخر بات کیا ہے آپ کو کیوں اعتراض ہے''۔ رانیہ نے بھی اپنا حصہ ڈالا تھا اس نے منہ ڈھانپ کر رونا شروع کر دیا وہ سب پریشان ہو گئے زبردستی اس کے منہ سے ہاتھ ہٹائے۔

''کسی کو اگر آنکھوں ہی آنکھوں میں نگلنے کی تفسیر جاننا ہے تو محترم فواد صاحب کو دیکھ لے یہ فن انہیں بخوبی آتا ہے آنکھوں میں اتنی سرد سا تاثر ہوتا ہے کہ انسان کو بے اختیار کپکپی چھوٹ جائے' چہرہ اتنا سپاٹ کہ اس پر کسی بت کا گمان ہوتا ہے محترم چاہتے ہیں ہر کوئی میری آنکھوں کے اشارے سمجھے زبان ہلانے کی نوبت نہ آنے پائے' میری اگر ان سے شادی ہو گئی ناں تو حضرت میری زبان پر تالا ڈال کر چابی اپنے پاس رکھ لیں گے وہ جو ہم نے فلم دیکھی تھی ناں وہی سائیکو کلر والی جس کا اینڈ ہم نانا ابو کے آنے پر نہیں دیکھ پائے تھے مجھے تو ان پر وہی اس فلم کے ہیرو کا گمان ہوتا ہے باہر سے خوبصورت اور اندر سے''۔

''اندر سے کیا......؟'' فواد سے مزید برداشت نہ ہوا وہ آگے بڑھ آئے تھا اور وہ سب جو آنکھوں میں ہمدردی کا تاثر لیئے بڑے انہماک سے اس کی تقریر سن رہے تھے اچانک اس کی آمد پر اچھل پڑے تھے' فاریہ کی زبان کو بریک لگ گئی تھی وہ اس کے بالکل سامنے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا اب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''آپ کچھ کہہ رہی تھیں پلیز کیری آن''۔ انہوں نے بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا تھا مہران بھی ان کے برابر میں بیٹھے تھے۔

''ہیرو کہے جانے پر مجھے پر کوئی اعتراض نہیں......مگر سائیکو...... دس از ناٹ فیئر''۔ اسے کچھ نہ بولتے دیکھ کر وہ خود ہی بولے اور سب کو حیرت زدہ کر گئے ان کے خیال میں تو اس گوہر افشانی پر انہیں آنکھوں ہی آنکھوں میں فاریہ کا خون پی جانا چاہیے تھا مگر وہ پرسکون تھے۔

''ویسے مہران یار! اپنی اتنی خوبیوں کا تو مجھے بھی علم نہیں تھا جتنی فاریہ نے بیان کی ہیں''۔ وہ مسکراہٹ دبائے ان سے مخاطب ہوئے اور مہران نے اپنی ہنسی چھپانے کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کی تھی ان سب کے رکے ہوئے سانس بحال ہو گئے جبکہ شرمندہ سی فاریہ کا اب وہاں بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆

فاریہ سب کو ٹریٹ دے رہی تھی بلکہ دے کیا رہی تھی وہ سب زبردستی لے رہے تھے دادا ابو نے رمانہ کے مایوں والے دن فواد اور فاریہ کی منگنی کا پروگرام سیٹ کیا تھا' کسی کو اعتراض نہیں تھا' فاریہ کو بھی نہیں فواد کو اس دن

کے رویئے نے اسے ہلکا پھلکا کر دیا تھا' انہوں نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ ہرگز اس کی زبان پر تالا نہیں لگائیں گے' وہ اپنے کزنز کے ساتھ جو چاہے کر سکتی ہے وہ ہرگز اس کی سرگرمیوں کے آڑے نہیں آئیں گے بلکہ جہاں تک ہو سکے گا اس کا ساتھ دینے کی کوشش کریں گے' ساتھ ہی انہوں نے فوائد بھی گنوائے تھے کہ ماموں کے گھر آنے کا سبب اسے روایتی قسم کی سسرال کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا' بلکہ ان سمیت بس اس کی ناز برداری کریں گے اور اسے ان کے وعدوں کا یقین آ گیا تھا۔ تمثیل نے فاریہ کو کال کر کے معذرت کی تھی کہ وہ نہیں آپائے گا اس کے کسی فرینڈ کی برتھ ڈے ہے' اور اسے وہاں جانا ہے اس نے اصرار کیا تھا مگر اس کی ناں ہاں میں نہ بدلی تو اس نے اسے کوستے ہوئے فون پٹخ دیا باقی سب نے بھی اسے لعنت ملامت کی تھی اتنی مشکل سے تو اجازت ملی تھی رانیہ تو دل میں کافی جز بز ہوئی تھی سب ہوں گے اور وہ نہیں کیا خاک مزہ آنا تھا' اب وہ دل کے ہاتھوں مجبور کھڑی اس کے کمرے کا دروازہ ناک کر رہی تھی۔

''کم ان''۔ اس کی آواز سنائی دی وہ اندر داخل ہوئی تھی ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑا وہ پرفیوم اسپرے کر رہا تھا' اسے دیکھ کر چونک کر مڑا وہ خود بھی تیار کھڑی تھی کچھ دیر بعد افطار کا ٹائم ہونے والا تھا وہ لوگ بس نکل ہی رہے تھے وہ یونہی ایک آس سے اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

''وہ آئیں ہمارے کمرے میں خدا کی قدرت کبھی ہم خود کو اور کبھی اپنے کمرے کو دیکھتے ہیں''۔ وہ شوخی سے بولا وہ نروس سی کھڑی تھی۔

''آں...... آپ کی طبیعت کیسی ہے......؟'' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا بات کرے اپنے آنے کا کیا جواز پیش کرے۔

''اب تو بالکل ٹھیک ہو گئی ہے''۔ وہ پرفیوم رکھ کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ کہیں جا رہے ہیں رانیہ بھابی تو کہہ رہی تھیں کہ آپ نہیں جا رہے''۔ انگلیاں مروڑتی وہ اس سے مخاطب ہوئی تھی' وہ بچہ تھا اور نہ ہی ناسمجھ جو سمجھ نہ پاتا۔

''تو آپ اس لئے آئی ہیں''۔ وہ بڑی محظوظ ہوتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''نہیں مجھے لگا شاید آپ کی طبیعت خراب ہے''۔ وہ تیزی سے بولی۔

''میرے ایک فرینڈ کی برتھ ڈے ہے آج مجھے وہاں جانا پڑ رہا ہے''۔

''لگتا ہے بہت قریبی دوست ہیں آپ کا بھی آپ نے اس کے لئے فاریہ کی ٹریٹ چھوڑ دی''۔

''میرے لئے ہر وہ شخص خاص ہے جو مجھ سے تعلق رکھتا ہے فاریہ کے ساتھ سیلیبریٹ کرنے کے لئے آپ سب ہیں میں نہیں جا رہا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوا ناں کہ وہ میرے لئے کم اہم ہے یا میں اس کی خوشی میں شریک نہیں ہوں' بٹ اپنے فرینڈ کا آج میں اکلوتا مہمان ہوں اگر میں نہیں گیا تو اسے برا لگے گا اور میں نہیں چاہتا کہ آج کے دن وہ کچھ بھی برا فیل کرے''۔ وہ سنجیدگی سے بولتا اپنے موبائل پر آئی کال کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''میں جلدی فارغ ہو گیا تو آپ لوگوں کو جوائن کر لوں گا''۔ اپنے پیچھے اس نے آواز سنی تھی۔ فاریہ کو راستے سے پک کرتے وہ لوگ لال قلعہ پہنچے تھے روزہ افطار کرنے کے لئے انہیں کھجور اور جوسز سرو کئے گئے تھے وہ سب اپنا آرڈر لکھوا کر باتوں میں مشغول ہو گئے جب ماہم کی نظر تمثیل پر پڑی تھی اس نے سب کو اس طرف متوجہ کیا تھا اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر فاریہ کے آگ لگ گئی۔

''خوب...... تو اس کے ساتھ گلچھرے اڑانے تھے' اس لئے ہمارے ساتھ آتے موت آ رہی تھی''۔ فاریہ

فوراً سے پیشتر اس پر دھاوا بول دینا چاہتی تھی مگر ولی نے روک دیا۔
''آپ کیوں ظالم سماج کا کردار ادا کرنا چاہتی ہیں''۔ وہ ہنسا تھا۔
''تم...... تمہیں ضرور اس کے آج کے پروگرام کے بارے میں پتا ہوگا' اس کے چیلے جو ٹھہرے''۔ اس نے ولی کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔
''ہاں...... وہ اپنا ہر کام مجھے بتا کر ہی تو کرتا ہیں ناں' جو مجھے معلوم ہوگا''۔ وہ جل گیا۔
''لگتا ہے یہ کوئی اسپیشل قسم کی دوست ہے''۔ رمانہ دور سے ہی اس کا جائزہ لے رہی تھی میشا اور ماہم تو خاموش بیٹھی ہی تھیں رانیہ کو تو لگتا تھا کہ سانپ سونگھ گیا ہے اس کے دل میں پھانس سی چبھ گئی تھی۔
''ہاں تو چلو' ہم بھی اس اسپیشل دوست کو برتھ ڈے وش کر دیتے ہیں''۔ فاریہ رکی نہیں تھی۔
''تو یہ ہیں جن کی آج برتھ ڈے ہے''۔ فاریہ کی چبھتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ ان سب کو اپنے سر پر کھڑا دیکھ کر اسے کھانسی کا دورہ پڑ گیا تھا وہ لڑکی ان سب کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی' سفید شیفون کے سوٹ میں ملبوس سر پر دوپٹہ جمائے وہ لڑکی خاصی خوبصورت تھی۔
''یہ زونیرہ ہیں' میری کلاس میٹ''۔ اس کا تعارف کرا کے وہ فرداً فرداً سب کا تعارف کرانے لگا تھا۔
''آپ لوگ بھی ہمیں جوائن کریں''۔ وہ خوش اخلاقی سے بولی۔
''نہیں ہم لوگ وہاں بیٹھیں ہیں' آرڈر بھی کر چکے ہیں''۔ ولی تمثیل کو شرارت سے دیکھتا اس سے مخاطب تھا۔
''عجیب بے وقوف لڑکی ہے کباب میں ہڈی نہیں اتنی ساری ہڈیاں گھسانا چاہ رہی تھی''۔ واپس اپنی ٹیبل کی طرف جاتا ولی ان لوگوں سے بولا تھا۔
''اچھی لڑکی ہے''۔ رمانہ نندوں والی نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگی تھی' وہ تمثیل کے ساتھ ان کے پاس آ گئی تھی۔
''آئی ایم سوری...... اگر تمثیل مجھے بتا دیتے تو میں اپنا پروگرام کینسل کر دیتی''۔ وہ فاریہ سے مخاطب تھی ان کی ٹیبل بھی ان کے ساتھ ہی لگ گئی تھی کچھ ہی دیر میں وہ سب اس سے ایسی بے تکلف ہو گئی تھیں جیسے برسوں سے جانتی ہوں فاریہ کی ناراضی بھی ختم ہو گئی تھی رانیہ کے تپے تپے تاثرات کو تمثیل خوب انجوائے کر رہا تھا' رمانہ کو تو وہ اتنی پسند آ گئی تھی کہ اس نے اسے اپنی شادی کی پرزور دعوت دے ڈالی تھی۔

☆☆☆☆

عید کا چاند نظر آتے ہی رمانہ نے دونوں خواتین کے ساتھ کچن سنبھال لیا تھا' میشا اور ماہم گھر کے پردے اور بیڈ شیٹس بدلنے کے بعد اب ڈرائنگ روم کی سیٹنگ میں مصروف تھیں' رانیہ بھی ان کی مدد کرا رہی تھی تمثیل اور ولی نے مہینے بھر سے بچھڑے ہوئے ٹی وی کو اس کی جگہ لا بٹھایا تھا' رویت ہلال کمیٹی کا اجلاس دیکھنے کے بعد اب عید کی خصوصی ٹرانسمیشن دیکھی جا رہی تھی' خوبصورت سی ہوسٹ مہمانوں کو سامنے بٹھائے وہی گھسے پٹے بورنگ سوالات کر رہی تھی۔
''ولی! یہ متھیرا کے ہونٹوں کو دیکھ کر یہ نہیں لگتا کہ جیسے بھڑ کاٹ گئی ہو''۔ تمثیل کی آواز پر فلور کشن کے کور بدلتی رانیہ نے بھی نگاہ اٹھائی اس کا خون کھول اٹھا تھا فضول لباس والے اس عجیب و غریب نمونے کو دیکھ کر۔
''ہاں کچھ افریقنوں جیسے ہیں''۔ ولی نے بھی تبصرہ کیا تھا' دادا ابو کے کھنکھارنے کی آواز آئی تھی' سرعت سے چینل تبدیل ہو کر ڈسکوری پر لگا تھا جہاں سورج پر ڈاکومنٹری فلم دکھائی جا رہی تھی۔

''نکال لیا تم نے اس شیطان کو''۔ دادا ابو نے اندر قدم رکھا تھا' وہ ابھی مسجد سے واپس آئے تھے۔
''نماز پڑھی تم لوگوں نے ......؟'' کڑے تیوروں سے سوال پوچھا گیا تھا' دونوں کے سر اثبات میں ہلے تھے۔
''کیا فائدہ ہوا...... پورے مہینے کی عبادت کا تمہارے روزوں نماز اور تراویح کا جب تم انعام کی رات یہ کھول کر بیٹھ گئے ہو تو یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی خوب محنت کرے اور مزدوری ملنے کے وقت اس سے منہ موڑ کر اپنے راہ پر نکل جائے''۔ بول کر انہوں نے اپنے کمرے کی راہ لی تھی تمثیل کچن میں چلا آیا تھا۔
''تم بھی کیا یاد کرو گی' کس مشہور شیف کے ہاتھ کا شیر خرمہ کھایا تھا''۔ وہ رمانہ کے ہاتھ سے چمچہ لے کر خود شروع ہو گیا تھا' آہستہ آہستہ سویاں دودھ میں شامل کرتا وہ چمچ ہلا رہا تھا۔
''تم یہ سب چھوڑو دو بچوں کو بازار لے جاؤ''۔ رافعہ صبح کے لئے پوریوں کا میدہ گوندھ رہی تھیں۔
''اف...... کتنی شاپنگ کرتی ہو تم لوگ پورے مہینے سے بازار کے چکر کاٹ رہی ہو اب بھی کچھ نہ کچھ خریدنا باقی ہے''۔ وہ جھنجلایا تھا۔
''نخرے مت دکھاؤ جاؤ بازار لے کر جاؤ' میشا کب سے کہہ رہی ہے کہ اسے چوڑیاں خریدنی ہیں رانیہ کو بھی ایک دو چیزیں لینی ہیں' اور مہندی بھی لگوا دینا ان لوگوں کو میں تو پتا نہیں کب فارغ ہوں گی''۔ تانیہ نے چپت لگائی تھی آخری جملے کا اضافہ رمانہ نے کیا تھا۔
''چاندرات بورنگ گزارنے سے بہتر ہے چاندرات کی رونقیں انجوائے کی جائیں رانیہ کی غلط فہمی بھی تو دور کرنی ہے''۔ سوچتے ہوئے رانیہ کا خیال آنے پر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔
''چلیں لے جاتا ہوں' مگر پہلے آپ دادا ابو سے تو پوچھ لیں''۔ وہ یوں بولا گویا احسان کر رہا ہو۔
''پوچھ لیا ہے مگر تم پہلے کی طرح بازار میں نہ چھوڑ آنا ساتھ ساتھ رہنا ویسے ہی اتنا رش ہو رہا ہوتا ہے کہ''۔ تانیہ نے تنبیہہ کی تھی۔
''حمزہ کی دو بار کال آچکی ہے میں چوڑیوں کے اسٹال پر اس کی مدد کے لئے جا رہا ہوں''۔ ولی نے ساتھ چلنے سے انکار کرتے ہوئے توجیہہ بتائی تھی حمزہ ان دونوں کا مشترکہ دوست تھا۔
''تو پہلے نہیں بتا سکتا تھا میں اکیلا ان لوگوں کے ساتھ جا کر بور ہوں گا''۔ اسے چشم تصور میں حمزہ اور ولی حسین کنیاؤں کے ہاتھ پکڑے نظر آ رہے تھے' وہ تیار ہو کر آ گئیں تانیہ نے پھر اسے بہنوں کے ساتھ رہنے کی تلقین کی تھی۔ بیک ویو مرر سے وہ وقتاً فوقتاً رانیہ کا جائزہ لے رہا تھا جو کھڑکی سے باہر نظریں جمائے بیٹھی تھی' جبکہ میشا اور ماہم خریدی جانے والی چیزیں ڈسکس کر رہی تھیں۔
''ماہم...... زونیرہ کیسی لگی تھیں......؟'' اس نے اچانک ہی ماہم سے سوال کیا ماہم کی چلتی زبان کو بریک لگے مگر پھر وہ فرائے سے اسٹارٹ ہو گئی۔
''اچھی...... بلکہ بہت ہی اچھی آپ کیا ان کے لئے سیریس ہیں؟ رمانہ آپی تو کہہ رہی تھیں کہ وہ آپ کی خاص دوست ہیں' آپ کی ان سے دوستی کب ہوئی؟ مجھے تو سچ میں اسے بھابی بنا کر خوشی ہو گی مگر ای بابا اور دادا ابو مان جائیں گے کیا مہران بھائی سے پہلے آپ کی شادی کے لئے''۔ اپنی رائے کے ساتھ اس نے یکمشت کئی سوال کر ڈالے تھے اس نے بیک ویو مرر سے رانیہ کو دیکھا وہ خاصی غصیلی نظروں سے ماہم کو گھور رہی تھی۔
''چلیں شادی نہ سہی منگنی تو ہو ہی سکتی ہے مہران بھائی سے پہلے' ہیں ناں میشا......؟'' خود ہی جواب دے کر اس نے میشا کی بھی رائے جاننی چاہی۔

"ہاں..... مگر اس صورت میں جب یہ واقعی اس کے لئے سنجیدہ ہو ویسے میں حیران ہوں اس جیسی سنجیدہ اور اسٹیبلشڈ سی لڑکی نے تمہارے جیسے تھرو میں کیا دیکھا"۔ اثبات میں گردن ہلاتے اس نے اسے سلگانے کی کوشش کی تھی اور وہ سلگ بھی گیا تھا' مگر رانیہ کی وجہ سے جواب نہ دے پایا تھا ورنہ اپنی شان میں قصیدہ خوانی کرتے ہوئے لڑکیوں کی ایک طویل لسٹ گنواتا جو اس پر مرتی تھیں۔

"تم لوگ اپنی سوچوں میں نجانے کہاں نکل چکے ہو میں نے بس یونہی سوال پوچھا تھا تاکہ تم لوگوں کی غلط فہمی دور کرسکوں بھئی اگر ایک لڑکا اور لڑکی ایک ساتھ ڈنر کر رہے ہوں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ضرور ان کے بیچ کچھ سیریس ایشو ہو وہ بس میری کلاس فیلو ہے ایک سلسلے میں میں نے اس کی مدد کی تھی اور اس نے جسٹ فار تھینکس مجھے ڈنر پر انوائٹ کرلیا اور میں اس لئے بھی چلا گیا کیونکہ اس کا برتھ ڈے تھا"۔ یہ وضاحت خاص طور پر رانیہ کے لئے تھی جسے اپنے سینے سے بوجھ ہٹتا محسوس ہو رہا تھا چہرے کی بشاشت لوٹ آئی تھی۔ مارکیٹ میں وہ ان کے ساتھ ساتھ رہا تھا' چوڑیوں کے اسٹالز پر بے انتہا رش تھا اس لئے وہ قدرے دور رہ کر ان لوگوں کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا یشا رانیہ اور ماہم سے کچھ کہتی چوڑیوں کا سیٹ ہاتھ میں لئے پلٹی تھی کہ ایک لڑکا اس سے ٹکرایا تھا چوڑیاں زمین بوس ہوگئی تھیں تمثیل نے دیکھا وہ لڑکا اس سے جان بوجھ کر ٹکرایا تھا' دھکا دے کر اسے خود سے دور کرتی یشا کا رنگ سفید پڑ گیا تھا' چہرے پر لوفرانہ مسکراہٹ سجائے وہ اس سے کچھ کہتا آگے بڑھ گیا تھا' وہ وہیں کھڑی آگے بڑھتے اس آدمی کی پشت دیکھ رہی تھی' تمثیل بجلی کی سی تیزی سے یشا تک پہنچا تھا۔

"یشا..... کیا ہوا.....؟" اس نے اس کا کاندھا ہلایا' رانیہ اور ماہم کے ساتھ دوسرے لوگ بھی چونک کر دیکھنے لگے تھے' اس کے چہرے کے تاثرات اتنے اذیت ناک تھے کہ تمثیل کو اپنی رگوں میں خون ابلتا محسوس ہوا تھا' ہجوم کو چیرتا وہ پل بھر میں اس آدمی تک جا پہنچا تھا پیچھے سے کالر پکڑ کر اس نے اپنی طرف کھینچا وہ توازن برقرار نہ رکھ پایا اور زمین بوس ہوگیا تمثیل نے اسے لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔

"کیا ہوا بھائی کیا ہوا ہے.....؟" ماہم اور رانیہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں جبکہ وہ تو گم صم کھڑی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس سمت دیکھ رہی تھی جہاں لوگوں کا مجمع جمع ہوگیا تھا ماہم بدحواسی میں اسے کھینچتی ہوئی مجمع میں گھس گئی تھی۔

"ذلیل کمینے تیری ہمت کیسے ہوئی ایسی گھٹیا حرکت کرنے کی"۔ وہ اس پر ٹوٹ پڑا تھا' لوگ اس سے اسے چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے اس شخص کے کپڑے پھٹ چکے تھے منہ سے خون بہہ رہا تھا ادھر سے بھی مغلظات کا طوفان برپا تھا اسے لگا کہ اس کی ذلیل حرکت اتنے رش میں کسی کی نظروں میں نہیں آئی ہوگی' یشا کا چہرہ اتنا زرد ہو رہا تھا جیسے وہ اب کسی بھی پل گر کر بے ہوش ہو جائے گی ماہم روتے چلاتے ہوئے تمثیل کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بازار میں تعینات پولیس کانسٹیبل نے بمشکل اسے تمثیل کے ہاتھوں سے چھڑایا تھا۔

"بھائی آپ بہنوں کو لے کر گھر جاؤ اسے ہم دیکھ لیں گے"۔ وہ اسے لے کر چلے گئے تھے۔

"تم ٹھیک ہو.....؟" وہ اسے بازو کے حلقے میں لئے نرمی سے پوچھ رہا تھا' اس نے بمشکل گردن ہلائی تھی۔ وہ اسے اسی طرح لئے گاڑی تک آیا تھا فرنٹ ڈور کھول کر اسے بٹھایا اور گاڑی سے پانی کی بوتل نکال کر چہرے پر چھینٹے مار کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا وہ تینوں ہی سہم گئی تھیں' تمثیل کو اتنا جنون میں انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا' اسے تو غصہ بھی بہت کم آتا تھا' انہیں گھر ڈراپ کر کے وہ خود کہیں چلا گیا تھا یشا سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی ماہم بھی اس کے پیچھے گئی تھی رانیہ کچن میں چلی آئی رافعہ اور تانیہ کچن میں نہیں تھیں مگر

رمانہ ابھی بھی وہیں مصروف تھیں۔

"ارے..... تم لوگ اتنی جلدی آ گئیں اور مہندی کیوں نہیں لگوائی میں نے تمثیل سے کہا تھا ضرور اس نے جلدی مچائی ہوگی"۔ اس پر نظر پڑتے اور کورے ہاتھ دیکھ کر وہ بولی تھیں۔

"نہیں انہوں نے نہیں..... وہ بیشا کے ساتھ کچھ ہوا ہے"۔

"کیا ہوا ہے.....؟" وہ سب چھوڑ چھاڑ کر تیزی سے قریب آئی تھیں۔

"صحیح سے تو نہیں معلوم تمثیل نے"۔ وہ اسے بتانے لگی ادھوری بات سن کر وہ بیشا کے کمرے کی طرف بھاگی چلی آئیں وہ تکیہ میں منہ دیئے رو رہی تھی ماہم اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھی اسے اپنی آغوش میں سمیٹ کر وہ اسے دھیرے دھیرے تھپکنے لگی تھیں۔

☆☆☆☆

عید کا دن ویسا ہی تھا روایتی خوشیوں سے بھرپور، تمثیل سب سے پہلے رانیہ سے ملنا چاہتا تھا گذشتہ رات ہونے والی تلخی کے اثرات کچھ کم ہو گئے تھے گھر میں اس بات کا علم ان لوگوں نے کسی کو نہیں ہونے دیا تھا، ماہم اور رمانہ عیدی پر سب سے جھگڑ رہی تھیں بیشا غائب تھی رانیہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی وہ چپکے سے ان لوگوں کے بیچ سے اٹھا اور ڈرائنگ روم سے نکل گیا وہ اسے سیڑھیوں پر مل گئی تھی نک سک سے تیار وائٹ اور آسمانی جدید تراش خراش کا سوٹ زیب تن کیے عید کی شاپنگ رافعہ نے خود کرائی تھی وہ اس کے سامنے آ کر رک گئی تھی۔

"کوئی جیتا ہے اتنی شان سے کیا
حسن اترا ہے آسمان سے کیا
لوگ مرتے ہیں ان کی آنکھوں پر
ہم بھی جائیں گے اپنی جان سے کیا"

وہ دھیمے سے گنگنایا لہجہ اور نظریں دونوں ہی شوخ ہو رہی تھیں، رانیہ نے بمشکل اپنے تاثرات نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی اور سائیڈ پر ہو کر اسے نکلنے کا راستہ دیا تھا مگر وہ تو وہیں جما ہوا تھا۔

"عید مبارک"۔ وہ گھبرا گئی تھی اسے ٹس سے مس نہ ہوتا دیکھ کر۔

"اب تو ناراض نہیں ہو ناں"۔ وہ قدرے جھک کر بولا تھا۔

"ناراض.....؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا وہ اس کے تجاہل برتنے پر ہنس پڑا تھا مزید کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کرتا وہ اسے عید مبارک کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا وہ اسے پیچھے سے پکار بیٹھی تھی۔

"وہ بیشا کو دیکھ لیں پلیز، وہ سر منہ لپیٹے پڑی ہے"۔ اس کے پلٹ کر دیکھنے پر اسے کچھ تو بولنا تھا اثبات میں سر ہلا کر وہ اس کے کمرے میں چلا آیا تھا۔

"اٹھ جاؤ نیستی عید کے دن تو چارپائیاں نہ توڑو"۔ کھڑکی سے پردے ہٹاتا وہ اس سے مخاطب تھا۔

"میرے سر میں درد ہے تمثیل مجھے تنگ نہ کرو"۔ اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

"ہونہہ..... مجھے پتا ہے یہ سب ڈھکوسلے ہیں اپنی اہمیت جتانے کے لئے زیادہ عیدی ٹھیانے کے لئے مگر تم کوئی تمثیل نیازی نہیں ہو کہ تمہارے ذرا سے سر درد پر پورا گھر تمہارے بیڈ کے گرد ڈیرہ ڈال لے گا نیچے کسی نے تمہارا پوچھا تک نہیں ہے یہیں پڑی رہیں تو اس عیدی سے بھی محروم ہو جاؤ گی جو نیچے بنٹ رہی ہے"۔ وہ اسے اکسا رہا تھا ایسی دل جلانے والی باتیں صرف وہی کر سکتا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



"تمثیل دفع ہو جاؤ یہاں سے"۔ اس پر تکیہ پھینکتے ہوئے وہ غرائی۔
"میری مانو تو بستر چھوڑو ورنہ سارا دن یہاں پڑی رہو گی کوئی پوچھنے بھی نہیں آئے گا' ہم تو پھپھو کی طرف چلے جائیں گے تم پڑی رہنا یہاں اکیلی"۔ وہ پھر بھی باز نہیں آیا تھا۔ وہ پاؤں پٹختی باتھ روم میں گھس گئی جو کام رمانہ رانیہ اور ماہم کی گھنٹوں کی منتوں نے نہیں کیا تھا وہ اس کے طعنوں نے چند منٹوں میں کر دیا تھا وہ مطمئن سا نیچے آ گیا۔

☆☆☆☆

رانیہ واپس جا رہی تھی حالانکہ ان سب کی خواہش تو یہی تھی کہ وہ یہیں رکیں مگر وہ اپنے اکلوتے بھائی کی ہر خوشی میں شامل ہونا چاہتی تھی ولی کو اسے ایئر پورٹ چھوڑنے جانا تھا مگر تمثیل نے کہا وہ چلا جائے گا وہ سب سے مل کر گاڑی میں آ بیٹھی۔
"کیا ضرورت تھی تمہیں واپس جانے کی تمہارے بھائی کو برات لے کر یہیں آنا تھا"۔ کچھ دیر بعد وہ بولا تھا۔ آواز سے ناراضی ظاہر ہو رہی تھی۔
"جاؤں گی تو واپس آؤں گی ناں بھائی کے ساتھ اور ویسے بھی میرا ایک ہی بھائی ہے میں اس کی خوشی میں ساتھ رہنا چاہتی ہوں"۔ اس کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر وہ ہلکا سا مسکرائی۔
"ہم رمانہ کو بھیج دیں گے مگر تمہیں یہیں رکھ لیں گے"۔ وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔
"پلیز گاڑی تیز چلائیں ایسا نہ ہو فلائٹ مس ہو جائے"۔ اسے اس کے معنی خیز جملوں کا سامنا کرنا مشکل لگنے لگا تھا اس نے اسپیڈ بڑھا دی۔ گھر کے سب مرد و خواتین بے انتہا مصروف تھے نیازی ہاؤس کی پہلی شادی تھی فاریہ کے پرزور احتجاج جاری تھے وہ کھل کر انجوائے نہیں کر سکتی تھی۔ لاؤنج میں وہ سب مختلف کاموں میں مصروف تھے رافعہ اور تانیہ ابھی بازار سے لوٹی تھیں شاپرز گود میں لیے تانیہ چیزوں کا جائزہ لے رہی تھیں ریانہ اور ولی جہیز کی چیزوں کو کارٹن میں پیک کر رہے تھے ماہم ان پر مارکر سے ہینڈل ود کیئر کی ہدایت درج کر رہی تھی کل یہ سامان بلٹی کرنا تھا تایا ابو فواد اور مہران کو لے کر سکھر گئے ہوئے تھے تاکہ فرنیچر اور دوسری چیزیں وہیں کے وہیں خرید کر رمانہ کے سسرال بھیج دیں' تمثیل بھی کچھ دیر پہلے تک یہی کام کر رہا تھا مگر اب وہ تانیہ کی گود سے شاپر ہٹا کر سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔
"امی...... رمانہ کی شادی ہو رہی ہے فواد بھائی کی منگنی ہو رہی ہے آپ کا نہیں دل چاہتا کہ آپ کے بیٹے کے سر پر بھی سہرا سجے"۔ وہ ان کے سوئے ارمان جگانے کی کوشش کرنے لگا۔
"ہائے کس ماں کا دل نہیں چاہتا اپنی اولاد کے سر پر سہرا سجانے کو مگر یہ مہران راضی بھی تو ہو"۔ وہ دل مسوس کر بولیں۔
"ارے میری پیاری امی آپ کا ایک بیٹا تھوڑی ہے یاد کریں میں بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں اور مجھے آپ کی خواہش پوری کرنے میں کوئی اعتراض نہیں"۔ وہ جوش سے اٹھ بیٹھا تھا' ان سب کے قہقہے بلند ہوئے تھے' رافعہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی' تانیہ کے چہرے پر بڑا خونخوار سا تاثر ابھر آیا تھا۔
"بہت خوب اپنے کرتوت دیکھو اور اپنی خواہش دیکھو کما کر گھر بھر دیا ہے ناں تم نے پڑھائی دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے' صحیح تو سناتے ہیں تمہیں دادا ابو صاحبزادے کو ڈھنگ سے چلنا تو آیا نہیں اور خواہش کا حال دیکھو شادی کرنی ہے"۔ انہوں نے صحیح طرح لتاڑا تھا وہ منہ بسور کر رہ گیا۔

☆☆☆☆

نوزیہ کے چند ایک سسرالی رشتے دار کراچی میں قیام پذیر تھے وہ ان کے ہاں ٹھہری تھیں' آج رمانہ کی مایوں تھی لڑکے والوں کو آٹھ بجے کا ٹائم دیا گیا تھا اور نوزیہ وقت کی اتنی پابند تھیں کہ آٹھ بجے ہی رسم کرنے آ پہنچی تھیں' ان کے وقت پر پہنچنے نے ایک ہڑبونگ سی مچ گئی تھی' رافعہ' ثانیہ اور شگفتہ تینوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے' فاریہ پارلر گئی ہوئی تھی پورا گھر سنبھالنے والی رمانہ اس وقت زرد لباس میں ملبوس گھونگھٹ میں آنسو بہا رہی تھی۔

''رانیہ بیٹا...... ولی یا تمثیل سے بولو کہ ان کے سولہ سنگھار ختم ہو گئے ہوں تو جا کر فاریہ کو پارلر سے لے آئیں چچی کے دو فون آ گئے ہیں''۔ بمشکل سیڑھیاں چڑھتیں ثانیہ سیڑھیاں اترتی رانیہ سے لجاجت آمیز لہجے میں بولی تھیں' وہ اثبات میں سر ہلاتی پلٹ گئی۔

''تمہیں کیوں لگا کہ مجھے رانیہ پسند ہے''۔ اندر کھڑا وہ بڑے محتاط لہجے میں ولی کے استفسار پر اس سے پوچھ رہا تھا۔

''میں تیرا سایہ ہوں تیرے ہر رنگ سے واقف مگر اس بار تھوڑا کنفیوژ ہوں پہلے مجھے لگا تھا کہ تو زونیرہ کے ساتھ سیریس ہے''۔

''او یار! میں کسی میں بھی انٹرسٹڈ نہیں ہوں اب تو مجھے کنگھالنا چھوڑ اور نیچے چل ورنہ ہماری مائیں ہمیں نچوڑنے اوپر آ جائیں گی''۔ وہ لاپروائی سے بولتا اپنی جوتیاں تلاش کر رہا تھا' اور رانیہ اسے لگا وہ اندر سے بالکل خالی ہو گئی ہے وہ تھکے تھکے قدموں سے دروازے پر سے ہی پلٹ گئی تھی۔

''تو شیور ہے کہ تو رانیہ میں انٹرسٹڈ نہیں ہے''۔ ولی کے دوبارہ پوچھنے پر وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''کہیں ولی بھی تو......''

''یہ تو بار بار مجھ سے ایک ہی سوال کیوں پوچھ رہا ہے''۔ اپنے دل میں آتے خیال کو رد کرتے اس نے اسے گھورا تھا۔

''نہیں یار! میں وہ......'' وہ جھجکتا ہوا قریب آ گیا تھا ولی اس سے بات کرتے ہوئے جھجک رہا تھا یہ اس کے لئے حیرت کی بات تھی اس کا ہر عضو کان بن گیا تھا وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی بات سننے کا منتظر تھا۔

''تمثیل یار! میں سوچ رہا تھا کہ رانیہ تیری کسی بات کو کوئی غلط رنگ نہ دے دے دراصل وہ رمانہ کی نند ہے تو اس وجہ سے...... میرا مطلب ہے کہ......''

''بس......'' اپنا رکا ہوا سانس بحال کرتے ہاتھ کھڑا کر کے اس نے اس کی بات کاٹی تھی وہ سمجھ گیا تھا کہ ولی کیا کہنا چاہ رہا ہے۔

''تو رمانہ کا سگا بھائی ہونے کے ناطے تیرے دماغ میں یہ فکریں گردش کر رہی تھیں کہ میری وجہ سے کہیں اس کے رشتے میں کوئی دراڑ نہ پڑ جائے''۔ سگا پر زور دیتے وہ چبھتے لہجے میں بولا تھا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ ہم گھر والے تیرے مزاج کو طبیعت کو سمجھتے ہیں مگر باہر والے یہ سب نہیں جانتے وہ بات کو کس رنگ میں لیں''۔

''بس...... مزید بکواس کی ضرورت نہیں ہے میں اتنا بے غیرت نہیں ہوں کہ اپنی وجہ سے اس کے گھر پر آنچ بھی آنے دوں گا''۔ وہ بھڑک کر کہتا ہوا آگے بڑھا تھا یہ اس کا شدید ناراضی کا اظہار تھا بات کوئی اور ہوتی تو وہ ولی پر پل پڑتا۔

''تمثیل پلیز یار''۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر روکا تھا لہجہ منت بھرا تھا۔

''اٹس اوکے''۔ چند ثانیے اس کو دیکھتے رہنے کے بعد وہ بولا تھا اس کی بات اگرچہ بری تو نہیں لگی تھی مگر گھر

کے اتنے خوشیوں بھرے ماحول میں وہ اپنے بہترین دوست سے ناراض بھی نہیں رہ سکتا تھا کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ولی کی ناک سے لکیریں کھنچوانے سے بھی گریز نہ کرتا' تقریب پورے عروج پر تھی شگفتہ پھپھو نے ڈھولکی سنبھالی تھی سب گانے میں ان کا ساتھ دے رہے تھے' رانیہ تمثیل کی نظروں سے بے نیاز غائب دماغی کے عالم میں تالیاں بجانے تک محدود تھی' کبھی کبھی ییشا یا ماہم کے ٹہوکے پر وہ ہوش میں آتی' فاریہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دلہن کا چولا اتار کر وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائے اب تک کئی بار وہ غصیلی نظروں سے اپنے برابر بیٹھے فواد کو گھور چکی تھی۔

☆☆☆☆

تمثیل کے بارے میں سوچ سوچ کر اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اگر وہ اس میں انٹرسٹڈ تھا تو اس نے ولی کو سچ کیوں نہیں بتایا جبکہ ولی سے اس کی گہری دوستی تھی تو کیا وہ میرے ساتھ محض فلرٹ کر رہا تھا' جیسا کہ اس کی عادت ہے' سوچ کے کئی در وا تھے اسے زونیرہ کے ساتھ اس کا افطار ڈنر یاد آیا تھا اسے یاد آیا تھا کہ رمانہ سے پیسے مانگتے ہوئے اس نے بڑی بے باکی سے نیناں نامی لڑکی کے ساتھ لنچ کا ذکر کیا تھا اور ییشا بھی تو کتنی بھڑکی ہوئی تھی ایک ایک کر کے اسے سب یاد آ رہا تھا۔

''او گاڈ! میں ایسے چھچھورے شخص کی محبت میں کیوں گرفتار ہو گئی''۔ اس کے دل میں بال آ گیا تھا۔

''میں کیسے اس کے ہاتھوں بے وقوف بن گئی''۔ اسے بے انتہا توہین محسوس ہو رہی تھی اس وقت وہ کئی طرح کے احساسات کے زیر اثر تھی دکھ صدمہ احساس ذلت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ تمثیل سامنے ہو اور وہ مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دے' وہ رات سوتے جاگتے روتے اور حد درجہ اشتعال کے زیر اثر گزری تھی مگر صبح تک وہ پرسکون ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆

آج بارات تھی صبح سے گھر میں افراتفری کا سماں تھا' دادا ابو گھر آئے مہمانوں سمیت ان سب کو وقت سے پہلے تیار ہونے کا الٹی میٹم دے چکے تھے۔ سامنے سے آتی فاریہ کو دیکھ کر فواد کے قدم سست پڑے تھے وہ پیروں کو چھوتی سرخ فراک میں ملبوس تھی' جس کی آستینیں سفید شیفون کی تھیں اور سلور نازک کام فراک کے گلے اور گھیر پر تھا لانبے بالوں کی ڈھیلی چوٹی کاندھے پر پڑی تھی اور وہ شولڈر پر دوپٹہ سیٹ کرتی خراماں خراماں چلی آ رہی تھی فواد کو سامنے دیکھ کر پلکیں جھک گئیں چہرہ گلابی ہو گیا' آف وائٹ اور گولڈن شیروانی میں ملبوس وہ شاندار لگ رہا تھا وہ اس سے نگاہیں چرائے مڑی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے آواز دے کر روکتا وہ کچھ یاد آنے پر تیزی سے مڑی تھی۔

''آپ مہران بھائی کو کال کر دیں پونے آٹھ ہو گئے ہیں اور وہ ہاسپٹل سے اب تک نہیں آئے''۔ اثبات سے سر ہلاتے اس نے پاکٹ سے موبائل نکالا تھا۔

''اور ان سے کہیے گا کہ رمانہ کو پارلر سے پک کر کے میرج لان چھوڑ دیں ممانی وغیرہ بس نکل ہی رہی ہیں''۔ فون بک پر مہران کا نمبر تلاشتا اس کا ہاتھ ذرا تھما تھا ایک آئیڈیا اس کے دماغ کو چھو گیا تھا۔

''میں مہران کو کال کر کے پوچھ لیتا ہوں' مگر رمانہ کو پک کرنے میں اور تم جا رہے ہیں''۔

''میں...... نہیں میں کیسے جا سکتی ہوں مجھے ابھی ییشا اور ماہم کا ہیئر اسٹائل بنانا ہے''۔ حیرت پر قابو پاتی وہ پر زور لہجے میں بولی تھی۔

''میں گاڑی میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں تم اندر جلدی بتا کر آؤ''۔ فون کان سے لگاتا وہ پلٹ گیا تھا اس کا انکار اس نے سنا نہیں تھا۔

''اف خدایا...... اتنا حسن لگتا ہے پرستان کی ساری پریاں آج نیازی ہاؤس میں اتر آئی ہیں''۔ ڈرائنگ روم

میں داخل ہوتا تمثیل مصنوعی حیرت سے بولا تھا اس کی بات پر ایک قہقہہ پڑا تھا۔
''اے ملکہ حسن! خادم آپ سے اپنی ماں کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے کیا آپ نے انہیں کہیں دیکھا ہے''۔ آف وائٹ ساڑھی میں ملبوس وہ ثانیہ کے پیچھے کھڑا آہستگی سے ان کا کاندھا تھپکتا ادھر ادھر متلاشی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
''حد ہوتی ہے تمثیل کہیں تو اپنی ڈرامے چھوڑ دیا کرو''۔ مڑ کر خفگی سے کہتے انہوں نے اس کا کان پکڑا تھا۔
''ہیں...... لگتی تو یہ اپنی والدہ ماجدہ کی آواز ہے' بہن کیا آپ نے ابھی ان کی آواز نکالی تھی''۔ غور سے انہیں دیکھتا وہ بالکل سنجیدہ تھا' اس کے انداز پر سب ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔
''اپنی بکواس بند کرو اور جا کر گاڑیاں نکلواؤ''۔ وہ جھنجلا کر کہتی آگے بڑھ گئی تھیں۔
''ارے نہیں تو......'' وہ تیزی سے ان کے پیچھے لپکا۔
''میں تو یہ کہنے آیا تھا کہ آپ کو احمد صاحب یاد فرما رہے ہیں''۔ اس نے مزے سے باپ کا نام لیا تھا۔
''شرم تو نہیں آ رہی ہوگی تمہیں''۔ انہوں نے خاصے غصے سے اسے دیکھا تھا۔
''لیں میں کیوں کروں شرم وہ کریں شرم اس عمر میں ڈیٹ مارتے ہوئے میں نے تو صرف پیغام پہنچایا ہے''۔ وہ شانے اچکاتے ہوئے بولا۔
''یہ تمہارے سارے فرمودات انہیں سناتی ہوں جا کر''۔ وہ اسے غصے سے گھورتی چلی گئی تھیں' بیشا ہاتھ میں برش تھامے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی بال کرل کیے ہوئے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے وہ یقیناً فاریہ کو ڈھونڈتی آئی تھی اسے دیکھ کر اس کی شرارتی رگ مزید پھڑکی تھی۔
''باادب باملاحظہ ہوشیار' ملکہ کوہ قاف بیشا...... چڑیل تشریف لا رہی ہیں''۔ قدرے توقف سے اس نے جملہ پورا کیا تھا اور اس توقف کے بعد بیشا کا چہرہ جو خود کو ملکہ کہے جانے پر کھلا تھا غصے سے لال بھبھوکا ہو گیا تھا' وہ خاصے جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھی تھی مگر برا ہو لہنگے کا عین وقت پر پیروں سے لپٹ گیا اور اس سے پہلے کہ وہ اسی کے قدموں میں سجدہ ریز ہوتی اس نے سرعت سے اسے تھام کر گرنے سے بچایا تھا۔
''پہلے چلنا سیکھو پھر ایسے کپڑے پہننا''۔ وہ ابھی بھی اسے جلانے سے باز نہیں آیا تھا وہ اسے دھکا دینے والے انداز میں پیچھے دھکیلتی ماہم کی طرف بڑھ گئی جو خود بھی اسی کی طرح برش تھامے فاریہ کو ڈھونڈ رہی تھی۔

☆☆☆☆

بارات کی آمد کا شور اٹھا تو لڑکیاں ہاتھ میں گلاب کی پتیوں کی پلیٹیں لیے دور دیا قطار میں کھڑی ہو گئیں' تمثیل بھی فاریہ کے ہاتھ سے پلیٹ اچکتا وہیں کھڑا ہو گیا تھا' آخر پھول نچھاور کر کے رانیہ کا استقبال کرنا تھا وہ اسے دیکھنے کو بے چین تھا۔
''تم ادھر کیا کر رہے ہو؟ ادھر دو پلیٹ یہ استقبال صرف لڑکیاں کرتی ہیں''۔ کہتے ہوئے اس نے اپنی پلیٹ چھینی تھی۔
''تو آج سے اس میں لڑکے بھی شامل ہو جایا کریں گے بہت سے کام دنیا میں پہلی بار ہوتے ہیں''۔ مسکراتے ہوئے اس نے پلیٹ میں سے پھول اٹھائے تھے اس سے سر پھوڑنا بے کار تھا اس لیے اس نے ولی کو آواز دے کر اسے لے جانے کو کہا تھا اور ولی کا نام سنتے ہی وہ الرٹ ہو گیا ذہن کے پردے پر وہ سارے فرمودات لہرائے تھے وہ فوراً ہی محتاط ہو گیا تھا وہ لاکھ شوخ سہی مگر اس کی وجہ سے رمانہ پر آنچ آئے یا رانیہ مورد

الزام ٹھہرائی جائے یہ اسے کسی صورت گوارہ نہیں تھا وہ خاموشی سے اندر بڑھ گیا تھا۔

کال سن کر وہ تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھا تھا' واپسی پر اس کے ہمراہ نروس سی زونیرہ تھی سیاہ لمبی فراک میں ملبوس پاجامہ کی صرف چنٹیں نظر آ رہی تھیں دوپٹہ شانوں پر پھیلائے بال سیاہ آبشار کی صورت پشت پر بکھرے ہوئے تھے اسی لئے وہ سیدھا تانیہ کے قریب پہنچا تھا جو فوزیہ سے باتوں میں مشغول تھیں' رانیہ بھی قریب ہی کھڑی تھی اسے زونیرہ کے ساتھ آتا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی سلگی تھیں اپنی توہین کا احساس حد سے سوا ہونے لگا' وہ وہاں سے ہٹ گئی' اس کے دل میں بھانبڑ جل رہے تھے' پوری تقریب میں وہ بے زار سی تھی اکلوتے بھائی کی شادی میں بے زاری کچھ لوگوں کے لئے باعث حیرت تھی یہ بے زاری اس کی طبیعت کا خاصا نہیں اس لئے وہ کسی سے چھپا نہیں سکی تھی ادھر اس کے دل کی بدلتی خلش اور شک سے بے نیاز تمثیل مختلف کام نمٹاتے ایک محتاط سی نظر اس پر ڈال لیتا تھا۔

☆☆☆☆

رمانہ رخصت ہو کر اپنے سسرال جا چکی تھی' وہ لوگ بھی اس کے ولیمے میں شریک ہو کر واپس آ گئے تھے' رمانہ کو خوش اور مطمئن دیکھ کر سب کو یک گونہ اطمینان پہنچا تھا' سکھر وہ لوگ دو دن رکے تھے' اور ان دو دنوں میں رانیہ کا گریز اور بے زاری تمثیل سے چھپی نہیں رہی تھی مگر وہ اسے حسن کی کوئی ادا سمجھا تھا' تاہم اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ واپس جاتے ہی وہ ماں سے رانیہ کے متعلق بات کرے گا مگر اسے فوری موقع نہ مل سکا تھا' واپس آتے ہی وہ اپنے ایگزامز میں مصروف ہو گیا تھا۔ ینشا کا رزلٹ میرٹ پر نہیں آ سکا تھا' ڈاکٹر بننے کی خواہش دم توڑ گئی تھی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی رو رہی تھی۔

''میں نے اتنی محنت کی تھی''۔ ٹشو پیپر کا ڈبہ تیزی سے ختم کیے جا رہی تھی سب اس کے گرد بیٹھے تسلیاں دیئے جا رہے تھے' تانیہ اس کا سر شانے سے لگائے سر تھپک رہی تھیں' ساتھ ہی تمثیل کو بھی خونخوار نظروں سے دیکھ لیتیں جو کب سے نیناں برسے رم جھم...... کی تان لگا تا ینشا کے زخم پر نمک پاشی کر رہا تھا۔

''تمہارے میرٹ پر نہ آنے کی خبر ان غریبوں کے لئے عین مسرت اور طمانیت کا باعث ہو گی جن کا تم مفت علاج کرنے کی ٹھانے ہوئے تھیں' تم شکر ادا کرو کہ کتنے ہی غریبوں کا ناحق خون تمہاری گردن پر آنے سے بچ گیا''۔ اس کے قریب بیٹھا وہ نہایت سنجیدہ لہجے میں بولا' ان سب کی ہنسی بے ساختہ تھی تانیہ نے بھی اپنے ہونٹوں پر در آنے والی مسکراہٹ دبائے بظاہر بڑے غصے سے اسے گھورتے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تھا مگر وہ بڑی تیزی سے جھکائی دے گیا اور وہ ہاتھ ینشا کے شانے پر لگا تھا نتیجتاً وہ اور زور زور سے روتی اپنے کمرے میں گئی تھی۔

☆☆☆☆

رمانہ اور فیضان کی اچانک آمد سب کے لئے سرپرائز تھی' پندرہ دن کے ہنی مون پیریڈ نے رمانہ کو نکھار بخش دیا تھا اور وہ جو کب سے تانیہ سے بات کرنے کا موقع تلاشتا لفظوں کو توڑ جوڑ کر رہا تھا' اسے لگا قدرت نے خود اسے یہ موقع فراہم کر دیا ہے فیضان دو دن رک کر چلا گیا تھا اور رمانہ مزید پندرہ دن کے لئے ٹھہر گئی تھی۔ رات کو کھانے کے بعد وہ سب کے بیچ سے رمانہ کو اٹھا کر چھت پر چلا آیا تھا' ٹہلتے ہوئے مختصر لفظوں میں اس نے رانیہ کے متعلق بتا دیا تھا' رمانہ حیرت زدہ سی رہ گئی تھی۔

''تم...... اور رانیہ...... ایک دوسرے سے...... میرا مطلب ہے یہ کب ہوا...... ہم تو سمجھتے تھے...... کہ تم زنیرہ سے''۔

"زنیرہ.....زنیرہ.....اف میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آپ لوگوں نے ایسا کیا دیکھا ہمارے درمیان کہ آپ سب اس کا نام میرے ساتھ جوڑتے ہیں وہ ایک بہت اچھی لڑکی ہے میری کلاس میٹ رہی ہے میرا اس سے عزت احترام کا رشتہ ہے اور بس میری اس سے نہ کبھی کوئی دوستی رہی ہے نہ ہی ہمارا کوئی افیئر تھا"۔ وہ جھنجھلا گیا تھا۔

"ہمم.....اچھا یہ بتاؤ کہ رانیہ بھی تم میں انٹرسٹڈ ہے"۔ اثبات میں سر ہلاتے رمانہ نے سوال کیا تھا' وہ سوچ میں پڑ گیا اتنا تو وہ جانتا تھا کہ محبت کے سفر میں وہ اکیلا نہیں ہے مگر یہ بات رمانہ کو بتائے یا نہیں' رمانہ خاموش کھڑی چھت پر لگے پول لائٹ کی روشنی میں اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے ہاں"۔ گہری سانس خارج کرتے اس نے جواب بھی دے دیا تھا اور اپنے جواب کو مبہم بھی رکھا تھا۔

"ٹھیک ہے' میں آنی سے بات کروں گی مگر تم یہ بھی سوچو کہ تم سے بڑے مہران بھائی کنوارے ہیں اور تمہاری اسٹڈیز بھی کمپلیٹ نہیں ہوئی میرا خیال ہے آنی تمہاری اتنی جلدی شادی پر رضامند نہیں ہوں گی اور ادھر میری ساس وہ تو صرف اچھے رشتے کے انتظار میں بیٹھی ہیں جونہی کوئی ملا وہ جھٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ کریں گی"۔

"اوہو.....تو میں کب چاہ رہا ہوں کہ وہ فوراً میری شادی کر دیں اتنی جلدی میں خود بھی شادی نہیں کرنا چاہتا مگر امی میرے رشتے کی بات تو کر ہی سکتی ہیں ناں میں اسے رشتے کی ڈور میں باندھنا چاہتا ہوں اور رہا میری اسٹڈیز کا سوال تو میں ایگزامز دے چکا ہوں"۔ وہ انتہائی سنجیدگی سے اسے کنوینس کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور کنوینس تو وہ ہو گئی تھیں اس جیسے غیر سنجیدہ اور لاابالی لڑکے کو سیریس دیکھ کر بس یونہی سنجیدگی سے سوال جواب کرتی اسے ستا رہی تھی۔

"ہوں.....ایگزامز تو دے دیئے ہیں مگر پریکٹیکل لائف میں قدم تو نہیں رکھا ناں' اب اپنی بیٹی کا رشتہ کرتے ہوئے وہ یہ تو دیکھیں گے ناں کہ لڑکا کتنا اسٹیبلش ہے"۔

"یار! تم لوگ رشتہ تو لے کر جاؤ"۔ وہ جھنجھلایا اور وہ کتنی دیر سے اس کی اضطرابی کیفیت سے حظ اٹھا رہی تھی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

☆☆☆☆

اپنے طور پر اس نے تانیہ سے بات کی تھی تمثیل کا وہ نام بھی بیچ میں نہیں لائی تھی۔

"رانیہ.....ہاں لڑکی تو اچھی ہے"۔ وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"مگر تمثیل کے لئے کیوں' شادی کی عمر تو مہران کی ہے' میں ابا سے بات کرتی ہوں مہران کے لئے"۔ وہ پرخیال لہجے میں بولیں' جہاں صوفے کے پیچھے کھڑا تمثیل بلبلا اٹھا تھا وہاں رمانہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"اے لو تم ہنسی کیوں؟ میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے کیا"۔ وہ برا مان گئیں۔

"مہران بھائی کو چھوڑیں آنی انہیں تو شادی کے نام پر 440 والٹ کا کرنٹ لگتا ہے آپ تمثیل کے بارے"۔

"ارے واہ مہران کو کیوں چھوڑوں.....اب نہ سہی دو چار سال بعد تو وہ شادی کرے گا ناں' اب اپنے اتنے لائق فائق بیٹے کو چھوڑ کر تمثیل جیسے نگوڑے اور نکمے لڑکے کے لیے میں لڑکیاں تلاشتی پھروں دیکھ لوں گی اس کے لئے بھی جب اس قابل ہوگا"۔ وہ اس کی بات کاٹ کر جذباتی لہجے میں بولیں۔ رمانہ نے مسکراہٹ دبالی تمثیل غصے سے واک آؤٹ کر گیا وہ اس کی موجودگی سے لاعلم ہی تھیں ناں اس کے آنے کی خبر ہوئی تھی نا جانے کی۔

''رانیہ اچھی لڑکی ہے آنی مہران بھائی ابھی شادی پر رضامند نہیں آپ تمثیل کے بارے میں سوچیں''۔اس کے پرزور لہجے میں بات دہرانے پر وہ چونک گئیں۔

''یہ تم تمثیل پر اتنا زور کیوں دے رہی ہو کہیں تمثیل نے تو......''

''آپ ٹھیک سمجھیں ہیں''۔اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''لو ذرا اس کی عمر دیکھو اور کرتوت...... کام کے نہ کاج کے اور شادیوں کی پڑ گئی''۔وہ یکدم مشتعل ہو گئیں۔

''کیا ہو گیا ہے آنی! تمثیل کی عمر ماشاء اللہ 23 برس ہو گئی ہے اب اس عمر میں لڑکی پسند نہیں کرے گا تو کیا چاچو کی عمر میں کرے گا اور کرتوتوں کی بھی خوب کہی آپ نے کسی کو پسند کر کے شریفوں کی طرح رشتہ بھیجنا کون سے کرتوت ہیں''۔وہ مسکراہٹ دبائے بولی۔

''اور پھر ابھی شادی کرنے کو کون کہہ رہا ہے رشتہ بھی تو مانگ سکتا ہے''۔وہ رسان سے سمجھا رہی تھیں۔

''مگر رمانہ بیٹا! کہیں انہیں بہو کے میکے میں رشتہ کرنے پر اعتراض نہ ہو میرا مطلب ہے وہ اسے وٹہ سٹہ ٹائپ چیز نہ سمجھ لیں''۔

''ارے نہیں آنی! فیضان بہت کھلے ذہن کے انسان ہیں اور فوزیہ آنٹی بھی بہت پڑھی لکھی ہیں میں وہاں خوش ہوں اور مجھے یقین ہے کہ رانیہ یہاں خوش رہے گی اور ویسے بھی تمثیل جیسا لڑکا وہ لوگ چراغ لے کر بھی ڈھونڈیں گے تو نہیں ملے گا''۔اس کے لہجے سے تمثیل کے لئے محبت چھلک رہی تھی۔ثانیہ نے احمد سے بات کی تھی اور انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا' مصطفیٰ نیازی سے مشورے کے بعد طے یہ پایا کہ فیضان کی آمد پر اس کے کانوں میں بات ڈال دی جائے اور پھر کچھ دنوں بعد جا کے باقاعدہ رشتہ طلب کیا جائے تمثیل کی شوخی اور شرارتیں ان دنوں عروج پر تھیں وہ ہر وقت ترنگ میں رہتا تھا اسے انکار کا گمان ہی نہیں تھا کہ وہ جانتا تھا کہ رانیہ اس کے ہم قدم ہے مگر انکار ہو گیا تھا۔فیضان کو رمانہ کو لینے آنا تھا مگر انہیں اچانک اسلام آباد جانا پڑا سو مصطفیٰ نیازی کے فیصلے کے مطابق ثانیہ اور احسن نیازی اسے چھوڑنے اور تمثیل کے رشتے کی بات کرنے گئے تھے انہوں نے شائستگی سے سوچنے کا وقت مانگا اور محض دو دن بعد فون پر انکار کر دیا تھا' تمثیل کو ایک فیصد بھی انکار کی امید نہ تھی وہ شاکڈ رہ گیا تھا' انتہائی غصے سے کمرے میں ٹہلتا وہ رمانہ کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

''تمہاری ساس کو انکار کرنے سے پہلے اپنی بیٹی سے تو پوچھ لینا چاہئے تھا کیا سوچ کے انکار کیا ہے انہوں نے''۔رمانہ کے ہیلو کے جواب میں وہ پھٹ پڑا تھا۔

''وہ لڑکی والے ہیں' انکار کا حق رکھتے ہیں تمثیل''۔وہ رسان سے بولیں۔

''اگر اپنی بیٹی سے پوچھ لیتیں''۔

''تو تمہیں کیا لگتا ہے انہوں نے پوچھا نہیں ہوگا''۔وہ اس کی بات کاٹ گئی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''وہ الجھ گیا تھا۔

''وہی جو تم سمجھے ہو' انکار انہوں نے نہیں رانیہ نے کیا ہے''۔

''نہیں تم...... تم جھوٹ بول رہی ہو''۔وہ بے یقین ہوا۔

''میں جھوٹ کیوں بولوں گی تمثیل؟''اس کے لہجے سے ناراضی جھلکی حقیقتاً وہ اس کے لئے پریشان تھی مگر بے بس تھی۔

''رمانہ یار! تمہیں کوئی غلط فہمی''۔وہ یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ہے تمثیل اس نے خود میرے سامنے انکار کیا ہے' یہ کہہ کر کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے

ابھی کوئی شادی نہیں کرنی"۔

"اوہ......تو یہ بات ہے رمانہ وہ ابھی پڑھنا چاہتی ہے یہ اس کی خواہش ہے اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ شادی نہیں کرے گی"۔اس کا دل جو چند لمحے پہلے ڈوبنے لگا تھا اب خوش گمان ہونے لگا۔

"تم اسے سمجھاؤ رمانہ کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا مجھے ابھی اپنا کیریئر بنانا ہے وہ جب تک جتنا چاہتی ہے پڑھے"۔

"ٹھیک ہے میں اسے سمجھاؤں گی"۔ایک گہری سانس بھرتے ہوئے وہ بولی چاہ کے بھی وہ اسے اس کی خوش گمانیوں سے نہیں نکال سکی تھی۔

☆☆☆☆

"تمثیل کے پرپوزل سے انکار کی کیا وجہ ہے؟" بنا تمہید کے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے سوال کر ڈالا۔

"وجہ آپ جانتی ہیں میں بتا چکی ہوں"۔اس نے رمانہ کے ہاتھ سے کپ تھاما۔

"کیا صرف یہی وجہ ہے؟" رمانہ بغور اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی وہ چونک گئی تھی۔

"ہاں......بالکل......یہی وجہ ہے"۔اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"دیکھو رانیہ! اگر تمثیل سے تمہاری کوئی ناراضی ہے اور اس کی وجہ سے تم"۔اس کی بات ادھوری رہ گئی اس نے کپ زور سے ٹیبل پر پٹخا تھا۔

"مطلب کیا ہے آپ کا میرا آپ کے کزن سے ایسا کون سا تعلق ہے کہ میں اس سے ناراض ہوتی پھروں"۔وہ یکدم مشتعل ہوئی۔

"مجھے لگتا ہے کہ تم بھی تمثیل کو پسند کرتی ہو اور"۔

"واٹ ربش......آپ کو جو کچھ بھی لگتا ہے آپ اسے اپنے تک محدود رکھیں' آپ کو ایسا لگتا ہے کہ میں آپ کے دل پھینک آوارہ مزاج کزن کو پسند کرنے کی غلطی بھی کروں گی نو نیور......میری چوائس اتنی گھٹیا نہیں ہوسکتی"۔کہہ کر وہ رکی نہیں تھی اور رمانہ اپنی جگہ بت سی بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆☆

ان سب نے دنگ نظروں سے ڈائننگ ٹیبل پر پڑے پاسپورٹ کو دیکھا جس پر جاپان کے ویزے کی مہر لگی تھی اور وہ سب کے بیچ دھماکا کرکے اب اطمینان سے چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔

"یہ تم اتنے زیادہ خود مختار کب سے ہوگئے کہ ہمیں بتانے تک کی زحمت نہ کی"۔سب سے پہلے احمد بولے تھے آواز میں غصے اور دکھ دونوں کی آمیزش تھی شاک کے عالم میں ولی بھی تھا کیونکہ وہ بھی اتنا ہی انجان تھا جتنا وہ سب اسے لگتا تھا کہ وہ اپنی ہر بات اس سے شیئر کرتا تھا۔

"آپ لوگوں کو تو خوش ہونا چاہئے میں اپنے اوپر سے غیر سنجیدہ اور غیر ذمہ دار ہونے کا لیبل ہٹانے کی کوشش کررہا ہوں ہاں بس میں وہ نہیں بن سکتا جو آپ مجھے بنانا چاہتے ہیں' سوری ٹو سے دادا ابو"۔آخری جملہ اس نے مصطفیٰ نیازی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اور بابا میں کون سا آپ لوگوں کو بتائے بغیر چلا گیا ہوں"۔

"سب کچھ کرکرا کے بتانے کی فارمیلٹی بھی تم نا ہی کرتے تو اچھا تھا وہاں پہنچ کے فون کردیتے"۔نہایت غصے سے کہتے وہ کھڑے ہوگئے۔

''اسے کوئی کچھ نہیں کہے گا احمد! یہ اس کی زندگی ہے جیسا چاہتا ہے گزارنے دو''۔انہوں نے تنبیہی نظروں سے احمد اوران کے برابر بیٹھی ثانیہ کو دیکھا تھا جن کی آنکھوں میں آنسو چلے آئے تھے۔

''دادا ابو!''اس نے اضطراب اور شکستگی کے عالم میں انہیں دیکھا ان کی آواز کی بے رخی اسے بری طرح چبھی تھی مگر وہ اسے نظر انداز کرتے اسٹک کا سہارا لیے چلے گئے تھے۔

احسن' احمد' فواد باری باری اٹھ کر چلے گئے ولی کی آنکھوں میں اس نے ہزاروں شکوے دیکھے تھے' ناراضی کے عالم میں ماہم نے اپنی چیئر زور سے پٹخی تھی ینشاان سب میں سب سے آخر میں اٹھی تھی اوران سب کی طرح وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا اور اچھا ہی تھا ورنہ اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتا حزن وہ راز عیاں کر جاتا جس کا اعتراف اس نے خود سے بھی نہیں کیا تھا۔ان لوگوں کے جاتے ہی وہ ثانیہ کی طرف متوجہ ہوا تھا جن کے رکے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''مما! میں اپنا کریئر بنانے جارہا ہوں آپ جانتی ہیں میرے خواب پلیز اس طرح روئیں تو نہیں''۔وہ اپنی جگہ سے اٹھ کران کے قریب آ بیٹھا تھا۔

''آپ سمجھائیں ناں آنی انہیں''۔اس نے کب کی چپ بیٹھی رافعہ کو مخاطب کیا۔

''میں کیا سمجھاؤں بیٹا تم نے اس طرح اچانک سے دھماکہ کیا ہے''۔

''تم بھی جارہے ہو کچھ دنوں میں مہران بھی چلا جائے گا' تمہیں یہاں کیا کمی ہے تمثیل تم یہاں بھی تو اپنا کیریئر بنا سکتے ہو کوئی تمہیں نہیں روکے گا کوئی تمہارے خوابوں کے آڑے نہیں آئے گا''۔وہ اس کے شانے سے لگ گئیں۔

''مما ایسے موقعے روز روز تو نہیں ملتے ناں میں ملکوں ملکوں گھوموں گا ایک شاندار ریسٹورنٹ چین بناؤں گا' ایک چینل لاؤنج کروں گا وہاں آپ اپنی ریسپیز سکھایا کریں گی ٹوٹکے بتائیں گی دیکھیے گا لوگ زبیدہ آپا کو بھول جائیں گے''۔وہ روتے روتے ہنس پڑی تھیں۔

''تمثیل بیٹا تم رانیہ کی وجہ سے جارہے ہو ناں میں جانتی ہوں تمہیں وہ پسند ہے میں..... میں دوبارہ فوزیہ سے بات کروں گی میں اسے تمہارے لئے دوبارہ مانگوں گی''۔وہ ماں تھیں اس کے دل سے کیسے واقف نہ ہوتیں۔

''مما! کیا ہو گیا ہے آپ کو آپ جانتی ہیں مجھے میں کسی کے لئے نا کوئی فیصلہ کرتا ہوں نا تبدیل کرتا ہوں باہر جانا میری کیریئر پلاننگ میں شامل تھا اس کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔وہ سپاٹ لہجے میں بولتا کھڑا ہو گیا۔

''تم مجھ سے ناراض ہو؟''وہ ولی کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''کیا میں آپ کو جانتا ہوں؟''جوگرز کے تسمے باندھتے ولی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مذاق مت کرو ولی''۔وہ اس کے برابر بیٹھا۔

''مذاق...... میں کیوں مذاق کروں گا جب کہ میں آپ کو جانتا تک نہیں''۔ولی ہاتھ جھاڑتا کھڑا ہو گیا اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا' اسے ابھی بہت لوگوں کو منانا تھا۔

☆☆☆☆

سیٹ سے ٹیک لگاتے اس نے آنکھیں موند لیں کہ ٹیک آف ہونے کا اعلان ہو رہا تھا ایک گہری سانس اس نے اپنے لبوں سے خارج کی تھی اس کے ذہن میں وہ باتیں گونج رہی تھیں جو وہ آتے ہوئے دادا ابو سے کر کے آیا تھا وہ اسے کچھ تھکے تھکے مضمحل لگے تھے ان کی آواز میں بھی وہ گرج نہیں تھی وہ کمرے میں اندھیرا کیے نیم

دراز تھے جب وہ ان سے ملنے گیا۔

''تو تم بھاگ رہے ہو''۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے وہ ذرا سا مسکرائے۔

''میں.....'' تردید کرنے کا ارادہ بدلتے وہ خاموش ہو گیا وہ کتنا بھی انہیں جھٹلاتا جانتا تھا کہ سب کی طرح انہیں بھی اس کے حال سے واقفیت ہے۔

''فرار کسی مسئلے کا حل تو نہیں ہے ہم سب جانتے ہیں کہ تم چوٹ کھائے ہوئے ہو اور چوٹ پر مرہم اپنے ہی لگاتے ہیں مگر تم تو اپنوں سے بھاگ رہے ہو''۔

''دادا ابو! آپ مجھ سے خفا تو نہیں ہیں''۔ اس نے ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا۔

''نہیں..... میں تم سے خفا نہیں ہوں تم میرے پوتے ہو تمثیل میرے باغی پوتے میرے باقی بچوں سے الگ منفرد اس لحاظ سے تم مجھے بہت عزیز ہو بغاوت کی جرأت ہر کسی میں نہیں ہوتی مجھے تم میں اپنی جھلک نظر آتی ہے اپنی راہیں خود تلاشنے کا عزم ہے تم میں اور منزل کو پانے کی جستجو بھی' بس کوئی نوبل پروفیشن منتخب کر لیتے تو''۔ بولتے ہوئے ان کے لہجے میں مایوسی در آئی اب ان کے نزدیک نوبل پروفیشن ڈاکٹر' انجینئر' اور بزنس ہی تھے تو وہ اس عمر میں ان کے نظریے بدل تو نہیں سکتا تھا۔

''دادا ابو! کسی کو کھلانے سے بہتر پروفیشن بھلا کیا ہو گا''۔ ایک ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولتا وہ ان کے ہاتھ چومتا کھڑا ہو گیا۔ اس کی ذہنی رو بھٹک کر اس بے وفا کی طرف مڑ گئی تھی ہاں اس کے نزدیک وہ بے وفا ہی تھی صرف زبان سے اقرار ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا' اس کی آنکھوں نے اس سے اقرار محبت کیا تھا اس کے ہر ہر انداز نے اسے جتایا تھا کہ وہ اکیلا نہیں ہے اس کے انکار سے اس کے دل پر اتنی چوٹ نہیں پڑی تھی جتنی اس کے الزامات پر اس کی انا بلبلا اٹھی تھی اگر وہ آوارہ تھا فلرٹ تھا تو اس سے دل لگایا کیوں تھا اس نے کیوں پہلے ہی قدم پر اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی تھی ان سب سوالات کے جوابات چاہئے تھے اسے۔

☆☆☆☆

''میں ہوں میشا' میشا' احسن نیازی رافعہ اور احسن نیازی کی آخری اولاد اپنے گھر میں' میں نے مثال محبت دیکھی بہت ہی معمولی نوعیت کی جھڑپوں کے علاوہ ہمارے گھر میں کبھی کسی کی لڑائی نہیں ہوئی سوائے میرے اور تمثیل کے ہماری بچپن سے ہی کبھی نہیں بنی ہم دونوں پاکستان انڈیا کی فوجوں کے مانند تھے اپنے اپنے محاذ پر جمے ایک دوسرے پر گولہ باری کرتے لیکن اس کے باوجود اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں پر دادا ابو کے ہاتھوں متوقع درگت سے بچنے کے لئے وہ اکثر مجھ سے فیور مانگتا اور اس کی درگت دیکھنے کی شدید خواہش رکھنے کے باوجود میں اسے فیور دے بھی دیتی نجانے کیوں؟ دادا ابو کے بنائے اصول اور حدود کراس کرنے کی ہمت ہم میں سے کسی کی نہیں تھی مگر وہ تو پیدا ہی اصول توڑنے کے لئے ہوا تھا ساتھ ہی میرے معصوم بھائی ولی کو گھسیٹ لیتا اور میں اپنے بھائی کو بچانے کے لئے اسے فیور دیتی ہاں جب میں یہی سوچا کرتی تھی اس سے محبت کا احساس شاید مجھے تب ہوا جب میں نے اس کا جھکاؤ رانیہ کی طرف دیکھا مجھ سے جھگڑتے جب رانیہ کے لئے اس کی ٹون یکدم ہی بدلی تو میں چونک پڑی ناگواری کی ایک شدید لہر میرے اندر اٹھی تھی مگر اپنی لاپرواہ طبیعت کے باعث بہت جلد میں نے اس احساس کو جھٹک دیا' دوسری بار یہ احساس مجھ پر تب ہوا جب بھرے بازار میں اس نے اس شخص کو میرے لئے پیٹا تھا اور مجھے کسی قیمتی متاع کی طرح سنبھالتے وہ گاڑی تک لایا تھا' اب کی بار یہ احساس شدید تھا میں اسے جھٹک نہیں پائی اور مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ مجھے تمثیل نیازی سے محبت ہو گئی ہے میں اسے

مسلسل جھنجلاتی رہی تھی بے حد الجھ گئی تھی مجھے یقین نہیں آتا تھا مجھے اس سے کیسے محبت ہو سکتی تھی میں خود کو یقین دلاتی کہ یہ وہی تمثیل ہے جس سے مجھے بے حد چڑ ہے اور مجھے اس سے کوئی محبت نہیں ہے مگر جب بھی اس کی نگاہیں رانیہ پر فوکس ہوتیں جہاں رانیہ کا چہرہ کھل اٹھتا تھا وہیں میرا چہرہ تاریک ہو جاتا' میں رانیہ کو بد مزاجی نہیں دکھا سکتی تھی وہ میری بہن کی ہونے والی نند تھی سو خود پر قابو پا کر میں وہی بے نیازی ییشا بن گئی۔

جب تمثیل کے پرپوزل سے رانیہ نے انکار کیا مجھے حیرت کے ساتھ تمثیل کے لئے افسوس بھی ہوا تھا مگر اندر دل کے کسی کونے میں بے تحاشا خوشی بھی تھی میں مطمئن تھی مگر پھر وہ چلا گیا اور میں جو کبھی اعتراف نہیں کرتی تھی خود سے اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئی اس کے جانے سے زیادہ مجھے اس کے جانے کی وجہ سے تکلیف تھی بے تحاشا تکلیف گویا رانیہ سے محبت اس قدر زیادہ تھی کہ اس کے لئے اس نے گھر چھوڑ دیا ہم سب کو اور ہماری محبت کو چھوڑ کر چلا گیا وہ۔ فاریہ اور فواد بھائی کی شادی ہو گئی ولی اور ماہم کی منگنی ہو گئی سب نے کتنا اصرار کیا تھا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے سہی واپس آ جائے' ولی نے کتنا منانے کی کوشش کی یہاں تک کہا کہ اس کے بغیر وہ منگنی بھی نہیں کریں گے مگر وہ یہاں آنے کے بجائے جاپان سے اٹلی چلا گیا اور آج چار سال گزر گئے مہران بھائی واپس آ گئے وہ نہیں آیا وہ جب بھی آیا میں پوچھوں گی تو ضرور کہ کیا ہماری محبتیں اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی......؟''

اس کی سوچوں کو بریک فون کی بیل سے لگا تھا چند لمحے تو وہ یونہی بیل سنتی رہی تھی دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی کچھ کرنے کا جی نہیں چاہ رہا تھا قریب میں کوئی موجود نہیں تھا اس لئے مجبوراً اسے ہی فون ریسیو کرنا پڑا تھا۔

''ہیلو''۔ اس کی آواز میں بے زاری تھی۔

''ہیلو ییشا''۔ اس کا لہجہ تصدیق لئے ہوئے تھا۔

''تمثیل''۔ وہ ابھی تک اس کے خیالوں میں گم تھی اس لئے اس کی آواز سنتے ہی یکدم گھبرا گئی تھی۔

''کیسی ہو تم لڑاکا بلی؟ کہاں ہوتی ہو؟ تم سے تو بات ہی نہیں ہو پاتی''۔ وہ فون تو کم ہی کرتا تھا مگر پھر تین چار روز میں اسکائپ پر کال کر لیا کرتا تھا سب ہی بات کر لیا کرتے مگر وہ دانستہ ہی خود کو کسی نہ کسی کام میں مصروف کر لیتی۔

''میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو......؟'' وہ اگر پرانی ییشا ہوتی تو یقیناً اس پر بل پڑتی۔

''ٹھیک ہوں تمہیں وش کرنا تھا تمہارا ماسٹرز کمپلیٹ ہو گیا ہے نا''۔

''تھینکس ......'' وہ اتنا ہی کہہ پائی۔

''تم اتنی فارمل کیوں ہو رہی ہو ویسے سب کہتے ہیں ییشا بہت بدل گئی ہے''۔

''پتہ نہیں مجھے تو نہیں لگتا خیر میری چھوڑو تم سناؤ کب تک واپس آ رہے ہو......؟'' کب سے رکا سوال زبان پر آ گیا تھا۔

''مم...... جلد ہی آ جاؤں گا' رمانہ سے پچھلے ہفتے ہی میری بات ہوئی تھی وہ بتا رہی تھی کہ تم اپنے لئے آنے والے پرپوزل دھڑا دھڑ ریجیکٹ کرتی جا رہی ہو جس کی وجہ سے سب پریشان ہیں وہ کہہ رہی تھی میں بھی تمہیں سمجھانے کے کار خیر میں اپنا حصہ ڈالوں جیسے کے کبھی ہماری بہت دوستی رہی ہو''۔ وہ ہنسا تھا۔

''اف...... رمانہ آپی''۔ وہ کراہ کے رہ گئی کیا ضروری تھا کہ آپ یہ تفصیل بھی اسے بتاتیں وہ سوچ کے رہ گئی۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے اب کوئی سمجھ میں آئے گا تو ہی ہاں کروں گی ناں''۔ وہ سنبھل گئی۔

''تو پھر جلد ہی کسی کو پسند کر لو ماہم تم سے ایک سال چھوٹی ہے پر منگنی شدہ ہو گئی ہے''۔ وہ نجانے اسے جتا رہا تھا یا طنز کر رہا تھا۔

''ماہم کا رشتہ گھر میں موجود تھا' اگر میرا بھی ہوتا تو......'' بھڑک کر کہتے اس نے بروقت زبان روک لی نجانے وہ کیا سمجھ بیٹھتا۔

''خیر...... تم میری فکر کر کے خود کو ہلکان مت کرو''۔ بول کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

☆☆☆☆

''مہران بھائی کی بات طے ہوگئی ہے''۔ رمانہ اپنے بیٹے کے کھلونے سمیٹتی قصداً اونچی آواز میں بولی مقصد صرف رانیہ کو سنانا تھا جو ابھی آ کر بیٹھی تھی۔

''اچھا...... کہاں ہوئی ہے؟'' چینل سرچ کرتے فیضان نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

''تمثیل کی ایک کلاس فیلو ہوتی تھی زنیرہ اس سے اچھو لی آنی آج کل مہران بھائی کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی تھیں' تمثیل کو پتہ چلا تو زنیرہ کا نام لے لیا بہت ہی اچھی لڑکی ہے رانیہ تم تو ملی تھیں ناں اس سے''۔ اس نے یکدم ہی رانیہ سے پوچھا جو زنیرہ کا نام سنتے ہی چونک اٹھی تھی۔

''ہاں...... پتہ نہیں مجھے یاد نہیں ہے''۔ شانے اچکا کر اس نے میگزین چہرے کے سامنے کر لیا۔

''پتہ ہے کیا فیضان زنیرہ بہت ہی ذہین ہے کلاس ٹاپر تھی اچانک فادر کی ڈیتھ کی وجہ سے اس کی فیملی فنانشل کرائسس میں آ گئی تھی دونوں بھائی چھوٹے تھے اس لیے اس نے تعلیم ادھوری چھوڑ دی' تمثیل نے اسے انکریج کیا جس ریسٹورنٹ میں وہ کام کرتا تھا وہاں اسے جاب دلائی اور مجبور کیا کہ وہ ایوننگ کلاسز میں اپنی تعلیم مکمل کرے زنیرہ ہمارا ہی تھی یونیورسٹی میں اس کی تمثیل سے محض سلام دعا تھی مگر اس نے اسے بالکل بھائیوں کی طرح سپورٹ کیا ہے' اکثر دیر سویر ہونے پر اسے پک اینڈ ڈراپ بھی کر دیا کرتا تھا اور دیکھیں تو ذرا اسے اتنا حساس ہے کبھی ذکر تک بھی نہیں کیا یہ سب زنیرہ نے ہی میشا ماہم وغیرہ کو بتایا ورنہ ہمیں تو پتا ہی نہیں تھا کہ بظاہر لاپرواہ اور لاابالی نظر آنے والا ہمارا تمثیل اتنا حساس ہے''۔ اس کے لہجے میں تمثیل کے لیے محبت تھی مقصد رانیہ کو جتانا بھی تھا۔

''نہایت سادہ لوگ ہیں والدین نہیں ہیں بھائی کی ابھی نئی نئی جاب لگی ہے اس لیے منگنی وغیرہ کے جھنجھٹ میں پڑنے سے تو دادا ابو نے سختی سے منع کر دیا تھا آنی اور مما وغیرہ جا کر انگوٹھی پہنا آئیں بس اب تو آنی چاہ رہی ہیں کہ تمثیل آئے تو وہ دونوں بھائیوں کو ساتھ ہی نمٹا دیں اور رانیہ تم بھی اب راضی ہو جاؤ شادی کے لیے اور کتنی ڈگریاں جمع کرو گی''۔ رانیہ سے اب وہاں بیٹھنا محال ہو گیا تھا وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی شک کی پٹی آنکھوں سے اتر گئی تھی کوئی کیا اپنی خوشیوں کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگاتا ہے میں منالوں گی اسے وہ بے چینی سے ٹہلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

☆☆☆☆

''میشا''۔ دادا ابو کی آواز پر میشا کرنٹ کھا کر پلٹی تھی وہ جانے کب اس کے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے اسے پتہ ہی نہ چلا تھا رخ موڑ کر جلدی سے اس نے اپنا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ صاف کیا تھا وہ تو سب گھر والوں سے چھپ کر لان کے پچھلے حصے میں اپنا بوجھل دل ہلکا کرنے آ بیٹھی تھی مگر بھول گئی تھی دادا ابو کے کمرے کی ایک کھڑکی اس طرف بھی کھلتی ہے یقیناً وہ اسے اس طرح بیٹھا دیکھ کر آئے تھے۔

''کیا بات ہے بیٹا؟'' وہ اپنی اسٹک سنبھالتے اس کے برابر بیٹھ گئے۔

''کچھ نہیں دادا ابو! یونہی بس دل بھاری ہو رہا تھا''۔ بہت دیر تک رونے کی وجہ سے آواز بھاری ہو رہی تھی

آنکھیں بھی سوجی ہوئی اور گلابی تھیں۔

''بلاوجہ تو دل بھاری نہیں ہوا کرتا''۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا بس سامنے کیاری پر نظریں جمائے بیٹھی رہی۔

''خیر وجہ تو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں''۔ اسے کچھ نہ بولتے دیکھ کر وہ بولے۔

''جی''۔ اس نے بوکھلا انہیں دیکھا۔

''دیکھو بیٹا! یہ تو حقیقت ہے لڑکیوں کو ایک دن بیاہ کر رخصت ہونا ہی پڑتا ہے اور ہر ماں باپ لڑکیوں کی پیدائش سے ہی اس حقیقت کے لیے خود کو اپنے طور پر تیار کر لیتے ہیں تم بھی اس حقیقت کو سمجھو بیٹا' اب یا دو چار سالوں بعد شادی تو تمہاری ہونی ہے تو ایسے بچکانہ رویے سے سب کو تنگ کرنا چھوڑو رافعہ تم پر اس معاملے میں اگر سختی کر رہی ہے تو تمہارے ہی بھلے کے لیے کر رہی ہے' ایک وہ تمثیل اور ایک تم دونوں ہی نجانے کیا سوچ بیٹھے ہو وہ واپس آنے کا نام نہیں لیتا اور تم جانے کا''۔ ان کی خفگی بھرے انداز میں پر اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ چمکی تھی۔

''سب ہی بچوں کے فرض پورے ہو گئے ہیں ایک تم اور تمثیل ہی رہ گئے' میں تو تم دونوں کے لیے کچھ اور ہی سوچے بیٹھا تھا مگر خیر''۔ انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک گہری سانس بھری تھی بیشا کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ پھر سے اٹکنے لگا۔

''چھوڑیں دادا ابو! آپ بھی کس کی بات لے بیٹھے ہیں ہماری ہم سب کی محبتیں اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتیں''۔ جس طرح بھیگی آواز میں بولتی وہ تیزی سے کھڑی ہوئی اور اندر بھاگی تھی اس نے مصطفیٰ نیازی کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆☆

رمضان کا بابرکت مہینہ رحمتوں اور مغفرت کی بارش لئے ایک بار پھر چلا آیا تھا بھاگتی دوڑتی زندگیوں میں یکدم ہی ٹھہراؤ آ گیا تھا' چلچلاتی گرمیوں کے روزے تھے مگر سب ہی خشوع اور خضوع سے اس رحمت اور مغفرت کے مہینے کے انوار سمیٹ رہے تھے وہ بھی پوری دیانتداری اور لگن سے حقوق الٰہی ادا کر رہی تھی۔ ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد قرآن پاک پڑھ کر وہ کچھ دیر سونے کی نیت سے لیٹی تھی جب ہی گیٹ پر ہوتی بیل نے اسے اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا' وہ جو کوئی بھی تھا نہایت بے صبرا تھا یا پھر اس شدید گرمی اور دھوپ نے اسے بے صبرا بنا دیا تھا گیٹ کھولتے ہی وہ بے یقین سی کھڑی رہ گئی۔

''تم...... ثیل''۔ اس کے نام کو اس نے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

''اب یونہی دیدے پھاڑے دیکھتی رہو گی یا اندر بھی آنے دو گی''۔ اسے گیٹ پر ہی ایستادہ دیکھ کر وہ جھنجھلا اٹھا تھا اسے یونہی گیٹ پر چھوڑ کر اس نے اندر دوڑ لگا دی تھی اس کی لایعنی چیخوں سے گھبرا کر پورا گھر اپنے اپنے کمروں سے نکل آیا تھا۔

''میں نے کہا تھا ناں میران بھائی کی شادی کی ڈیٹ رکھتے ہی میں آ جاؤں گا''۔ وہ مسکراتا ہوا تانیہ کی طرف بڑھا تھا۔

''تم نے جو کہا تھا پر ہم نے یقین نہیں کیا تھا سوچا تم پہلے کی طرح ہی لارے دے رہے ہو گے''۔ فاریہ مسکرائی تھی۔

''میں نے بہت مس کیا سب کو''۔ وہ ایک ایک سے شدت سے ملتا کہہ رہا تھا مگر وہ جس نے گیٹ کھولا تھا اور چیخ چیخ کر پورے گھر کو اکٹھا کیا تھا وہ نجانے کہاں غائب ہو چکی تھی کچھ دیر پہلے جو گھر سناٹے میں ڈوبا تھا وہاں قہقہے گونج رہے تھے وہ جو اس گھر کی ساری رونق اپنے ساتھ لے گیا تھا اب واپس لے آیا تھا' 23 ویں روزے کو

رمانہ کی آمد ہوئی تھی' رانیہ بھی اس کے ہمراہ تھی اس کی ساس اور فیضان کو شادی والے دن ہی آنا تھا اس نے رانیہ کو سرسری سا چلنے کے لئے کہا تھا اور وہ تو منتظر ہی تھی جو خوشیاں اس نے اپنے ہاتھوں خود کھوئی تھیں' اب واپس پائی تھیں یہ سچ تھا تمثیل اس کی زندگی میں آنے والا پہلا اور آخری شخص تھا۔ رمانہ کے ساتھ رانیہ سے بھی وہ ویسے ہی خوش دلی سے ملا تھا' جو اس کی طبیعت کا خاصا تھی کسی گندی بات کا اس کے چہرے پر شائبہ تک نہ تھا' رانیہ کو اس سے بے تحاشا شرمندگی محسوس ہو رہی تھی' حال احوال کے بعد اس نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا مگر وہ اس سے بالکل لاتعلق بھی نہیں بیٹھا تھا۔

''تمہیں ہوا کیا ہے تم تو آٹے کی بوری ہوگئی ہو''۔ اس نے رمانہ کے فربہی مائل سراپے پر چوٹ کی تھی۔

''تم شادی کر دپھر میں دیکھوں گی کہ بچوں کی پیدائش کے بعد تمہاری بیوی کتنی اسمارٹ رہتی ہے''۔ حسب سابق رمانہ کا جواب جلا بھنا تھا۔

''ماشاء اللہ ایک میں یہ عالم جو دو چار اور ہوگئے تو تم تو بالکل ہی توپ بن جاؤ گی''۔ اس کا قہقہہ جاندار تھا اسے جواب دینا فضول خیال کرتے رمانہ رافعہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

☆☆☆☆

آج چاند رات متوقع تھی دادا ابو نے اسے بچیوں کو بازار لے جانے کا آرڈر جاری کیا تھا وہ جلبلا کر رہ گیا' ابھی کچھ دیر بعد اسے اپنے ریسٹورنٹ کے لئے لوکیشن دیکھنے جانا تھا' جس کے لئے اس نے ٹائم دے رکھا تھا یہی عذر اس نے سامنے کیا تھا۔

''کوئی بات نہیں دو گھنٹے بعد کا ٹائم دے دو''۔ وہ اطمینان سے لاٹھی ٹیکتے چلے گئے۔

''یہ مجھے تنگ کرنے سے کبھی باز نہیں آئیں گے''۔ وہ کھول کر رہ گیا۔

''اس دلی مردود کو تو ابھی پوچھتا ہوں''۔ دانت پیستا وہ ولی کا نمبر ڈائل کرنے لگا' رافعہ نے دلی کے ذمے ہی لڑکیوں کو بازار لے جانے کی ڈیوٹی لگائی تھی مگر دلی نہایت چالاکی سے صرف ماہم کو لے کر چمپت ہوگیا تھا۔

''اپنی مصیبتیں میرے سر ڈال کر تم ہو کہاں ذلیل انسان''۔ اس کے فون ریسیو کرتے ہی وہ غرایا تھا۔

''اپنے منگیتر کو شاپنگ کرا رہا ہوں''۔ اس کی آواز چہکی ہوئی تھی۔

''تم گھر تو آؤ تمہاری گردن میں اپنے ہاتھوں سے مروڑوں گا''۔ وہ دانت پیس رہا تھا۔

''خیال رہے تمہاری بہن رخصتی سے پہلے بیوہ ہو جائے گی''۔ وہ ہنسا تھا۔

''تم چالاک لومڑ میری معصوم سیدھی سادھی بہن کو ورغلا کر لے جاتے تمہیں شرم نہیں آئی تم آؤ تو سہی یہ تمہاری ساری چہک ہوا ہو جائے گی جب دادا ابو کی لاٹھی برسے گی''۔

''ان ہی کی اجازت سے تو تمہاری معصوم سیدھی سادھی بہن کو لے کر آیا ہوں''۔ اسے چڑاتے اس نے فون بند کر دیا اور دادا ابو کی روشن خیالی پر وہ عش عش کر اٹھا تھا۔

''میشا نہیں جا رہی؟'' فاریہ کے ساتھ رمانہ اور رانیہ کو دیکھ کر اس نے پوچھا تھا۔

''نہیں صرف سینڈل لینے ہیں اس کے فاریہ لے لے گی ایک ہی ناپ تو آتا ہے دونوں کو کام ہی اتنے بکھرے پڑے ہیں اور اگر آج چاند رات ہوگئی تو پھر کام ہی کام''۔ رمانہ تفصیل بتاتے فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھی تھی۔

''ویسے یہ اپنی میشا بہت بدل نہیں گئی ہے پہلے تو بات بات پر کاٹنے کو دوڑتی تھی اب تو دستیاب ہی نہیں ہوتی''۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے اس نے تبصرہ کیا تھا۔ رانیہ کو وہ چاند رات یاد آئی تھی جب وہ انہیں شاپنگ

کرانے لے گیا تھا' پورا راستہ اس نے بیک ویو مرر سے اس پر فوکس کیے رکھا تھا اور وہ زنیرہ والی بات بھی اس نے اسے بتانے کے لیے کلیئر کی تھی۔

''میں نے کیوں اپنے کان بند کر لیے تھے اس نے تو ساری باتیں کہہ ڈالی تھیں میں ہی نہیں سمجھ پائی''۔ تھکے تھکے انداز میں ٹیک لگاتے اس نے آنکھیں موندی تھیں کتنے دن سے وہ اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہی تھی' کبھی موقع نہیں ملتا تھا اور کبھی الفاظ ساتھ چھوڑ جاتے' مال آ کے رمانہ اپنے بیٹے کے لیے کپڑے دیکھنے لگیں فاریہ جوتوں کی دکان میں گھس گئی تھی موقع اچھا تھا وہ دل ہی دل میں الفاظ ترتیب دیتی تمثیل کی طرف بڑھی تھی کہ وہ اپنے بجتے فون کی طرف متوجہ ہو گیا وہ وہیں ٹھہر کر اس کی کال ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

☆☆☆☆

چاند نظر آنے کا اعلان کافی دیر سے ہوا تھا وہ کام نمٹا کر اوپر چھت پر چلی آئی' چاند کا تو کیسا نظر آنا تھا یونہی آسمان پر نظریں دوڑاتی وہ کچھ دیر کھڑی رہی پھر چھت پر پڑے جھولے میں آ بیٹھی تھی اس کے بیٹھنے سے جھولا ہلکورے لینے لگا تھا وہ اپنے ہولے ہولے ہلتے سائے کو دیکھنے لگی جو اس کے پیچھے لگی لائٹ کی وجہ سے بن رہا تھا' ہلکی ہلکی ہوا اس کے بالوں کو اڑا رہی تھی کچھ دیر وہ یونہی اپنے سائے کو دیکھتی رہی پھر پاؤں اوپر کر کے گھٹنوں میں منہ دے لیا' نیچے سے آوازیں آنے لگی تھیں وہ سب واپس آ گئے تھے اسے کسی کے سیڑھیاں چڑھنے کی چاپ سنائی دی کوئی اب اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا اس نے پھر بھی سر نہ اٹھایا وہ اس کے ساتھ ہی جھولے پر بیٹھ گیا تنا جھولا ایک بار پھر ہلکورے لینے لگا' کتنے لمحے سرک گئے اس نے سر اٹھا کر دیکھا بھی نہ تھا۔

''چاند رات مبارک''۔ اس کے کان کے پاس جیسے سرگوشی کی گئی تھی وہ اچھل پڑی تمثیل کی آواز پر نہیں اس کی سرگوشی پر۔

''مجھے پتا تھا تم یہیں ملو گی''۔ جھولے کی پشت پر بازو پھیلا کر وہ جیسے ریلیکس ہو بیٹھا تھا۔

''تم ڈھونڈ رہے تھے مجھے''۔

''میں کیوں ڈھونڈوں گا نیچے اس وارث گیلانی کی نظریں تمہیں ڈھونڈ رہی ہیں باقاعدہ پرپوزل لے کر آیا بیٹھا ہے''۔

''کیوں' کیوں آیا ہے پرپوزل جب میں نے منع کر دیا تھا تو......'' وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''تمہیں شادی نہیں کرنی یا وارث سے شادی نہیں کرنی؟'' اس نے سوالیہ انداز میں ابرو اٹھائی۔

''مجھے فی الحال کسی سے بھی شادی نہیں کرنی''۔ وہ جما جما کر بولی۔

''مگر مشکل یہ ہے کہ مجھے تو فی الحال شادی کرنی ہے''۔ وہ اسی کے انداز میں بولا سارا زور فی الحال پر تھا۔

''تو تمہیں کون منع کر رہا ہے تم کرو شادی ایک چھوڑ دس کرو''۔ وہ اس کی بے سروپا باتوں پر تپ گئی تھی۔

''ابھی تم ہی تو کہہ رہی تھیں کہ تمہیں شادی نہیں کرنی''۔ وہ اسے تپا کر جیسے حظ اٹھا رہا تھا۔

''تمہاری شادی سے میرا کیا تعلق؟'' وہ جھنجلا کر کھڑی ہو گئی۔

''تمہارا ہی تو تعلق ہے نیچے تمہاری اور میری شادی کی بات چل رہی ہے''۔ اس نے اطمینان سے دھماکا کیا تھا' چپل ڈھونڈتی وہ جہاں تھی وہیں ساکت ہو گئی اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے برابر بٹھا لیا مگر وہ یونہی جامد رہی۔

''خوشی کے مارے سکتہ تو نہیں ہو گیا تمہیں''۔ تمثیل نے اس کا شانہ ہلایا۔

''تم مذاق کر رہے ہو تمثیل''۔ وہ کھوئی کھوئی سی کیفیت میں اسے دیکھے گئی۔

''اونہوں...... تمہیں کیا لگا میں مہران بھائی کی شادی کی وجہ سے بھاگا بھاگا چلا آیا ہوں دادا ابو نے مجھے فون

پر کہا ہے کہ وہ اپنی پوتی کا رشتہ مجھ سے طے کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کی پوتی میرے عشق میں گوڈے گٹوں تک ڈوب چکی ہے میرے ہجر و فراق میں چھپ چھپ کر آنسو بہاتی ہے مجھے اگر ان کی پوتی کا رشتہ منظور ہے تو فوراً پہنچ کر رپورٹ کروں میں نے بھی سوچا میرے فراق میں رونے والی اور میری محبت میں گوڈوں تک ڈوبی لڑکی اور کہاں ملے گی اس لئے دوڑ لگا دی ویسے بھی بولی وڈ کی ایک مشہور فلم کا مشہور ڈائیلاگ ہے کہ شادی اس سے کرنی چاہئے جو آپ سے محبت کرتا ہو اور تمہیں تو پتا ہی ہے کہ میں فلموں کا کتنا رسیا ہوں اس لئے میں نے اس ڈائیلاگ کو خود پر آزمانے کا ارادہ کیا ہے۔" وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مگر ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ نیچے وارث آیا ہے۔" وہ الجھی ہوئی سی بولی۔

"وہ تو میں نے یونہی پھلجھڑی چھوڑی، تم بتاؤ میرے عشق کا اقرار کرتی ہو۔"

"کونسا عشق میں مان ہی نہیں سکتی کہ دادا ابو نے تمہیں ایسا کچھ کہا ہوگا۔" وہ مکر گئی۔

"اور رانیہ......؟" اسے اچانک ہی اس کی پرانی محبت یاد آئی۔

"تم اس کی فکر چھوڑ دو وہ اچھی لڑکی ہے اسے کوئی اچھا ہمسفر مل جائے گا، مگر تمہارے لئے میں ہی بیسٹ ہوں۔"

"مگر تم اس سے......" وہ الجھن آمیز نظروں سے اس تک رہی تھی۔

"میں بہت عام سا مرد ہوں یشا! بہت بڑا ظرف نہیں ہے میرا انا ہی میں وسیع القلب ہوں میرے اندر کا انا پرست مرد تو اسے زندگی میں شامل کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا ویسے بھی شک کا زہر محبت کو مار دیتا ہے میری محبت بھی جبھی مر گئی تھی جب اپنے متعلق اس کے خیالات کا علم ہوا تھا۔" نہایت سنجیدگی سے وہ اپنی کم ظرفی کا اعتراف کر رہا تھا۔

"میں نے دادا ابو سے مطالبہ کیا ہے کہ مہران بھائی کے ساتھ ہماری شادی بھی کر دیں دیکھو ناں ہمارے گھر کا تو جیسے ٹرینڈ ہی بن گیا ہے اک شادی کے ساتھ ایک منگنی مفت میں نے اس ٹرینڈ کو ختم کرنے کے بارے میں سوچا ہے ایک شادی کے ساتھ ایک اور شادی ہوگی۔"

"کیا......؟ سب کی منگنیاں ہوئی میں نے کیا قصور کیا ہے جو میری منگنی نہیں ہوگی۔" وہ چیخ پڑی۔

"اف...... کتنا شوق ہوتا ہے تم لڑکیوں کو منگنی کرانے کا صرف اس لئے کہ تمہارے ہاتھ میں ایک انگوٹھی سج جاتی ہے۔"

"تمہیں کیا پتا اس انگوٹھی کا اور انگوٹھی پہننے کے بعد کے پیریڈ کا کتنا چارم ہوتا ہے۔" وہ جیسے خفا ہی ہوگئی۔

اپنی جیب سے رنگ نکالتے اس نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا یہ رنگ اس نے رانیہ کے لئے خریدی تھی مگر اسے یشا کی انگلی میں ڈالتے اسے ذرا بھی ملال نہیں تھا۔

"میرا خیال ہے اس چارم کے لئے دس دن کافی ہوں گے۔" اس نے اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالا تھا جب کہ وہ تو بے یقین سی بیٹھی تھی پھر جیسے اسے یقین آ ہی گیا تھا جھینپ کر اس نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تھا مگر تاکی پر ارادہ ترک کر دیا مٹھی میں اس کا ہاتھ دبائے تمثیل تاروں بھرے آسمان پر چاند تلاش کر رہا تھا جب کہ وہ دیوار پر گرتے اپنے اور تمثیل کے سائے کو دیکھ رہی تھی جو بے حد قریب تھے اسے اور تمثیل دونوں کو یقین تھا کہ ایک دوسرے کی ہمراہی میں آنے والی عیدیں بے حد خوشگوار ہوں گی، شور قریب آتا جا رہا تھا وہ سب یقیناً انہیں ڈھونڈتے اوپر آ رہے تھے ان سب کی ہمراہی انہیں مبارکباد دینے کے لئے سیڑھیاں چڑھتی رانیہ سوچ رہی تھی کہ اچھا ہی ہوا اسے بات کرنے کا موقع نہیں ملا کم از کم اس کا بھرم تو قائم رہ گیا تھا۔

☆☆......End......☆☆

صالحہ محمود

چھپ گیا چاند دھندلکے میں



ابر بھرے آسمانوں میں بھی ایک کسک سی تڑپ رہی تھی۔ شاید ابھی رعد فرشتے کو اتنا شدید غصہ نہ آیا تھا کہ وہ بجلی کی کڑکڑاہٹ کے ساتھ ایک غضب ناک آواز پیدا کرے۔ پھر بھی کئی دن کی سسکتی ہوئی بارش کی سسکیاں فضا میں ابھی تک باقی تھیں۔ ابر ٹوٹ کر برس جائے عید سے پہلے لوگ دعا کر رہے تھے۔ سیاہ رات کے آنچل میں نہ چاند نہ ستارے فضا اس کی ہی طرح بالکل خاموش تھی۔ مریم آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے نکل کر باہر آئی۔ بڑی دھوم دھام سے ساس اور نندیں عید کی تیاریوں میں لگی تھیں۔ کسی کی مہندی نہیں آئی تھی کسی کی میچنگ چوڑیاں، دیورانی اپنے کپڑے ہنس ہنس کر دیکھ رہی تھی۔ جٹھانی بڑی دبی دبی ہنسی سے نند کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ مریم کی تو اس بار عید گئی۔ مریم کو یہ لگا سب یہی سوچ رہے ہیں وہ بہت کانشس ہو کر سب کی چیزوں کی تعریف کرنے لگی۔ یوں جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہ ہو اور وہ بہت خوش اور مطمئن ہے۔

''بھابی! آج چاند ہو گیا تو کل عید ہو گی۔'' اس کی نند شائستہ نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

''شکر ہے اللہ کا ہم نے تو اتنی دعا کی عید گزر جائے دادی جان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' دیورانی بولیں۔ جٹھانی نے بڑے مطمئن انداز میں بہت مسکرا کر دیکھا تھا کہ مریم اس بار عید کی خوشیوں سے محروم رہ گئی۔

''لائیں اماں! میں یہ کاٹ دوں۔'' مریم بڑی انکساری سے ساس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

''نہیں تمہاری پہلی عید ہے تم رہنے دو۔ ویسے تو ہمارے ہاں پہلی عید پر جاتے ہیں۔'' اسے معلوم تھا کہ اماں کا اشارہ تھا کہ وہ اپنے گھر جائے وہ کسمسا کر اٹھ کر آ تو گئی تھی۔ مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ سب لوگ اس سے ہمدردی کر رہے ہیں اس کی بے بسی پر سب ہنس رہے ہیں۔ وہ واش روم میں جا کر بہت روئی تھی۔ سارے آنسو پونچھ کر منہ واش کر کے وہ یوں چلی آئی جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو۔ تھوڑی دیر میں شور ہوا۔ پٹاخے چھوٹ رہے تھے۔ سائرن کی آوازیں آ رہی تھیں کہ چاند ہو گیا۔ دیر سے ہی سہی لیکن چاند کی شہادت کی گواہی مل گئی تھی۔ وہ سلام کرنے کے لیے ساس کے پاس گئی تو اماں بڑے ہمدردانہ لہجے میں بولیں۔

''جنید! تم اسے لے جاؤ ناں اس کی ماں سے ملوانے کے لیے۔''

''ہاں، ہاں کیوں نہیں چلو بھئی چلو دیر مت کرو۔'' چلتے چلتے یہ بھی بولے۔

''زیادہ دیر مت بیٹھنا نو بجے سے پہلے پہلے مجھے گھر آنا ہے۔ رش بڑھ جائے گا۔'' وہ بیگ اٹھائے ہوئے جب اماں کے گھر اتری دو چار رشتے دار جن کی گاڑیاں تو کھڑی تھیں مگر کتنا گھر اسناٹا تھا۔ دل میں اس کے ہول سے اٹھ رہے تھے۔ گھر تھا اماں بہنیں بھابی سب تھیں لیکن وہ خود کہیں اور تھی۔ اس کے دل میں قیامت کا شور برپا تھا۔ بظاہر سب چپ چپ تھے۔ ماحول میں اداسی رچی بسی تھی۔ نہ شور نہ ہنگامہ نہ وہ شرارتیں نہ وہ مہندی کی خوشبو نہ کھنکتی ہوئی چوڑیاں اور نہ اس کی کھنکتی ہوئی آواز تھی۔ شاید اماں کچھ دیر پہلے روئیں تھیں۔ اس لیے وہ اپنی ساڑھی کے پلو سے چہرہ بار بار پونچھ رہی تھیں اور مریم بھی بڑی پرسکون سی آرام سے باتیں کر رہی تھی۔ اماں کی طرف اس نے نظر بھر کر دیکھا تو اماں کی نظریں پوچھ رہی تھیں۔ ''تم تو ایسے آئی ہو جیسے اسے جانتی نہ تھیں۔ تم اتنی جلدی اسے بھول گئیں وہ تو تمہاری سگی بہن تھی۔'' تبھی چھوٹی بھابی کھلکھلاتی ہوئیں دوسرے کمرے سے نکل آئیں تھیں وہ بیگ اٹھائے باہر نکل رہی تھیں۔

''ارے مریم بیٹھو تم تو جا رہی ہو اتنی جلدی۔ بس میں بھی جانے والی ہوں۔ امی کی طرف بھائی میاں مجھے لینے آ رہے ہیں۔ میں تو صبح آؤں گی۔ رات مہندی والی گھر میں بلوائی ہے امی نے۔ ہاں تم تو اس بار عید نہیں مناؤ گی۔'' بھابی نے بڑی بے دردی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"چلو ٹھیک ہے کل تو آؤ گی تم لوگ پھر ملاقات ہو گی۔ اچھا اللہ حافظ۔" وہ ہارن کی آواز پر اس سے پہلے ہی نکل گئیں۔

عید کی خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ وہ سسرال پلٹ کر آئی تو سب تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ کوئی مہندی کوئی گھر کی صفائی میں لگا ہوا تھا۔ جلدی جلدی سب کام نمٹا رہے تھے۔ وہ بیزار سی اپنے روم میں چلی آئی کچھ بھی تو نہ تھا۔ نہ رنگ نہ مہندی نہ گجروں کی خوشبو سرسراتے ہوئے آنچل میں نہ کوئی جگنو زمین پر پاؤں بے سدھ دھرے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کام کروں۔ پچھلے برس تو میں نے بہت کام کیے تھے اس برس تو کرنے کے لیے کوئی کام ہی نہیں ہے۔ وہ سوچ رہی تھی تو ساس نے آ کر پوچھ ہی لیا۔

"دیکھو دلہن! سوگ تو تین دن کا ہوتا ہے۔ یہ بھرا پھرا گھر ہے۔ سوگ تو اماں کے گھر ہوتا ہے۔ تم بھی جا کر اپنے لیے نئے کپڑے اور چوڑیاں وغیرہ لے آؤ۔"

"بہت بھیڑ ہوگی بازار میں۔" دیورانی اپنی مہندی دیکھ کر کھلکھلا کر ہنسی لیکن وہ بھی جلدی سے پلٹ کر اپنا بیگ لینے اندر آ گئی اس کی باڈی لینگویج سے لگ رہا تھا کہ وہ دیورانی کے ہنسنے پر تلملا اٹھی ہے۔ رات بیت رہی تھی۔ وہ اداس اداس سی مہندی کو مٹھی دبائے سوچ رہی تھی۔ وہ کالج کے زمانے میں بھی ایسی ہی مہندی تو لگایا کرتی تھی۔ سرخ مہندی میں اسے سفید ہتھیلی اچھی لگتی تھی۔

☆......☆

صبح سسرال میں بڑی گہما گہمی تھی۔ ہر شخص بنا سنورا تھا مہمانوں کی آمد آمد تھی۔ بڑی نند بھی آ گئی تھیں انہوں نے بہت ہی غور سے مریم کو دیکھا۔

"بھابی آپ نے کپڑے ابھی بنوائے ہیں؟"

"نہیں بنوائے نہیں ہیں کل رات بوتیک سے لے کر آئی ہوں اور یہ دیکھو میری مہندی کا رنگ کتنا گہرا آیا ہے اور چوڑیاں تو بالکل میرے ڈریس سے میچ کر رہی ہیں اور یہ پرس اور سینڈل کل ہی میں نے رات میں خریدی ہیں۔ سب کچھ میرا کتنا اچھا ہے ناں اور دیکھو یہ کتنی Expensive میں نے رنگ بھی خریدی ہے۔"

"میں یہ بھی یہ آرٹیفشل ہے۔" تو حیدہ آپا بولیں۔

"ارے نہیں یہ رنگ اور گھڑی عید کا خاص تحفہ ہے۔"

"بھائی جان نے دلوایا ہے؟" بڑی نند بولیں۔

"ظاہر ہے، جس چیز پر میں ہاتھ رکھ دوں کبھی وہ ناں کہتے ہی نہیں ہیں۔" مریم بہت زور سے ہنسی تھی۔

"لیکن بھابی! یہ آپ کی بہن کی تو پہلی عید ہے۔" توحیدہ آپا نے بہت غور سے مریم کو دیکھا تو وہ جھٹ بول پڑی۔

"سوگ تو تین دن کا ہوتا ہے عید بار بار تھوڑی آئے گی میرا ابھی دل چاہ رہا ہے کہ میں بھی تم لوگوں کی طرح عید مناؤں۔" مریم بات بے بات ہنسے جا رہی تھی۔

"توبہ ہے۔" دیورانی آنکھوں، آنکھوں میں نند سے کہہ کر پلٹ گئی۔

"ویسے بھابی! ہمارے ہاں تو پہلی عید کو تو سوگ مناتے ہیں۔" توحیدہ آپا بولیں۔

"نہیں ہمارے ہاں تو کوئی ایسا سوگ نہیں منایا جاتا۔"

"اور تمہاری اماں۔" ساس بولیں۔ سب کی نظروں میں ہمدردی کے بجائے حیرانگی جھلک رہی تھی۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ مریم اتنی خوش نظر آئے گی سب تو یہی امید کر رہے تھے۔ اس پر رحم کھا رہے تھے کہ بے چاری مریم روتی بسورتی ہوئی بیٹھی ہو گی۔ حتیٰ کہ نماز پڑھ کر آنے کے بعد جنید نے بھی کھل کر اس کی ڈریسنگ کی تعریف کی تھی کہ وہ آج بہت اچھی لگ رہی ہے۔ وہ تھی کہ ضد اور غصے میں ہنسے جا رہی تھی۔ آنے جانے والے پرسا کرنے والے بھی بھائی جان کہہ کر ٹھٹک گئے وہ اور دنوں سے زیادہ ہی سنوری نظر آ رہی تھی۔

"آج بہت تم خوش نظر آ رہی ہو اتنے دنوں کے بعد، چلو تمہاری اماں سے تمہیں ملوا کر لے آتے ہیں۔" جنید بولے۔

اماں کے گھر کے لیے جب وہ نکلی تو بڑی سی چادر

لپیٹ کر اس نے بیگ میں رکھی۔ کب اور کیسے جنید کو بھی نہ پتا چلا اس نے ساری چوڑیاں اتار کر بیگ میں ڈال لی تھیں۔ حتیٰ کہ نئی چپلیں وہیں اس نے گاڑی میں رکھ کر بیگ سے پرانی چپلیں نکال کر پہن لیں۔ ساری جیولری بھی بیگ میں اتار کر رکھ لی۔ جنید سے بہانہ کر کے وہ بیک سیٹ پر بیٹھی تھی کہ آج ہادی بہت تنگ کر رہا ہے۔ اترتے وقت اس نے چادر اوڑھ لی اور بیگ اٹھائے وہ اماں کے گھر آئی تھی۔ وہی سوگواری کا عالم تھا نہ کسی نے چوڑیاں، کپڑے بدلے تھے اور نہ بھینی بھینی سویوں کی خوشبو تھی۔ البتہ رشتے دار کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان لے کر اماں کے گھر آئے تھے۔ اماں اداس سی ڈگ کی ساڑھی کے پلو سے چہرہ پونچھ رہی تھیں۔

سب کے چہروں پر آنسو نہیں بس ایک اداسی تھی۔ اس کے دونوں بھائی سادہ سے لباس میں گھوم رہے تھے۔ ملگجی سی سہ پہر تھی۔ ہر شخص اداس اور چپ چپ سا اماں کے سامنے تھا لیکن مریم اماں کے سامنے ہنس ہنس کر بات کر رہی تھی۔ ہاں بس اتنا فرق تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ کی مٹھی کو بند رکھا تھا تا کہ کوئی نہ دیکھ لے کہ اس نے بھی مہندی لگائی ہے۔ اماں اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔ بہن کی موت کے بعد سے وہ کبھی اماں کے سامنے نہیں روئی۔ اماں ہمیشہ پوچھتیں۔

”تمہیں یاد نہیں آتی اس کی۔“ اماں اسے غور سے دیکھتیں۔ دل کے سارے بھید چھپا کر وہ ہنس دیتی۔ وہ چاہتی تھی کہ اماں اپنا یہ دکھ بھول جائیں۔ اس بار بھی وہ بہت حد تک کامیاب رہی تھی۔ اماں کے گھر سے نکلتے ہوئے آخر چھوٹی بھابی سے مڈبھیڑ ہو ہی گئی۔ ابھی ابھی وہ آئی تھیں ہنس کر بڑی محبت سے گلے ملیں اور بولیں۔

”کیسی رہی تمہاری عید، ہماری تو بڑی شاندار عید رہی خوب رات ہم نے مہندیاں لگوائیں، رات بچو کے ساتھ ہم آئس کریم کھانے گئے۔ ساحل سمندر کی سیر کی۔ صبح ہم لوگ لوٹے۔ چوڑیاں تم نے دیکھیں۔ میری مہندی دیکھو کتنی اچھی لگ رہی ہے ناں۔“ وہ جلدی جلدی بولے جا رہی تھیں تا کہ مریم کی کوئی بات نہ سن سکیں۔ ہوتا بھی یہی ہے جب انسان اندر سے ٹوٹا ہوا ہوتا ہے تو سامنے والے کو وہ مطمئن نہیں دیکھ سکتا تب وہ جلدی جلدی اپنی بات بتانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ حسد اور جیلسی کا ایک چھپا ہوا انداز ہے سو اس وقت بھی اس کی بھابی کو معلوم تھا کہ وہ مریم سے مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس لیے وہ جلدی جلدی بتا کر خاموش ہوئیں تو مریم ہاتھ کی مٹھی چھپا کر بولی۔ ”اچھا بھابی! میں چلتی ہوں۔“

مغرب کا پہر تھا آسمان پر ابھی تک کالے کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ کالے بادلوں سے باریک سنہرا چاند نکل آیا تھا۔

”کیا ہوا، کیا کوئی بات ہو گئی تم اتنی خوش خوش آئی تھیں اداس کیوں ہو گئیں۔“ جنید بولے۔

”کوئی بات نہیں۔“ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ ہلکی ہلکی پھوار گری اور سیاہ بادل پھر گھر آئے تھے۔ بارش کی نمی تھی اس کے چہرے پر یا آنسوؤں کی یلغار ہلکی ہلکی بارش کی بوچھاڑ نے اس کا پردہ پھر رکھ لیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ نکال کر شیشے سے باہر کر لیا تو تیز بارش کی بوچھاڑ اندر تک آ گئی۔ اس نے باہر غور سے دیکھا۔ سیاہ بادلوں نے سنہرے چاند کو ڈھانپ لیا تھا ایک روشن چہرہ آہستہ آہستہ بادلوں کی سیاہی میں تحلیل ہوتا چلا گیا۔ گاڑی بڑی تیز رفتاری سے چل رہی تھی۔ سڑکوں پر پانی کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ سیاہ بادلوں میں چاند چہرے کو ڈھونڈتی ہوئی آنکھیں بے بسی سے مسکراتے ہوئے ہونٹ کہہ رہے تھے۔

”دکھ مجھے اس بات کا نہیں کہ تم مر گئیں دکھ مجھے اس بات کا ہے کہ میں کیوں زندہ ہوں۔“

دل میں اک کسک سی ہے معلوم تو ہو
چھوڑ کر مجھ کو کس حال میں ہو گا وہ

......☆......

افسانہ

انوکھی عید

''اماں! بھوک لگی ہے''۔ گڈو نقاہت سے بولا۔

''مجھے بھی''۔ پپو نے بھی منہ بسورے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا تو رضیہ نے اپنے شوہر کمالے سے کہا۔

''سن رہا ہے گڈو کے ابا!''

''ہاں ہاں سن رہا ہوں، پچھلے دن سے یہی راگ سن رہا ہوں، کان پک گئے ہیں میرے سن سن کے''۔ کمالے نے تپ کر غصیلے لہجے میں کہا تو سات سالہ گڈو اور آٹھ سالہ پپو سہم گئے۔

''لیکن ہمارے گھر میں کچھ نہیں پکا، دو دن سے بچوں کے فاقہ زدہ زرد چہرے دیکھ دیکھ کر میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے''۔ رضیہ تیز اور کربناک لہجے میں بولی تو اس نے جل کر کہا۔

''تو ہی نکال کے پکا کر کھلا دے ان کو''۔

''میرے بس میں ہوتا تو یہ بھی کر لیتی، آخر ہم کب تک فاقے کر کے امید کے سہارے سانسیں کھینچتے رہیں؟ تو کوئی کام کیوں نہیں ڈھونڈتا؟''

''کہاں ڈھونڈوں کام؟'' وہ چڑ کر بولا۔

''شہر کے حالات تیرے سامنے ہیں مزدور آدمی ہوں رنگ روغن کرنے والا معمولی سا رنگ ریز جو چار پیسے کما کے ایک وقت کی روٹی پوری کر پاتا ہے، اب بم دھماکوں، ٹارگٹ کلنگ جیسے حالات میں میرے کام کی کسے ضرورت ہے؟ ایسے حالات میں تو گورکن اور کفن کی ضرورت ہوتی ہے''۔

''اگر یہی حال رہا ناں تو ہمیں بھی کفن اور گورکن کی ضرورت جلد پڑنے والی ہے، سمجھا''۔

''ارے تو میں خوشی سے تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا، روز جاتا ہوں کام ڈھونڈنے کبھی ہڑتال تو کبھی احتجاج، کبھی دھرنا تو کبھی سیاسی کارکن کا مرنا، امن، سکون، چین ہے کہاں جو روزگار ملے، موت اور بھوک کا، بدامنی کا راج ہے شہر کے گلی کوچوں میں، بازاروں میں، غریب آدمی کو تو ہمیشہ بھوک ہی مارتی ہے، امیروں کا کیا جاتا ہے ان ہڑتالوں سے، امیر آدمی کی میز پر تو ایک وقت میں دس کھانے سجے ہوتے ہیں اور ہم غریب روٹی کے ایک نوالے کو ترستے بھوک سے بلک بلک کر جان ہار جاتے ہیں''۔

''گڈو کے ابا! آج چاند نظر آ گیا ناں تو صبح عید ہو گی اور ہمارے بچوں کو عید کے پکوان تو دور ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہیں ہے، دو دن کے فاقے سے ہیں ہمارے بچے، عید کیا خوشی دے گی ایسے میں ان کو، ہمارے گھر تو عید نہیں آنے کی گڈو کے ابا... میں کہے دے رہی ہوں کھانے کا کوئی بندوبست کر لو ورنہ میں خود بھی زہر کھا لوں گی اور اپنے بچوں کو بھی زہر دے دوں گی''۔ رضیہ نے حالات سے ستائے ہوئے دکھی، غصیلے اور خطرناک لہجے میں کہا تو اکتیس سالہ کمالے نے سٹپٹا کر اسے دیکھا۔

''ہیں ہیں، پاگل ہوئی ہے کیا؟ دماغ چل گیا ہے تیرا، گھاس کھا گئی ہے تو، ارے تو اپنے ہی بچوں کو



مار دے گی، اپنی پیٹ جنی اولاد کی جان لے گی، اپنے جگر گوشوں کا خون کرے گی، اپنے بیٹوں کا قتل کرے گی تو؟'' کمالا بدحواس سا اس کے سامنے کھڑا کانپتی آواز میں بولا، اس کی ریڑھ کی ہڈی میں کرنٹ سا دوڑ گیا تھا بیوی کے عزائم جان کر، بھوک اسے جان لینے پر اکسار ہی تھی یہ احساس اسے کچوکے لگا رہا تھا۔

''ہاں کیونکہ میں اپنے معصوم بچوں کو بھوک سے بلکتے ہڑپتے نہیں دیکھ سکتی''۔ رضیہ غصے سے بولی۔

''صبر کر رجو! اللہ کوئی سبب، وسیلہ ضرور بنا دے گا، دنیا میں ایسے بھی ہزاروں لوگ ہیں، بچے ہیں جو آنسو پی کر روزہ رکھتے ہیں اور گولی کھا کے روزہ کھولنا پڑتا ہے انہیں''۔ کمالے نے بیوی کو نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو ایسا تو کشمیر، فلسطین، بوسنیا، برما میں ہو رہا ہے ناں؟ یہ تو پاکستان ہے، یہاں یہ قیامت کیوں ٹوٹی ہے؟ یہاں خون کی ہولی کیوں کھیلی جا رہی ہے؟ وہاں تو غیر ظلم ڈھا رہے ہیں مگر اپنے دیس میں تو اپنوں نے جینا حرام کر رکھا ہے''۔ رضیہ نے جذباتی اور جوشیلے غصیلے لہجے میں کہا تو وہ جھلا کر بولا۔

''ہاں تو اس میں میرا کیا دوش؟ بول میرا کیا قصور ہے اس خانہ جنگی میں؟ باہر ہڑتال ہے، کام دھندہ سب مندا ہے، بازار بند ہیں، کام ہے نہ دام، کہاں سے لاؤں میں کھانے کے پیسے؟''

''کہیں سے بھی لا، میں آج رات اپنے بچوں کو بھوکا نہیں سونے دینے کی، کان کھول کر سن لے تو، تو اب کچھ بھی کر کیسے بھی کر کھانا لے کے آ بچوں کے واسطے ورنہ میں کہے دے رہی ہوں 'عید کی صبح' تو ہم تینوں کے مرے ہوئے منہ دیکھے گا اور ہمارے جنازے اٹھاتا پھرے گا''۔

''بس چپ کر جا، کچھ بھی بکتی ہے''۔ کمالا لرزتی آواز میں چیخا۔

''خبردار جو ایسی ویسی کوئی حرکت کی، حرام موت مر کے آخرت بھی برباد کرے گی اپنی''۔

''دنیا کون سی آباد اور خوشیوں بھری ہے اور اب کیا ڈھونڈ رہا ہے تو؟'' رضیہ نے کمالے کو غسل خانے اور برآمدے میں بنی لکڑی کی دیوار گیر الماری میں کچھ تلاش کرتے دیکھ کر پوچھا تو وہ سٹپٹائے انداز میں چیزیں الٹ پلٹ کرتے ہوئے بولا۔

''کیڑے مار دوا رکھی تھی ناں گھر میں وہی ڈھونڈ رہا ہوں، دور رہیو اس سے''۔

''اس کیڑے مار دوا سے تو اب کیڑے بھی نہیں مرتے، ہم کیا مریں گے''۔ رضیہ نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ بے چینی سے پوچھنے لگا۔

''وہ دوا ہے کہاں؟''

''ختم ہو گئی تھی''۔

''سچ کہہ رہی ہے''۔

''بات سن کمالے! اب اس خالی پیٹ سے تو جھوٹ سچ کے فتوے نہ اگلوا، سمجھا''۔ رضیہ نے سلگتے لہجے میں جواب دیا تو گڈو نے باپ کی ابتر حالت دیکھتے ہوئے بتایا۔

''ہاں ابا! کیڑے مار دوا تو تھوڑی سی بچی تھی وہ بھی کئی دن ہوئے کیلے غسل خانے میں گر گئی تو اماں نے پانی سے بہا دی تھی ساری، اب نہیں ہے وہ دوا گھر میں''۔

''شکر ہے اللہ تیرا''۔ کمالے نے اطمینان بھرا گہرا سانس لیتے ہوئے کلمہ شکر ادا کیا۔

''کس بات کا شکر ہے؟'' رضیہ نے تپ کر کہا۔

''کھانے کو شکر (چینی) ہے نہ ٹکر (روٹی) ہے، شکر کا کلمہ پڑھ رہا ہے ہونہہ غریب آدمی کو تو مرنے کے واسطے زہر بھی میسر نہیں ہے''۔

''اللہ کی رزاقی پر سوال نہ اٹھایا کر رجو! بری بات ہووے ہے''۔ کمالے نے اسے نرمی سے سمجھانا چاہا۔

''تجھے بھی زہریلی دوا ڈھونڈنے کے چکر میں باؤلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے، گلا دبا کے ماردوں گی بچوں کو اور خود گلے میں پھندا ڈال کے پنکھے سے لٹک جاؤں

گی پھر کر لینا شکر"۔ رضیہ نے خطرناک، دلبرداشتہ اور خوفناک لہجے میں کہا تو وہ خوف سے لرز کے رہ گیا۔

"بکواس کیسے چلی جارہی ہے، کیسے چلی جارہی ہے تیرا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے جھلی ہوئی ہے تو، زندگی موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، تو کون ہووے ہے اسے ختم کرنے والی، خبردار جو میرے بچوں کو ہاتھ بھی لگایا ہو"۔ وہ دونوں بچوں کو اپنے دائیں بائیں بازوؤں کے گھیرے میں لے کر بوکھلائے ہوئے ہانپتے کانپتے لہجے میں بولا۔

"ہاں تو کر لے بندوبست کھانے کا، عید کی خوشی نہ سہی پیٹ بھر کے روٹی کھانے کی خوشی تو دے دے ہمیں"۔ رضیہ نے تیز لہجے میں مری مری آواز میں بولا۔

"کرتا ہوں کچھ، پر تو میرے سے وعدہ کر تو کچھ الٹا سیدھا نہیں کرے گی"۔

"اچھا بس، میرے صبر کا اور امتحان نہ لے کمالے، جا، جا کے روٹی پانی کا بندوبست کر، ورنہ کفن دفن کا بندوبست کرنا اور زیادہ مشکل ہو جاوے گا"۔ رضیہ نے تلخی سے کہا تو وہ پریشان، حیران، ہراساں اس کے ارادوں اور باتوں سے گہری سوچ میں گم ہو کر چپ چاپ گھر سے باہر نکل گیا۔ گڈو اور پپو نے آس بھری نظروں سے اسے جاتے دیکھا تھا، انہیں امید تھی کہ اب کی بار ان کا باپ ان کے لئے کھانا لے کر گھر میں داخل ہوگا۔

☆............☆............☆

"اماں! آج تو تجھے تنخواہ مل جائے گی ناں؟" کلثوم کی تیرہ سالہ بیٹی اسماء نے آس بھرے لہجے میں ماں سے پوچھا تھا جو بنگلے میں صفائی اور کھانا پکانے کا کام کرتی تھی۔

"ہاں بیگم صاحبہ کہہ تو رہی تھیں کہ آج تنخواہ دے دیں گی"۔ کلثوم نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر لا کر اسماء کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ پرجوش لہجے میں بولی۔

"تو آج رات کو ہم چوڑیاں پہننے اور مہندی لگوانے جائیں گے، جائیں گے ناں اماں؟"

"ہاں ہاں آج اگر تنخواہ مل گئی تو لے چلوں گی بازار"۔

"اماں! میرے نئے جوتے بھی"۔ اسماء سے ایک سال چھوٹی آمنہ نے کہا۔

"اچھا اچھا دیکھیں گے اگر گنجائش ہوئی تو نئے جوتے خرید دوں گی، نہیں تو پرانے پہن لینا وہ بھی ٹھیک ہی ہیں ابھی"۔ کلثوم نے کپڑے تہہ لگاتے ہوئے کہا تو آمنہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

"پرانے جوتے بھلا اچھے لگیں گے نئے کپڑوں پر، اپنا تو ایسا ہی ہے بس۔ نئے کپڑے ہیں تو جوتے نہیں اگر نئے جوتے ہیں تو نئے کپڑے نہیں"۔

"ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، بہت سوں کو تو یہ بھی میسر نہیں ہے، ہمیں کم از کم دو وقت کی روٹی تو مل رہی ہے ناں عزت سے ورنہ ہمارے جیسے کتنے ایسے لوگ ہیں جو فاقے کاٹ رہے ہیں، انہیں تو ہمارے جتنا بھی میسر نہیں ہے"۔ کلثوم نے سنجیدگی سے دونوں کو سمجھایا تو آمنہ بولی۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں اماں! ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے ہر حال میں اس طرح وہ خوشحال، مالا مال بھی کر سکتا ہے، ہے ناں اماں؟"

"ہاں تو اور کیا"۔ کلثوم اس کی بات پر مسکراتے ہوئے بولی اور اسماء کو مخاطب کیا۔

"سن رہی ہے کیسی پتے کی بات کہی ہے آمنہ نے تو بھی "شکریہ" ادا کرنا سیکھ لے"۔

"ہوں... مجبوری کا نام "شکریہ"، جن کے پاس نہیں ہوتا ناں وہ صبر، شکر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں بس"۔ اسماء نے جلے دل سے کہا تو دونوں اس کی بسورتی صورت دیکھ کر ہنس پڑیں۔

کلثوم 36 سالہ گندمی رنگت کی حامل ایک سادہ اور خوش مزاج نیک دل عورت تھی، جوانی میں ہی بیوہ ہوگئی تھی۔ اس کا شوہر پرچون کی دکان کرتا تھا، ایک

دن شہر میں بھتہ خوروں نے اسے بھتہ نہ دینے کے جرم میں گولی ماردی اور اس کی دکان بھی لوٹ لی، تب سے اب تک کلثوم ہی اپنے گھر کا مرد بنی گھر کا خرچ چلا رہی تھی۔ دو سال ہو گئے تھے اسے بیوہ ہوئے، وہ پہلے گھر میں سلائی کا کام کرنے لگی پھر ایک سلائی کرانے والی بیگم صاحبہ نے اسے اپنے بنگلے پر کام کرنے کے لئے صلاح دی تو کچھ سوچ بچار کے بعد ان بیگم صاحبہ کے بنگلے پر کام کرنے کے لئے راضی ہو گئی۔ یوں تو وہاں اور بھی ملازم تھے لیکن بیگم صدیق کو ایک ایماندار اور ذمے دار ملازمہ کی ضرورت تھی، جو کچن میں کھانا پکانے کا کام بھی دیکھے باورچی کے ساتھ اور گھر کی صفائی وغیرہ کا خیال رکھے جو وہ گزشتہ ڈیڑھ سال سے بخوبی انجام دے رہی تھی۔

بیگم صدیق اس کے کام سے خوش اور مطمئن تھیں۔ کلثوم کو آٹھ ہزار ماہانہ تنخواہ کے علاوہ کھانا وغیرہ بھی مل جاتا تھا اور بیگم صدیق کا اگر موڈ اچھا ہوتا تو اپنے استعمال شدہ کپڑے جوتے بھی اسے دان کر دیا کرتی تھیں، ہوتی تو اترن ہی تھی مگر پرانی نہیں دِکھتی تھی کے بیگم صدیق جیسی مالدار خاتون کپڑے پرانے ہونے سے بہت پہلے ہی الگ کر دیا کرتی تھیں، ان کی وارڈ روب نت نئے فیشن کے قیمتی ملبوسات سے ہر وقت بھری رہتی تھی مگر مجال ہے جو کبھی کلثوم کی رال ٹپکی ہو، وہ لالچی یا ندیدی عورت ہرگز نہیں تھی۔ اسے تو جو مل جاتا تھا وہ اسی پر راضی خوشی ہو جاتی تھی اور مالک اور مالکن دونوں کا ”شکریہ“ ادا کیے جاتی تھی ورنہ باقی ملازمائیں تو آئے دن بہانے بنائی رہتی تھیں کہ بچہ بیمار ہے ایڈوانس چاہیے، کسی قریبی عزیز کی شادی ہے تو کپڑے جوتے چاہئیں اور وہ بیگم صدیق کے جن کپڑوں جوتوں پر نظر جمائے ہوتیں ان کی فرمائش بھی کر دیا کرتیں۔ بیگم صدیق نے کلثوم کے آنے کے بعد ایسی دو ملازماؤں کو تو کام سے فارغ کر دیا تھا اور کلثوم ایمانداری سے محنت سے کام سرانجام دیتی تھی، بیگم صدیق اور کلثوم دونوں کو ہی ایک دوسرے سے شکایت نہیں ہوئی تھی کبھی۔

☆......☆......☆

کمالا ایک رنگ ریز تھا، عموماً لوگ اسے رنگ والا، چونے قلعی والا کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے، دوسروں کے گھروں میں رنگ کرتا رہا اور خود اپنے گھر تو کیا اپنے بچوں کے چہروں تک سے رنگ اتر گیا تھا، زندگی کا ہر رنگ بے رنگ ہو گیا تھا، بلیک اینڈ وائٹ زندگی میں بچوں کا ہنستا کھیلتا شرارتی اور بے فکری والا بچپن، ان کی خواہشیں، فرمائشیں سب بھوک و افلاس اور فاقے نگل گئے تھے۔ دوسروں کے گھروں کی دیواروں کو رنگوں سے سجانے والے کے اپنے گھر کے در و دیوار کا پلستر، رنگ و روغن، زندگی کی دیوار سے بے فکری، خوشی اور سکون کا رنگ ایسے اتر چکا تھا جیسے کبھی چڑھا ہی نہیں تھا۔ اس کنبے کے گھر اور زندگی کے سفر کو جیون کی ڈگر کو نئے سرے سے مرمت کرانے کی ضرورت تھی ورنہ یہ مخدوش عمارت کسی بھی وقت زمین بوس ہو سکتی تھی۔

کمالا اپنے گھر کو آباد رکھنے کے لئے اب کچھ بھی کرنے کے لئے خود کو آمادہ کر چکا تھا۔ اس میں اپنے معصوم بچوں کے جسموں کو کفن میں لپٹا دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا، جن کو اپنے ہاتھوں سے پالا، کھلایا، چلنا سکھایا ان بیٹوں کو اپنے ہاتھوں سے زمین میں اتارنے کا حوصلہ وہ تو کیا کوئی بھی رحم دل باپ نہیں کر سکتا تھا، لہٰذا وہ چوک کے نکڑ پر چاقو جیب میں چھپا کر کھڑا ہو گیا کسی کو لوٹنے کے لئے۔ شہر میں یوں تو یہ معمول ہی تھا راہگیروں سے پرس، موبائل، گھڑیاں، پیسے وغیرہ چھین لینا مگر آج جب کمالا یہ جرم کرنے کے ارادے سے سڑک پر آیا تھا تو اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے ساری دنیا کی نظریں اسی پر جمی ہیں، سب اس کے ارادوں سے باخبر ہیں اور وہ جو بھی واردات کرے گا سب اسے پکڑ کر مار ڈالیں گے۔ مگر اس کو اس لمحے اس کی بھی پروا نہیں تھی وہ تو صرف اپنے فاقہ زدہ بچوں اور افلاس سے تنگ آئی

ہوئی بیوی کی شکلوں کو دیکھ رہا تھا اور ان کو زندگی کے رنگ دینے کے لئے آج وہ مزدور سے مجرم بننے پر بھی راضی ہوگیا تھا۔ سچ ہی تو ہے کہ غربت، مفلسی اور بھوک انسان کو جرم کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

☆..........☆..........☆

آج مسز صدیقی کے گھر یعنی ان کے بنگلے پر افطار پارٹی تھی بہت سے کھوجے دار مہمان افطار ڈنر کے لئے آئے۔ انواع و اقسام کے کھانے بنائے گئے، سرو کئے گئے، کھائے گئے، گرائے گئے، بچائے گئے، بچے ہوئے کھانے سب ملازموں کے ساتھ ساتھ کلثوم کو بھی شاپر زبھر کر مل گئے، وہ بہت خوش تھی کہ رات کا کھانا اور صبح عید کے دن کے لئے مزیدار کھانا اسے اور اس کی بچیوں کو کھانے کے لئے مل گیا ہے۔ عید کا دن اچھا گزر جائے گا آمنہ اور اسماء بھی خوش ہو جائیں گی۔ وہ بنگلے کے کام سے فارغ ہوئی تو بیگم صدیق نے اس کی تنخواہ آٹھ ہزار روپے اسے دیتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہاری تنخواہ ہے، عیدی کل آکر لے جانا"۔

"بہت شکریہ بیگم صاحبہ! اللہ سائیں آپ کو بہت دے آپ کے رزق میں کبھی کمی نہ ہو"۔ کلثوم نے تشکر آمیز لہجے میں دعا دی۔

"آمین!" بیگم صدیق نے مسکرا کر کہا تو وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر بنگلے سے باہر نکل آئی اور اپنے گھر کے راستے کو ہولی۔

کلثوم بہت خوش تھی کہ بچیوں کے لئے اچھا کھانا بھی مل گیا تھا اور تنخواہ بھی مل گئی تھی، اب وہ انہیں مہندی اور چوڑیاں خرید کے دے سکتی تھی۔ ان کی عید کی خوشی پوری کر سکتی تھی۔ جونہی وہ اپنی کالونی کو جانے والی سڑک کا موڑ مڑی ایک نقاب پوش آدمی اچانک چاقو لے کر اس کے سامنے آگیا اور اس کا راستہ روک لیا، وہ اس اچانک افتاد پر سٹپٹا گئی، آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اس سے زیادہ حیران کمالا تھا اپنی اس حرکت پر۔

"رک جاؤ، خبردار جو آواز نکالی ہو"۔ کمالے نے اسے کرخت آواز میں دھمکایا، کلثوم نے حلق سے تھوک نگلتے ہوئے اپنا گلا تر کیا اور کانپتی آواز میں پوچھا۔

"کک، کیا چاہتے ہو؟"

"عیدی"۔ کمالا بولا۔ کلثوم نے سر سے پاؤں تک اس کا ایک نگاہ میں جائزہ لیا تھا، اس کے میلے اور رنگ زدہ پرانے کپڑوں سے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کوئی مزدور ہے اور بھوک کے ہاتھوں مجبور ہے اور جرم پر آمادہ ہوا ہے۔

"عیدی تو جاننے والوں، دوستوں، رشتے داروں کو دی جاتی ہے بھیا!" کلثوم نے خود کو اس کے چاقو کے خوف سے آزاد کراتے ہوئے کہا۔

"بھیا کہہ کے رشتہ تو تم نے آپ ہی جوڑ لیا ہے مجھ سے، اب بھائی کو عیدی نہیں دو گی بہن"۔ کمالے نے بہت تلخ اور استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"بھیا! عید تو کل ہے ناں، تو کل عیدی لے لینا، ابھی مجھے جانے دو میرے بچے گھر میں میرا انتظار کر رہے ہیں"۔ کلثوم نے منت بھرے لہجے میں کہا تو وہ غصے سے بولا۔

"بچے تو میرے بھی میرا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کا باپ آج ان کے لئے کھانا ضرور لے کر آئے گا، دو دن سے فاقے سے ہیں میرے بچے، اور آج اگر میں ان کے واسطے کھانا نہ لے گیا ناں تو میری بیوی بچوں کو جان سے مار دے گی اور خود بھی خودکشی کر لے گی"۔

"اللہ نہ کرے بھیا، خیر کی بات کرو"۔ کلثوم نے سہم کر کہا تو وہ تلخ اور غصیلے لہجے میں بولا۔

"خالی پیٹ خیر کی بات نہیں ہو سکتی صرف شر کی بات سوجھ سکتی ہے"۔

"بھیا! تم بھی میرے جیسے ہی تو ہو، مزدور ہو مجھے چاقو دکھا کر کیا مل جائے گا تمہیں، میں تو خود محنت کر کے کماتی ہوں تو بچوں کا پیٹ پالتی ہوں"۔ کلثوم نے سنجیدہ لہجے میں سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"پر مجھے مزدوری نہیں ملی بہت دنوں سے میرے گھر میں فاقے ہو رہے ہیں اور آج تو میں ہر صورت میں کھانا گھر لے کر جاؤں گا چاہے اس کے لئے مجھے تیری جان ہی کیوں نہ لینی پڑے"۔ کمالا آنکھیں غصے سے اس کے چہرے پر گاڑے خطرناک لہجے میں بولا تو کلثوم زخمی سی مسکراہٹ لبوں پر لا کر کہنے لگی۔

"میری جان لے کر تجھے کیا ملے گا بھیا! میں بھی ایک مزدور ہوں، تمہارے قبیلے کی عورت ہوں، ایک غریب ہی دوسرے غریب کا درد سمجھ سکتا ہے، غریب دوسرے غریب کو لوٹ نہیں سکتا۔ تم اپنے بچوں کی جان بچانے کے لئے کسی دوسرے کی جان لینے کو تیار ہو اس سے یہ تو اندازہ ہو گیا کہ تمہیں اپنے بچوں سے بہت پیار ہے مگر کیا اپنی آخرت سے پیار نہیں ہے؟"

"بھوک، فاقے، مفلسی، بے بسی اور غریبی پیار دیار کو نہیں سمجھتی، خالی پیٹ روٹی مانگتا ہے پیار نہیں، پیار کے بولوں سے پیٹ نہیں بھرتا، روٹی کے ٹکڑوں سے پیٹ بھرتا ہے"۔ کمالے نے تلخی سے کہا تو گہرا سانس لبوں سے خارج کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک کہتے ہو بھیا! لیکن آج کی رات تمہارے بچے بھوکے نہیں سوئیں گے، یہ آدھا کھانا تم اپنے بیوی بچوں کے لئے لے جاؤ اور یہ میری آدھی تنخواہ بھی تم رکھ لو، عید کی خوشی تو ہم آپس میں بانٹ سکتے ہیں ناں، یہ بہن کی طرف سے "عیدی" سمجھ کر رکھ لو، اپنی واردات کی کمائی سمجھ کر مت رکھنا"۔ کلثوم نے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے بڑے سے شاپرز میں سے ایک کمالے کو دے دیا اور اپنی چادر میں لگی گرہ کھول کر اس میں بند تھے تنخواہ کے آٹھ ہزار میں سے چار ہزار کمالے کی طرف بڑھا دیئے۔

"عیدی"۔ کمالا احساس ندامت سے زمین میں گڑ گیا۔

"ہاں بھیا! یہ میری طرف سے تم اور تمہارے بیوی بچوں کے لئے "عیدی" ہے۔ اللہ اس کا حساب نہیں لے گا کیونکہ جرم تو جرم ہوتا ہے، چاہے مجبوری میں کرو یا موج مستی میں کرو، بس دوبارہ مت کرنا"۔

"کتنی "انوکھی عیدی" ہے ناں یہ جو ایک جرم کرنے کے چکر میں ملی ہے جس کی سزا نہیں ملے گی ناں اب"۔ کمالا فرط جذبات سے آبدیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"عیدی کی بھلا کیا سزا ملے گی؟ جاؤ بھیا! دیر مت کرو بچے تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے اور ہاں اللہ سے معافی ضرور مانگ لینا اور شکر بھی ادا کر دینا کہ "عیدی" کی وجہ سے مجرم بننے سے رہ گئے"۔

"ہاں ہاں... خوش رہو بہن"۔ کمالا بوکھلا کر بولا اور شاپر اور پیسے لے کر تیزی سے اپنے گھر کی جانب بڑھ گیا۔ چہرے سے کپڑا ہٹا لیا تھا مگر پیچھے مڑ کے دیکھنے کی جرات نہیں تھی اس میں کہ اس عورت کو اپنا چہرہ دکھا سکتا جس نے اسے گناہگار ہونے سے، مجرم بننے سے بچا لیا تھا "عیدی" دے کر۔ وہ کلثوم اور اللہ دونوں کا شکر گزار تھا۔ قدرت اسے مجرم نہیں بنانا چاہتی تھی جبھی تو اس نے کلثوم جیسی عورت کو فرشتہ بنا کر نیکی کا رستہ بتا کر بھیجا تھا اس کے پاس اور وہ ایک ہی غلط قدم پر بہت کچھ سیکھ گیا تھا، درست راستے کی جانب گامزن ہونے کا عہد کر رہا تھا خود سے۔

☆..........☆..........☆

کلثوم بہت مطمئن اور مسرور انداز میں تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے گھر کی جانب جا رہی تھی۔ وہ بہت خوش تھی کہ اس نے ایک گھر کی خوشیاں اور زندگیاں اپنی "عیدی" سے منور کر دی تھیں۔ رہی بات اس کی آمنہ اور اسماء کی نئے جوتے، مہندی، چوڑیاں خریدنے کی خواہش اور فرمائش کی تو وہ انہیں پیار سے سمجھا لے گی کہ مہندی اور چوڑیاں اگلی عید پر دلا دے گی اور اسے یقین تھا کہ اس کی بیٹیاں سمجھ بھی جائیں گی کہ مہندی اور چوڑیاں انسانوں کی زندگی سے بڑھ کر اہم اور قیمتی نہیں ہوتیں۔ انسانی زندگیاں سلامت رہیں تو چوڑیاں کھنکتی رہتی ہیں خوشیوں کی نوید بن کر۔

☆..........☆..........☆

فریدہ فرید

افسانہ

میرا چاند

''میرا چاند! ذرا چائے تو بنا دو سر میں بہت درد ہے۔'' عمارہ نے انگلیوں سے کنپٹیوں کو دباتے ہوئے ادا سے غوری کو پکارا تھا، جس نے اس کی آمد سے قبل ہی



چائے کے لیے پانی چڑھا دیا تھا کیونکہ یہ ایک دن کی تو بات ہی نہیں تھی۔ عمارہ کے آئے دن سر میں درد رہتا تھا اور اسے گھنٹوں تک دبانا بھی غوری کے سعادت عین کے مترادف تھا۔

''میری جان! اپنی کونفس کا بندوبست کر لیتے ہیں تمہارا آدھا درد سر کم ہو جائے گا۔''

غوری نے عمارہ کا سر اپنے گھٹنے پر رکھ کر نرم ہاتھوں سے سہلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ کئی ماہ سے گاڑی لینے کا خواہش مند تھا مگر عمارہ ابھی جوڑ توڑ میں مصروف تھی اس کی سیلری مناسب تھی مگر اخراجات کا عفریت بھی کچھ کم نہ تھا۔

''چاند! تمہاری جاب ہو جاتی تو معاملات زیادہ بہتر طریقے سے ادا کیے جا سکتے تھے مگر ابھی چھوٹی بہن سمارہ کی شادی کے لیے بہتیرے اخراجات کرنے ہیں فی الوقت اسے رہنے دو۔'' عمارہ نے اس کی گود میں منہ چھپا کر رسان سے جواب دیا تھا۔

''پتا نہیں جاب کب تک ہو گی۔ ابھی تک تو کسی انٹرویو کا جواب ہی نہیں آیا۔'' غوری کمال فکر مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ انٹرویوز کا جواب تو تب آتا جو کچھ ڈھنگ کا دیا ہوتا مگر یہ سب فکر کرنے کی



اسے ضرورت ہی کیا تھی اس کا نوٹ بینک تو اس وقت اس کی گود میں تھا۔

☆......☆

عمارہ اور غوری کی شادی کو سال ہونے کو آیا تھا۔ شادی سے قبل دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہی تھے۔ رشتہ کروانے والی خالہ کی وساطت سے گھر والوں کی مرضی سے دونوں کی نسبت طے پا گئی تھی۔ عمارہ بینک میں جاب کرتی تھی شروع ہی سے خود کفیل تھی۔ اپنی شادی کے لیے اس نے بھرپور انتظامات کر رکھے تھے جب کہ غوری نے شادی سے قبل کسی شاپ پر سیلز مین ہونا ظاہر کیا تھا مگر شادی کے بعد وہ ایک دن بھی کام کے لیے گھر سے نہیں نکلا تھا۔ عمارہ کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ اب عمارہ کے شوہر کی حیثیت سے ایسی کمتر جاب اس پر سوٹ نہیں کرتی تھی اور نئی جاب کے لیے وہ آئے دن انٹرویوز کا شوشا چھوڑتا تھا مگر کہیں جانے کی زحمت اس نے کبھی نہیں کی تھی اور عمارہ کو اپنی جاب اور اس کی نرم گرم شرارتیں زیادہ سوچنے کا موقع بھی نہیں دیتی تھیں گھر واپس آ کر نرم بستر اور گرم شریکِ سفر اس کے لیے راحت کا ایسا سامان تھا کہ اسے غوری کو خود سے دور کرنے کی عادت ہی نہیں رہی تھی۔ غوری بہترین کک، منتظم، ناپ تول کے خرید وفروخت کرنے میں پرفیکٹ تو تھا ہی عمارہ کے لیے بہترین مساجر، ڈاکٹر اور چاہنے والا سراہنے والا دوست بھی تھا۔ اس کی یہ تمام خوبیاں اس بات پر پردہ ڈال دیتی تھیں کہ وہ کمانے والا نہیں تھا۔

''چاند! آج سنڈے مارکیٹ سے رمضان کے لیے ضروری خریداری کر کے آجاؤ۔''

عمارہ نے پسندیدہ ڈرامے میں آئے وقفے کے دوران اسے پچکارتے ہوئے ذمہ داری سونپی تھی اور پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ غوری نے درزی کو دینے والے کپڑوں کا شاپر اٹھایا تھا اور عمارہ کے پرس سے مقررہ رقم لے کر نکل پڑا تھا۔ وہ ایک ہی وقت میں رمضان شاپنگ اور عید ڈریس کی ٹیلر کے ساتھ مغز ماری دونوں کام نمٹانے والا تھا۔

''جان! تم بھی ساتھ میں آجاتیں تو ایک دوسرے کی سنگت میں اچھا وقت گزر جاتا۔'' غوری کو عمارہ کے ساتھ وقت گزارنے کی چاہ رہتی تھی جب کہ عمارہ کے لیے گھریلو معاملات بنا ہلے جلے تکمیل پا جانے کی مسرت زیادہ مرغوب تھی۔ شادی سے قبل اسے جاب کے ساتھ ساتھ گھر کے تمام معاملات کو بھی ہینڈل کرنا پڑتا تھا۔

والد کے انتقال کے بعد سیدھی سادھی گھریلو ماں اور چھوٹے تین بہن بھائیوں میں بڑے ہونے کے ناطے اس نے جاب کے ساتھ گھر بھر کو سنبھالا تھا۔ ہر قسم کے بلز کی ادائیگی کی مشقت کے ساتھ سودا سلف اور دیگر ضروری خریداریاں بھی اسی کے ذمے رہتی تھیں، بہن بھائی کچھ تو لاابالی تھے اور کچھ وہ انہیں اپنی سیلری دینے کے معاملے میں کنجوس تھی۔ اسے اپنا پیسہ سنبھال کے رکھنا اور استعمال کرنا اپنے ہاتھوں ہی پسند تھا۔

رشتہ طے ہوتے ہی غوری کی گھر میں آمدورفت بڑھ گئی تھی اس کے والدین نہیں تھے بڑے بہن بھائی اپنے اپنے گھروں میں مگن تھے۔ بہنوں کی دلچسپی اب محض اس کی شادی ہو جانے تک تھی وہ زیادہ تر وقت عمارہ کے گھر اور گھر والوں کے ساتھ گزارتا تھا۔ ہر ایک کام کے لیے اس کی خدمات پیش پیش رہتی تھیں۔ ابتدا میں عمارہ نے اس پر زیادہ بھروسا نہیں کیا تھا مگر غوری کو عمارہ کو شیشے میں اتارنا آتا تھا۔ اس کی دل لبھاتی باتیں اور دل کھینچتی شرارتیں عمارہ کو اپنے سحر میں جکڑنے لگیں اور پھر اسے رفتہ رفتہ آرام کی عادت ہونے لگی۔ خود بخود ہر کام ہو جانا، رات کو سوتے وقت اگلے دن کی کسی ذمہ داری کی کوئی فکر نہ ہونا اس کے دل کو بھانے لگا۔ اب تو اسے کولیگز کے ساتھ دعوتیں

اڑانے، ٹی وی پر زیادہ وقت گزارنے میں آسانی سے آئی تھی۔ رہنے لگی تھی۔ غوری نے اسے سہل پسند بنا کر خود کو اس کا من پسند بنا دیا تھا۔

شادی کے بعد بھی غوری میں کوئی بدلاؤ نہ آیا تھا اور عمارہ کے لیے راوی ہنوز چین ہی چین لکھتا تھا۔

☆......☆

''اور عمارہ سال گزر گیا اور تمہاری شادی کی ٹریٹ ہنوز پینڈنگ ہے۔'' عالیہ نے عمارہ کی ٹیبل بجا کر اسے لنچ کی دعوت ہی نہیں دی تھی۔ ساتھ میں شکوہ بھی کر ڈالا تھا۔

''ولیمہ بھی غالباً ٹریٹ ہی ہوتی ہے اور وہ تم لوگ کھا چکے ہو۔'' عمارہ نے سیدھے سبھاؤ انکار کر دیا تھا۔ وہ پیسہ لگانے کے معاملے میں انتہائی کنجوس تھی۔ ویسے بھی اس سے رقم نکلوانے کا ٹرک صرف غوری کو ہی آتا تھا۔

''کنجوسی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے تم سے اچھی تو دھنک ہے تمہاری طرح ایک سال ہوا ہے اس کی شادی کو اور جب کہو ٹریٹ دیتی ہے بلکہ ہم تو اس کے گھر جا کر کئی بار کھانا کھا چکے ہیں۔'' عالیہ کی ہم خیال صنوبر نے بھی جتاتے اور تپاتے انداز میں کہا تھا جس نے کام دکھایا تھا عمارہ چونکی تھی۔

''کیا دھنک اتنی دیالو ہے کیا کسی بہت بڑے گھر میں بیاہی گئی ہے؟'' عمارہ نے تنک کر دریافت کیا تھا، دھنک اور عمارہ کولیگ ہی نہیں مرتبے میں بھی یکساں تھیں، ایک ہی جیسی تنخواہ لینے والی تھیں اسی لیے عمارہ جانتی تھی کہ اس تنخواہ میں تو ایسی دریا دلی کسی طور ممکن نہ تھی یا اس کے ذرائع آمدنی اور بھی تھا یا پھر اس کے کہے کے مطابق سسرال تگڑی تھی۔

''ارے اس کا سسرال ہے ہی کہاں؟ اس کا میاں تو اس کا چچازاد ہے، انہی کے گھر میں رہتا تھا۔ ابا نے بھائی کے بیٹے کو بیٹی دے دی۔'' صنوبر نے تفصیلی طور پر اسے آگاہ کیا تھا جو قدرے مطمئن نظر

''ارے تو یوں کہو ناں گھر داماد ہے۔'' عمارہ نے اپنے لمبے ناخنوں سے پین کی نوک دباتے ہوئے طنزیہ کہا تھا۔

''نہیں بھئی اس کا اپنا فلیٹ ہے اتنا فرنشڈ اور خوب صورت ہم خود دیکھ کر آئے ہیں۔''

عالیہ نے اس کے قیافے کو سختی سے رد کر دیا تھا وہ لوگ دھنک سے کافی متاثر لگتی تھیں۔ ان چاروں کو ایک ساتھ جاب کرتے کافی ٹائم گزر گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دوستی گھر بار تک پہنچ چکی تھی۔ عمارہ نے البتہ انہیں اپنے گھر مدعو کرنے کا شرف نہیں بخشا تھا وجہ اس کی ازلی سستی تھی۔

''تو کیا وہ اپنی تمام سیلری گھر کو سجانے پر صرف کر دیتی ہے تو پھر کھاتے پیتے کیسے ہوں گے۔ تبھی تو اتنی دبلی پتلی ہے اور ڈھنگ کا لباس تو کبھی پہنے دیکھا ہی نہیں۔''

عمارہ نے مبالغہ آرائی کی حد کر دی تھی وہ بھی غلط بیانی میں صنوبر اور عالیہ نے کچھ کہا نہیں تھا مگر ان کے چہرے کے زاویے صاف ظاہر کر رہے تھے کہ وہ عمارہ سے قطعاً متفق نہیں تھیں۔ دھنک متناسب وجود کی مالک تھی جسے نہ فربہ کہا جا سکتا تھا نہ دبلا اور پہننے اوڑھنے میں وہ انتہائی متوازن اور زیرک تھی اس کے برعکس عمارہ کا پہناوا نو دولتیوں جیسا ہوتا تھا۔

''اب یہ سب تو تم دھنک سے ہی پوچھو۔'' عالیہ نے بات سمیٹ دی تھی عمارہ آج زیادہ خوشگوار موڈ میں نہیں تھی دھنک کے معیارِ زندگی کا سن کر اسے اچھا احساس نہیں ہوا تھا۔

☆......☆

''چاند! اس ماہ اپنی فرینڈز کو گھر انوائیٹ کرنے کا ارادہ ہے بجٹ کو مینج کر لو۔'' عمارہ نے اسے دودھ والے اور دھوبی کی ادا کنندہ رقوم سپرد کرتے ہوئے کہا تھا۔

''تم بالکل فکر نہیں کرو میں سب ہینڈل کرلوں گا۔ تین افراد کی دعوت بھی بھلا کوئی مسئلہ ہے۔ ایک کلو مرغی میں تین ڈشز بنالوں گا۔ ایک کلو دودھ میں سوئیٹ ڈش اور دو سو روپے کا پھل لے آؤں گا ہزار ڈیڑھ ہزار میں تمہاری دعوت بھگتا لوں گا۔''

غوری نے منٹوں میں دعوت کا تیا پانچہ کر دیا تھا۔ یہ سب اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ وہ عمارہ سے لی رقم آدھا گھر پر خرچ کرتا تھا اور بقیہ اپنے آپ پر اور طریقہ واردات اتنے سلیقے سے وارد ہوتا تھا کہ عمارہ کبھی جان ہی نہ پائی تھی۔ ویسے بھی غوری کی انگلیاں جب اس کے بالوں میں مساج کرتی تھیں تو اسے دو اور دو چار کی فکر رہتی ہی کب تھی۔

''ایک کلو مرغی میں تین ڈشز! یار چکن نظر ہی نہیں آئے گی اور میری فرینڈز طعنے دینے لگیں گی اور ویسے بھی دھنک بھی انوائیٹ ہے مجھے اسے امپریس کرنا ہے شرمندہ نہیں ہونا۔'' عمارہ اس بار اس کی ہم خیال نہ ہو پائی تھی اختلاف رائے در آیا تھا۔

''اوہو جان! ایسا کچھ نہیں ہوگا آدھا کلو چکن کا قورمہ بن جائے گا، باقی آدھا کلو چکن میں سے بون کی نہاری بن جائے گی اور گوشت کے کباب یا نگٹس بنالیں گے کیسا؟''

غوری نے مہارت سے مینو بیان کیا تھا۔ عمارہ دنگ رہ گئی تھی غوری کی ایک اور صلاحیت اسے متاثر کرنے کو سامنے آئی تھی کہ وہ بجٹ کی بچت میں بھی انتہائی سلیقہ شعار تھا۔ اسے اپنے انتخاب پر ہمیشہ کی طرح فخر ہوا تھا قدرت نے اسے کیسا شریک حیات عطا کیا تھا جو اس کے لیے ہر طرح کی مالی، اخلاقی، جسمانی آسودگی کا باعث تھا۔ وہ زبان کا نرم تھا تو جذبات کا گرم ہر مرحلہ حیات میں انتہائی معاون وہ یونہی تو اسے چاند نہیں کہتی تھی۔

☆......☆

غوری نے اس کی توقعات سے بڑھ کر دعوت کا اہتمام کر دیا تھا۔ عمارہ انتہائی خوش تھی۔ اس نے غوری کی مدد بھی کی تھی مگر بہر حال انتظامات سارے غوری کے ہی تھے جنہوں نے اس کی دوستوں میں اس کی خوب دھاک بٹھائی تھی۔

غوری خوش شکل اور خوش گفتار تھا۔ اس نے ذرا سی دیر میں محفل کو گلزار بنا دیا تھا۔ کھانا لگانے کا وقت آیا تو عمارہ نے میز سجانی شروع کی تھی۔ ہمیشہ کے برعکس غوری صنوبر سے مصروف گفتگو تھا وہ باتوں کا رسیا تھا اور صنوبر چٹخاروں کی عادی جوڑی خوب جم بیٹھی تھی۔ عمارہ کو غوری کو باقاعدہ مخاطب کرنا پڑا تھا۔

''جناب آپ میزبان ہیں کہ مہمان......!''

عمارہ کی ناراضی اس کے چاند نہ کہنے سے واضح تھی۔ بظاہر شگفتہ پیرائے میں مخاطب کیا گیا تھا۔

''جان! مہمان، میزبان تو غیر ہوتے ہیں ہم تو غلام ہیں۔'' غوری نے کمال دلربائی سے عمارہ کو مغرور ہونے کا موقع دیا تھا۔ وہ کھل گئی تھی اور تفاخر سے دوستوں کو تکنے لگی تھی جو واقعی مرعوب نظر آتی تھیں۔

غوری نے منٹوں میں کھانا لگا بھی دیا تھا اور باتوں باتوں میں کھلا بھی دیا تھا۔ دوران طعام کم بجٹ اور زیادہ مہارت سے تیار کردہ پکوان سے لطف اندوز ہوتے وہ بہت مسرور تھی دھنک کم گو تھی وہ ایک آدھ بار لقمہ لیتی اور دیتی تھی زیادہ وقت صنوبر اور غوری کی زبان چلتی رہی تھی۔

''دھنک جی! آپ کو ہمارے ہاتھوں کے پکوان کیسے لگے آپ نے رائے نہیں دی۔'' غوری نے یکدم دھنک کو مخاطب کر کے تفاخراً کہا تھا کیونکہ صنوبر اور عالیہ تو مستقل تعریف میں مصروف تھیں۔

''بالکل جی سب کچھ بہت مزے کا ہے، ویسے بھی ہم نے سن رکھا ہے کہ مردوں کے ہاتھ میں عورتوں سے زیادہ ذائقہ ہوتا ہے آج دیکھ بھی لیا۔''

دھنک نے صاف گوئی سے اظہار خیال کیا تھا

جس نے عمارہ کو بھرپور تفخر کا احساس دلایا تھا، وہ خوش تھی کہ اسے ایسا شریکِ سفر ملا تھا جو تمام مردوں سے ہٹ کر بھی تھا اور عورتوں میں پسندیدہ بھی تھا۔ ایسا شوہر تو ہر عورت کا آئیڈیل ہوتا ہے جو چاہنے والا بھی ہو، خیال رکھنے والا، عزت دینے والا ہو اور ساتھ میں پکانے والا اور گھر گرہستی سنبھالنے والا کا تڑکہ بھی لگ جائے تو کیا ہی بات ہے۔

''ویسے غوری بھائی! آپ کو جاب سے اتنا وقت مل جاتا ہے کہ آپ کوکنگ کر لیتے ہیں۔'' دھنک نے یکدم سوال داغا تھا۔ من ہی من میں مسکراتی عمارہ چونک اٹھی تھی۔ یہ وہ منفی نکتہ تھا جو اس کے شوہر کی ذات کو مائنس کرتا تھا۔

''فی الحال جاب لیس ہوں لیکن عنقریب اپائنٹمنٹ ہو جاؤں گا تب تک عمارہ کی جتنی مدد کر دوں اتنا ہی اچھا ہے۔'' غوری کو بات کرنے کا گر بھی آتا تھا اس نے عمارہ کی دوستوں کو نہایت خوبی سے مطمئن کر دیا تھا مگر عمارہ کے ماتھے کے بل اس کی نگاہ میں آ چکے تھے گویا کوئی چیز اسے کھٹک رہی تھی۔

☆......☆

''جان! میری جاب اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں ہے جسے لے کر تم میری قیمتی رات برباد کر دو۔'' غوری نے عمارہ کو خود میں سموتے ہوئے کہا تھا۔ عمارہ دوستوں کے جانے کے بعد اس کی جاب کے متعلق کافی بحث کرتی رہی تھی۔ اس کا بنیادی نکتہ یہی تھا کہ غوری کے دیئے گئے انٹرویوز کا کوئی نتیجہ برآمد کیوں نہیں ہوتا۔

''غوری! دھنک کے اٹھائے ایشو نے مجھے شرمندہ کر دیا تھا، تم جانتے ہو اسے نیچا دکھانا میرے لیے کتنا ضروری ہے۔ وہ میری جیسی سیلری لیتی ہے اور میرے ہی جیسے معاشی حالات ہونے کے باوجود اپنے خود کے فلیٹ میں رہتی ہے اور فرینڈز کو بے دریغ ٹریٹ دیتی ہے وہ سب اس کے گن گاتی ہیں کیسے؟''

عمارہ نے اپنی خفگی کا تفصیلی جواز دیا تھا، یوں تو غوری نے اس کی سہیلیوں کو ہر لحاظ سے متاثر کیا تھا مگر جاب لیس ہونے کے طعنے نے سب مزہ کرکرا کر دیا تھا۔

''ارے جان! اس کے پیرنٹس سپورٹ کرتے ہوں گے، یا پھر اوپر کی آمدنی ہوگی کوئی نہ کوئی گھپلا ضرور ہوگا۔ وہ کسی طرح بھی ہم سے زیادہ ویل سیٹلڈ نہیں ہو سکتی مان لو۔'' غوری نے اسے مطمئن کرنے کے تمام تر زبانی اور شرارتی حربے جاری رکھے ہوئے تھے۔ وہ عمارہ کو گہرائی میں سوچنے کا موقع کم ہی دیتا تھا مگر آج یہ کام دھنک ایک ننھا سا سوال اٹھا کر کر گئی تھی۔

''چاند! اس کا میاں ضرور جاب کرتا ہوگا، دونوں کی سیلری مل کر زیادہ بہتر طریقے سے معاملات حل کر سکتی ہوگی۔'' عمارہ کا چاند تخاطب اس بات کی علامت تھا کہ وہ غوری کی باتوں سے متفق ہو چکی تھی۔

''کیا معاملات حل ہو سکتے ہوں گے۔ وہ آفس سے گھر آ کر کوکنگ کرتی ہوگی، دھوبی، درزی، کام والی، راشن پانی کے مسائل میں الجھ جاتی ہوگی، تبھی تو اتنی تھکان زدہ لگ رہی تھی۔ فریش نیس تو ذرا بھر نہیں تھی اس کے چہرے پر۔'' غوری مکمل طور پر عورتوں کے انداز میں تجزیہ پیش کر رہا تھا۔ دھنک کے چہرے پر اس کے ریمارکس سن کر عمارہ کھلکھلا کے ہنس پڑی تھی اور غوری کے سینے پر سر ٹکا دیا تھا۔

''چاند! یہ تو صرف میرا نصیب ہے کہ تم مجھے ہر لحاظ سے سپورٹ کرتے ہو، ہر طریقے سے ریلیکس رکھتے ہو، آئی لو یو۔''

عمارہ کی سوچ بدل کر غوری سکھ کا سانس لیتا ہوا اس کے قریب آ گیا تھا۔

☆......☆

غوری کے کیے گئے تجزیے کا اثر تھا کہ اگلے ہی دن عمارہ نے دھنک سے اس کا گھر دیکھنے کا مطالبہ

کر دیا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ آیا جو کچھ دھنک کے متعلق کہا جاتا تھا وہ سچ میں ایسا ہی تھا یا نہیں۔

''دھنک یار! تمہارے فلیٹ کی بہت تعریفیں سنی ہیں ایک بار دیکھنا تو بنتا ہے۔'' عمارہ نے صنوبر اور عالیہ کو ہم خیال کیا تھا۔ وہ دونوں تو دعوتوں کی تھیں ہی رسیا فوراً کھانے کی بھی فرمائش کر ڈالی تھی۔

''کیوں نہیں جب تم لوگ چاہو افطار پارٹی رکھ لیتے ہیں کل سے رمضان تو شروع ہو ہی رہے ہیں۔'' دھنک نے خوش اخلاقی سے بنا حیل و حجت کے حامی بھری تھی، عمارہ اس بات پر بھی کڑھی تھی کہ آیا وہ پس و پیش سے کام کیوں نہیں لیتی۔ اتنی آسانی سے جیب ہلکی کرنے کو کیوں تیار ہو جاتی ہے اور پھر دعوت کا دردِ سر کیا کم ہوتا ہے؟ دن بھر آفس ورک کر کے شام میں روزے کی حالت میں افطار دعوت کی تیاری قطعاً سہل نہ تھا مگر دھنک نے تو لمحے بھر کو سوچنے کا وقت بھی نہیں لیا تھا۔

''دھنک! ایک بار اپنے ہسبینڈ سے پوچھ تو لو کیا معلوم انہیں اعتراض ہو اب ہر شوہر میرے چاند کی طرح کوآپریٹو تو نہیں ہوتا ناں۔'' عمارہ نے کندھے اچکا کر خوب لہک کر اپنے چاند پر فخر کرتے ہوئے کہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ دھنک کو روایتی شوہر نما عفریت سے اجازت لینے کی مشقت طے کرنا پڑے گی۔

''عمارہ میرے چاند کی بات مت پوچھو وہ تو ایسی دعوتوں کو خود بھی انجوائے کرتے ہیں، مجھے کیا روکیں گے؟'' دھنک نے اسی کے اندازِ تخاطب کو نقل کرتے ہوئے لاپروائی سے کہا تھا۔ عمارہ کو اس کا انداز رتی بھر نہ بھایا تھا۔ یہ بے فکری اور چاہت تو صرف اس کا نصیب تھی غوری جیسی نعمت تو صرف اس کے پاس تھی پھر وہ کیوں اس کی حصے دار بن رہی تھی بہر حال عمارہ نے سوچ لیا کہ وہ دعوت والے دن پسینے میں بھیگی کچن میں ہلکان ہوتی دھنک کو اسی وقت ''میرے چاند'' کا اصل مطلب بتائے گی۔ فی الحال اس نے بحث کو موخر کر دیا تھا۔

☆......☆

آج غوری کی بچت پالیسی کا شاہکار اس کی ذاتی کار دروازے پر کھڑی تھی۔ وہ دونوں بے حد خوش تھے۔ غوری نے چند ماہ سے اس کی مکمل تنخواہ لینا شروع کر دی تھی، کبھی بہلا پھسلا کر کبھی دیگر حیلوں بہانوں سے وہ دل ہی دل میں فکر کرتی تھی کہ گزارہ کیسے ہوگا؟ مگر آج غوری نے اسے اپنی گاڑی دکھا کر سرپرائز کر دیا تھا۔ وہ ایکسائٹمنٹ میں بار بار اس سے لپٹ جاتی تھی۔ روزے کی حالت میں بھی وہ دن بھر گاڑی پر لانگ ڈرائیو کے مزے لیتے رہے تھے۔ اب اس کا اگلا ہیڈک اپنا ویل فرنشڈ فلیٹ تھا۔ جب سے دھنک کے فلیٹ کی مدح سنی تھی وہ تبھی سے ٹھانے بیٹھی تھی۔

''دھنک کے پاس اپنی کنوینس نہیں ہے، کل اس کے گھر افطار پارٹی پر اپنی کار میں جاؤں گی تو اس کی رنگت دیکھنے لائق ہوگی۔'' عمارہ نے گفتگو کا چٹخارہ لیتے ہوئے غوری کے ڈرائیونگ سے مصروف ہاتھوں کو سہلایا تھا اور ہاتھ میں پکڑا رول اس کے منہ میں ڈالا تھا۔ جس کی ایک بائٹ وہ خود تو ایک غوری لیتا تھا۔

''کل رات اس کے چاند کی خیر نہیں وہ رات بھر لڑائی کرنے والی ہے۔''

غوری نے تمسخرانہ کہا تھا کیونکہ عمارہ آفس میں ہوئے ''میرے چاند'' کے بابت گفتگو اس کے گوش گزار کر چکی تھی عمارہ نے بلند قہقہہ لگایا تھا۔

''آف کورس چاند اسے چاند کہنے اور چاند ہونے کا مطلب ضرور سمجھ آجائے گا۔'' عمارہ نے بھی اس کے انداز میں بات کو آگے بڑھایا تھا اور ادا سے اس کے کندھے پر سر ٹکا گئی تھی۔

''یار! تم ڈرائیونگ نہیں کرنے دوگی۔'' غوری نے اسے مصنوعی گھورا تھا جو آج موڈ میں تھی اور موڈ بنانے پر تلی ہوئی تھی۔

☆......☆

اگلے دن اس کی تیاری دیکھنے لائق تھی۔ صبح آفس میں دھنک سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے تینوں دوستوں کو پک اینڈ ڈراپ کی آفر بھی کی تھی۔ عمارہ نے لہک کر اپنی ذاتی کنوینس کی مدح سرائی کی تھی مگر صنوبر اور عالیہ نے انتہائی مسرت کے ساتھ آفر قبول کی تھی۔ عمارہ نے خود ہی قیاس کرلیا تھا کہ یقیناً دھنک ان پر دھاک بٹھانے کے لیے ہائر شدہ کار کی آفر کر رہی تھی۔

مگر عمارہ کو پہلا دھچکا تو دھنک کے دروازے پر کھڑی خوب صورت ریڈ مہران کو دیکھ کر ہی لگا تھا۔ دھنک کی ذاتی گاڑی اس کی نئی نویلی گاڑی کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ چمک رہی تھی۔ غوری جو اسے ڈراپ کرنے آیا تھا فوراً اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔

''دیکھا میں تمہیں کہتا تھا اوپر کی آمدنی ہے۔'' عمارہ نے بھرپور تائیدی سر ہلاتے ہوئے اسے بائے کہا تھا کیونکہ وہ انوائیٹڈ نہیں تھا۔ صنوبر اور عالیہ اس سے پہلے آچکی تھیں اور پورچ میں ہی اسے مل گئیں۔

''یار! تم لوگوں نے بلاوجہ دھنک کے شوہر کو تکلیف دی۔ میرے ساتھ ہی آجاتیں اب وہ تمہیں لینے کے لیے اسپیشل گاڑی لے کر گئے ہوں گے۔ ویسے اس کے ہسبینڈ ہیں کیسے؟'' عمارہ نے چلتے چلتے اظہارِ خیال کیا تھا۔

''اس کے شوہر کو کیسی زحمت اس کا ڈرائیور لینے آیا تھا اس کا شوہر تو اتنا بزی رہتا ہے کہ ہم نے اسے آج تک دیکھا ہی نہیں۔'' عمارہ تو ڈرائیور کی عیاشی پر ہی اپنی جگہ رک گئی تھی۔ شوہر کی مصروفیت کی اطلاع تو اسے اور بھی عجیب لگی۔

''اور اس کا میاں کرتا کیا ہے جو گاڑی بھی ہے ڈرائیور بھی اور مصروفیات کی ایک الگ کہانی بھی۔'' عمارہ نے تنک کر کہا تھا وہ اپنی حسرت نما حیرت چھپانے سے قاصر نظر آتی تھی۔ اس کا میاں تو مصروفیت نام کی بلا سے ناواقف ہی تھا۔ ان کے گھر جب بھی جاؤ اس کا چاند ہمیشہ دستیاب ہوتا تھا اور ڈرائیونگ سے لے کر ہر قسم کی خدماتی نوکریاں اس کے چاند کے ہی سپرد تھیں۔

اسی سوچ بچار میں وہ لفٹ کے ذریعے دھنک کے 4th فلور کے فلیٹ پر آئی تھی۔ باقی فلیٹس کے مقابلے میں دھنک کا فلیٹ بڑا بھی تھا اور باہر سے انتہائی دیدہ زیب حالت میں بھی تھا۔ صنوبر کے ذریعے اسے پتا چلا کہ دھنک نے دو فلیٹس کو خرید کر یکجا کر کے ایک بڑے حجم کا فلیٹ بنوایا تھا۔ عمارہ یہاں بھی اپنے دو کمروں کے گھر کا تقابل کرنے لگی تھی۔ دھنک ہر لحاظ سے اس سے مالی اعتبار سے بہتر کیا بہترین ثابت ہو رہی تھی۔ ''واقعی کچھ گھپلا ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں غوری کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

''دھنک گرمیوں کے روزے اور اتنی فریش نیس کیا راز ہے؟''

دھنک کو دیکھ کر عمارہ دنگ رہ گئی تھی وہ ریڈ کلر کے پرنٹڈ سوٹ میں بالوں میں اسٹائلش لک دیئے ان کے استقبال کے لیے موجود تھی۔ فلیٹ کا دروازہ بھی کسی نوکر نے کھولا تھا اور انہیں کوک وغیرہ بھی نوکر ہی سرو کر رہے تھے۔ عمارہ کی تو زبان گنگ ہوگئی تھی۔ لائف اسٹائل اس کی توقع سے ہزار درجہ مختلف تھا۔

''گرمی کہاں یار آفس میں، گھر میں، گاڑی میں اے سی میں بیٹھے رہو، گرمی کا کیا پتا چلتا ہے۔'' دھنک نے سادہ انداز میں کہا تھا مگر عمارہ کو لہجہ جتلاتا ہوا لگا، کیونکہ اس کے گھر کا اے سی تو صرف بیڈ روم تک تھا اور وہ بھی سونے سے قبل دو گھنٹے کے لیے چلا کر بند کر دیا جاتا تھا۔ تاکہ اضافی بل سے بچا جاسکے مگر یہاں تو ڈائننگ روم سے ڈرائنگ روم سب ہی

میں اے سی چل رہا تھا۔

دھنک ان کے ساتھ نہایت اطمینان سے کئی گھنٹے بیٹھی رہی تھی۔ عمارہ حیران تھی کہ آخر افطار بنا کون رہا تھا۔ اس کا شوہر تو بقول اس کے ابھی تک آفس سے آیا ہی نہیں تھا۔ دھنک بالکل بھی عجلت میں یا فکر مند دکھائی نہیں دیتی تھی، دنیا بھر کی باتیں رواں تھیں، عمارہ کم ہی گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔ زیادہ تر دھنک کو اور ان کے خوب صورتی سے سجے گھر ہی کو تکے جا رہی تھی۔ اس کے سامنے کئی مرتبہ ملازمہ نے میز صاف کی تھی۔ ہر دوسرے لمحے نئے چہرے والے ملازم دیکھ کر وہ حیران تھی کہ آیا ملازمین کی تعداد کتنی تھی جب کہ اس مہنگائی کے دور میں تو ایک ماسی بھی مہنگی پڑتی تھی۔

افطار سے کچھ دیر قبل اس کے میاں کی آمد ہوئی تھی۔ انتہائی ویل ڈریسڈ، میچور نظر آنے والی شخصیت تھی زیادہ بات چیت کی عادت نہ تھی یا موڈ نہیں تھا۔ وہ جان نہ پائی کچھ دیر حال احوال کی بات ہوئی پھر وہ چینج کرنے چلے گئے تھے۔

”تمہارے چاند کو کمپنی دینا نہیں آتا؟“ عمارہ سیدھے سیدھے طنز کرتے ہوئے بولی تھی۔

”ایسا نہیں ہے عمارہ! ان کی جاب کے ٹائمنگ بہت سخت ہیں اسی لیے جو وقت ملے وہ آرام کرنے کا موقع جانے نہیں دیتے۔“ دھنک کو اس کی بات درگزر کرنے کا فن آتا تھا۔ وہ بنا برا منائے رسانیت سے جواب دیا کرتی تھی۔

”اس آرام کے پروگرام میں تمہاری کوئی گنجائش بھی نکلتی ہے کہ نہیں مجھے تو لگتا ہے تم دونوں کو بات کرنے کا موقع کم ہی ملتا ہوگا۔“ عمارہ کمر بند باندھ چکی تھی اب اس کی الجھنیں سر اٹھانے لگی تھیں۔ صنوبر اور عالیہ بھی تقریباً اس کے ہم خیال ہی نظر آتی تھیں مگر دھنک کا اطمینان قابلِ دید تھا۔ وہ ان کی باتوں کو گہرائی میں لینے کو تیار نہیں تھی۔

”مجھے آرام و راحت پہنچانے کے لیے ہی تو وہ اپنا آرام قربان کرتے ہیں، ان کی محنت کرنے کی وجہ بھی تو میں ہی ہوں۔“ دھنک کے چہرے سے محبت چھلک رہی تھی تو زبان سے چاہت ادا بھی ہو رہی تھی۔

”تمہاری خاطر حیرت ہے تم اسے اپنی خاطر سمجھتی ہو مجھے نہیں لگتا کہ وہ تم سے کبھی تفصیلی بات کر پائے ہوں گے، کبھی تمہارے بالوں کو سہلایا ہوگا۔ کبھی اپنے ہاتھ سے تمہیں چائے بنا کر پلائی ہوگی، گھر داری میں تمہاری مدد کرنا تو بعید از قیاس بات لگتی ہے۔“ عمارہ نے دو ٹوک لفظوں میں اس کی کھنچائی کرنا شروع کی تھی اس کے نزدیک ”میرے چاند“ کہلانے کے لیے یہ اوصاف ہونا ضروری جو تھے۔

”یہ سب وہ کیوں کریں گے۔ ان سب خدمات کے لیے انہوں نے مجھے ملازم مہیا کیے ہیں۔ ان کا کام میری خدمت کرنا نہیں بلکہ میرے آرام کے لیے خدمت گار مہیا کرنا ان کی ذمہ داری ہے جو وہ یقیناً کرتے ہیں۔“ دھنک نے اس کی بات حیرت سے سنی اور روانی سے رد کی تھی بھلا شوہر کو ایسے کام کرنا زیب دیتا ہے وہ عمارہ کی سوچ پر دنگ رہ گئی تھی۔

”لیکن روایتی شوہروں سے جدا چاند تو وہی ہوتا ہے جو آپ کو ذہنی و جسمانی ہر طرح کی راحت بہم پہنچائے۔“ عمارہ نے اپنے موقف کی وضاحت شروع کی تھی۔ کیونکہ صنوبر اور عالیہ کا ووٹ بینک دھنک کی ایک ہی بات نے حاصل کر لیا تھا۔

”آف کورس ”میرا چاند“ کہلانے لائق تو وہی ہے جو بیوی کو چندارانی بنا کر رکھے۔“ دھنک نے اس کے موقف کی پر زور حمایت کی تھی۔ عمارہ کا سینہ تن گیا تھا گویا وہ لفظی جنگ جیتنے کے قریب تھی اور ”میرے چاند“ کی اصطلاح کی وضاحت کرنے میں کامیاب رہی تھی۔

”میرا چاند مجھے ہر طرح کا سکھ دینے کے لیے

کر بستہ رہتا ہے۔ میرے آرام و سکون کا خیال رکھنا مجھے گھر داری کی الجھنوں سے محفوظ رکھنا، کچن کی گرمی میں جھلسنے سے بچانا اور اس کے لیے میرے ہر کام کو بناء کہے کر دینا میری سیلری کو مناسب طریقے سے صرف کرنا تاکہ میرے لیے ضروریاتِ زندگی بہم پہنچا سکے ''میرے چاند'' کا کمال ہے اور اسی لیے وہ محض شوہر یا میاں نہیں صحیح معنوں میں میرا شریکِ سفر اور شریکِ حیات ہے۔''

عمارہ نے غوری کی ہر خدمت اجمالاً بیان کر کے تفاخراً اس کی صفات گنوائی تھیں۔ صنوبر اور عالیہ اسے رشک سے تکنے لگی تھیں۔ وہ ہنوز غیر شادی شدہ تھیں اس لیے عمارہ اور دھنک کا لائف اسٹائل ان کے لیے آئیڈیل بنتا جا رہا تھا۔

''تمہاری ہر بات بجا ہے عمارہ! یقیناً ''میرا چاند'' وہی کہلا سکتا ہے جو میرے لیے چاند توڑ کر نہ لائے، بلکہ خود چاند بن جائے۔ اسی لیے تو ''میرے چاند'' نے مجھے دنیا کی ہر راحت فراہم کرنے کے لیے خود کا آرام قربان کر دیا ہے۔ وہ کماتے ہیں اور اپنی سیلری سے مجھے ہر ضرورتِ زندگی مہیا کرنے کی سعی کرتے ہیں، مجھے ہلنا نہ پڑے وہ میرے لیے ملازمین کا بندوبست کرتے ہیں تاکہ میں صرف اور صرف ان کے سکون و اطمینان کے لیے اپنے وجود کو تازہ و شگفتہ رکھوں ناں کہ خود کو گھر داری میں جھونک کر چند لمحوں کی آسودگی کو بوجھ نہ سمجھوں، شریکِ حیات وہی ہے جو حیات کے ہر دورے، ہر گوشے کا ساتھی ہو چاہے گھر داری ہو یا ذرائعِ آمدنی۔''

دھنک نے اتنے صحیح اور فصیح انداز میں اپنا نکتہ نظر واضح کیا تھا کہ وہ تینوں ساکت اسے سماعت کر رہی تھیں۔ عمارہ کے لیے اختلاف کا پہلو تو اپنی سیلری کے جتاتے لفظوں نے ہی حذف کر دیا تھا، کہاں سے وہ یہ فخر لاتی کہ اس کا شوہر شریکِ گھر تو تھا شریکِ آمدنی نہیں اسی کی تنخواہ سے اسی کی ضروریات اور خواہشات پوری کرنے والے چاند نے کبھی اسے اپنی آمدنی کا فخر نہیں بخشا تھا۔

''گویا ''میرا چاند'' تو وہ ہوتا ہے جو خود خدمات کرنے کے چکر میں اپنی صنف کی شان کمانے کو نظر انداز نہ کرے، بلکہ شان سے کمائے اور اپنی جان کو وہ تمام سہولیات بہم پہنچائے جو اس کی زندگی کو جنت بنا دیں خود گھر داری کرنے سے بہتر ہے کہ گھر داری کے ماہرین فراہم کر دے بیوی کو بیڈ پر بٹھا کر خود اس کی سیوا کرنے کے بجائے اس کے لیے خدمت گار مہیا کرے جو اس کی جان کو اس کے چاند کے لیے ریز رو رہنے دیں۔''

صنوبر نے دونوں کی گفتگو سے نتیجہ اخذ کر کے اپنا تجزیہ پیش کیا تھا، عالیہ نے اس کی بھرپور تائید کی تھی۔ دونوں نے باقاعدہ اپنے چاند کے لیے دعائیں کروائیں تھیں۔ دھنک نے ان کے ساتھ میز پر افطار کرتے ہوئے ملازمہ کو سب سمیٹنے کا اشارہ کیا تھا اس کے شوہر کچھ دیر کے لیے شریکِ طعام ہوئے تھے اور تمام وقت ان تینوں سے خوش گپیاں کرنے کے بجائے دھنک کی طرف مائل رہے تھے۔ خود کھانا اس کی پلیٹ میں ڈالنے کے بجائے ملازمہ کو اسے سرو کرنے کا اشارہ کرتے تھے۔ دھنک کو ٹشو پیپر دیتے ہوئے وہ مسرت سے مسکرائے تھے کیونکہ میرے چاند کو اتنی چاہت ہی زیب دیتی ہے۔

عمارہ کی زبان ہی نہیں بند ہوئی تھی وہ انتہائی دلگرفتہ دکھائی دیتی تھی۔ غوری کی تمام خوبیوں کو اس کے نہ کمانے کے عیب نے ڈھک دیا تھا۔ غوری نے اسے ہر خدمت بہم پہنچائی تھی مگر کمائی خرچ کرنے کا فخر نہیں دیا تھا۔ اس کا چاند عام مردوں سے الگ تھا مگر الگ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ شان ہی بھلا دی جائے مرد کی شان تو کمانا ہی ہے۔

......☆......

قمروش شہک

مکمل ناول

خوشبو جیسا پیار

''اماں صرف دوماہ کی تو بات ہے''۔ وہ ضدی لب و لہجے میں کب سے جہاں آراء کا دماغ چاٹ رہی تھی۔

''حد ہے تمہاری شادی کے دن قریب آتے جارہے ہیں اور تمہیں اس فضول سے کورس کی پڑی ہے''۔ جہاں آراء اس کے ضد کرنے سے زچ ہوگئی تھیں۔

''مگر اماں! فائدہ بھی تو ہوگا، اب دیکھیں ناں مجھے اپنا برائیڈل میک اپ باہر پیسے دے کر نہیں کرانا پڑے گا، میں خود اپنا برات کا اور ولیمے کا میک اپ کرلوں گی''۔

''لاحول ولاقوۃ ذہابیہ! نہ تو تمہاری ماں اتنی غریب ہے کہ وہ تمہاری شادی کے میک اپ کے پیسے نہ دے سکے اور نہ ہی تمہاری خالہ اتنی گئی گزری ہیں بلکہ انہوں نے تو ''ماہ روز'' میں تمہارے ولیمے کے میک اپ کی بکنگ بھی کرالی ہے''۔ جہاں آراء نے اسے جتانے والے انداز میں کہا تھا۔ جہاں آراء نے اپنی بڑی سی چادر سنبھالی تھی۔ دروازے پر اسی وقت





کسی نے دستک دی تھی، جہاں آراء آگے بڑھیں اور دروازہ کھولا۔

''السلام علیکم خالہ!'' اکرام نے مسکراتے ہوئے خوشدلی سے سلام کیا تھا

''وعلیکم السلام! جیتے رہو صدا خوش رہو''۔ جہاں آراء نے نہال ہوتے ہوئے اس کے جھکے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تھا۔ اکرام اندر آ گیا تھا اس کے ہاتھ میں کچھ شاپر تھے جو اس نے جہاں آراء کی سمت بڑھا دیا تھا۔

''بیٹا! کیوں اتنا تکلف کرتے ہو''۔ انہوں نے کچھ جھجکتے ہوئے لے لیا۔

''ارے خالہ! اس میں تکلف کی کیا بات ہے، میں صرف آپ کا کوئی ہونے والا داماد ہی تھوڑی ہوں، بھانجا بھی ہوں''۔ جہاں آراء مسکرا دیں، اکرام کو دیکھ کر وہ ہمیشہ سے خوش ہوتی تھیں، اکرام کی شکل میں وہ اپنی اکلوتی پیاری بیٹی ذہابیہ کا روشن مستقبل خوشحال زندگی دیکھتی تھیں۔

''ذہابیہ! یوں کرو کہ آج کڑاہی بنا لو اکرام ہمارے ساتھ ہی رات کا کھانا کھائے گا اور ساتھ مٹر چاول اور کچھ میٹھا بھی بنا لینا''۔ جہاں آراء اپنا جانے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے فروٹ وغیرہ کا شاپر ٹیبل پر رکھ کر اندر کمرے میں چلی آئیں۔ ذہابیہ نے وہ شاپر اٹھائے اور کچن میں چلی آئی، اکرام کو سلام نہیں کیا اور نہ ہی زرینہ (اپنی خالہ ساس) کی خیریت دریافت کی، اکرام نے اس کا بگڑا موڈ دیکھا تو سمجھ گیا کہ یقیناً کچھ گڑبڑ ہے۔

''لگتا ہے لوگوں کی آج ڈانٹ پڑی ہے''۔ اکرام وہیں اس کے پیچھے کچن میں چلا آیا اور فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کے گلاس میں بھر کے پانی پینے لگا تھا۔ مگر جواب ندارد، بلکہ جلدی جلدی فروٹس شاپر میں سے نکال کر باسکٹ میں ڈالے، اس نے دھو کے سوکھنے کے لئے ایک سائیڈ پر رکھ کے چکن دھونے لگی، ہاتھ تیزی سے چلانے لگی، اس نے دس منٹ میں پیاز، ٹماٹر کاٹ کے چکن کڑاہی چولہے پر پکنے رکھ دی تھی۔ جہاں آراء کچن میں چلی آئیں۔

''خالہ! آج ذہابیہ کے منہ پر بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں؟''

''ارے بیٹا! یہ آج ہی نہیں ایک ہفتے سے یہ حال ہے، پیچھے لگی ہے کہ میک اپ سیکھنا ہے کوئی فاؤنڈیشن کھلا ہے دو ماہ کا کورس ہے، اب تم ہی انصاف کرو کہ دو ماہ رہ گئے ہیں شادی کو اور ان کو اپنی خواہش کی پڑی ہے''۔ جہاں آراء کے لب و لہجے میں معمولی سی غصے کی جھلک تھی، اکرام ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''خالہ! اگر ذہابیہ کی خواہش ہے تو کیا ہوا، کر لینے دیں اس کو اس کا شوق پورا''۔ اکرام نے اس کی حمایت میں بات کی تھی۔

''اکرام! نہ کہ تم اس کو سمجھاؤ اسے شہ دے رہے ہو''۔

''خالہ! میں شہ نہیں دے رہا اور پھر دو ماہ ہی کی تو بات ہے، چلیں پک اینڈ ڈراپ میرا مسئلہ ہے''۔

''اس کا مطلب ہے تم اپنی منوا کے رہو گے، ٹھیک ہے جو مرضی چاہے کرو تم بھی اور یہ بھی، میں نہیں بولوں گی اب اس کے معاملے میں''۔ جہاں آراء نے ایک سخت نظر کام کرتی ذہابیہ پر ڈالی اور کچن سے نکل گئیں، اکرام نے جہاں آراء کو جاتے ہوئے دیکھا اور مسکراتے ہوئے ذہابیہ کی طرف بڑھ گیا۔

''اب تو مسکرا دو، خالہ نے اجازت دے دی ہے''۔

''نہیں میں امی کا دل دکھا کے اپنی خواہش اپنا شوق پورا نہیں کروں گی''۔ ذہابیہ روہانسی سی ہو گئی تھی۔

''میں خالہ کو منا لوں گا، وہ تھوڑا غصے میں ہیں مگر تم دیکھنا وہ مان جائیں گی، بہت پیار کرتی ہیں وہ تم سے''۔

''میں جانتی ہوں اکرام! مگر پھر بھی میں ان کو ناراض بھی نہیں کرنا چاہوں گی، چلیں چھوڑیں یہ بتائیے میٹھے

میں کیا کھائیں گے؟'' ذہابیہ نے بات کا رخ ہی موڑ دیا تھا۔
''جو بھی کھلا دو''۔
''پھر ٹھیک ہے دودھ والی سویاں بناتی ہوں''۔ اس نے مسکراتے ہوئے فریج میں سے دودھ کا شاپر نکالا اور سوس پین میں پکنے رکھ دیا، اکرام نے شدت سے اس کی مرجھائی مسکراہٹ محسوس کی تھی۔
اکرام رات کا کھانا کھا کے چلا گیا تھا۔
جہاں آراء اس کے سلے کپڑوں کو پیک کرنے بیٹھ گئی تھیں۔ ذہابیہ نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا۔ جہاں آراء نے کن انکھیوں سے بغور اس کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھا تھا، اکرام نے بتا دیا تھا کہ ذہابیہ نے جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

☆............☆............☆

دوسرے دن اس کی سہیلی فائزہ آ گئی تھی، جہاں آراء بازار گئی تھیں، کچھ سودا وغیرہ لینے یہ تو اچھا تھا کہ ان کے شوہر کی پنشن اچھی خاصی آتی تھی کہ بہت اچھی گزر بسر ہو رہی تھا۔
''اور سنا ایڈمیشن لیا فاؤنڈیشن میں''۔ فائزہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔
''نہیں یار! امی کو پسند نہیں ہے''۔ اس نے نظریں چائے کے کپ پر گاڑ دیں۔
''مگر صرف دو ماہ کی تو بات ہے''۔
''اور ان دو ماہ بعد میری شادی بھی ہے''۔
''ہاں تو کیا ہوا، تیری شادی کی سب تیاریاں تو ہیں ناں، سارے جہیز کے کپڑے سل کر پیک ہو گئے ہیں، برتن، جوتے، جیولری، سب ہی کچھ تو تیار ہے، تجھو فارغ ہی ہو تم تو ان دو ماہ میں برائیڈل میک اپ کا کورس ہی کر لو''۔
''بول لیا''۔ ذہابیہ نے ایک گہری سانس کھینچی۔
''ذہابیہ! کوئی بات ہے اکرام بھائی نے منع کیا ہے؟'' فائزہ نے اس کی سنجیدگی کو محسوس کیا تھا۔
''نہیں بلکہ انہوں نے تو کل خود ہی مجھے اجازت دے دی تھی، مگر امی کا ناراض لہجہ دیکھ کر میں نے خود ہی منع کر دیا''۔
''مگر آنٹی کو کیا اعتراض ہے؟''
''وہ کہتی ہیں کہ دھوپ میں نکلو گی تو کالی ہو جاؤ گی، بارات والے دن روپ نہیں چڑھے گا''۔ اس نے مزاحیہ انداز میں کہتے ہوئے ہنس کے اسے دیکھا تھا۔
''یہ تو رہنے ہی دے، اللہ نے تجھے بنایا ہی اس قدر حسین ہے کہ تیری خوبصورتی کو دھوپ کی تیزی بھی بگاڑ نہیں سکے گی، مجھے تو تجھ میں اور ایشوریہ رائے میں کوئی فرق نہیں لگتا''۔
''اب بس زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں''۔ ذہابیہ نے اپنا اور اس کا خالی کپ اٹھایا اور کچن میں چلی آئی۔
''لو اس میں بھلا بکواس کی کیا بات ہے، یقین نہ آئے تو اکرام بھائی سے پوچھ لے''۔ فائزہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔
''مجھے ان سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ اس نے کپ دھو کے ریک پر لگائے اور اپنے دوپٹے

سے ہاتھ خشک کیے۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے، اچھا ویسے ایک بات تو بتا اکرام بھائی نے کبھی تیری تعریف کی ہے؟" فائزہ نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا جو ذہابیہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

"جی نہیں کیونکہ وہ ان فضولیات میں نہیں پڑتے، ان کے پاس اور بھی بہت سے کام ہیں کرنے کو"۔ ذہابیہ نے ایک چپت اس کے بازو پر لگائی۔

"یہ تو سراسر ناانصافی ہے بلکہ کہا جائے تو زیادتی ہے تیرے ساتھ"۔

"محترمہ فائزہ صاحبہ! کچھ باتیں بعد کے لئے ہی اچھی لگتی ہیں اور میری پسندیدگی کا اندازہ یوں لگائیں آپ کہ مجھے ذہابیہ بچپن سے پسند ہے، اسی لئے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے نام کی مہر ثبت کرنے کی ٹھانی ہے"۔ پیچھے سے اچانک اکرام کی آئی گھمبیر آواز پر دونوں بری طرح اچھلی تھیں، فائزہ تو جی بھر کے شرمندہ ہوئی تھی۔

"السلام علیکم اکرام بھائی!" جھٹ سلام جھاڑا تھا۔

"وعلیکم السلام!" اکرام ہولے سے مسکرا دیا مگر نظریں جھینپی جھینپی سی ذہابیہ پر ہی ٹکی ہوئی تھیں، شرمائی شرمائی سی وہ اس کے دل میں اترتی چلی گئی تھی۔

"وہ میں تو بھول ہی گئی چولہے پر آلو گوشت کا سالن چڑھا کے آئی تھی"۔ فائزہ نے بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔

"اگر آپ کا سکتہ ٹوٹ جائے تو ڈرائنگ روم میں آجایئے امی آئی ہیں"۔ اکرام نے دو قدم آگے بڑھائے اور دھیرے سے سرگوشی کی تھی۔ ذہابیہ نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر دوپٹے کو سر پر ٹکائے اکرام کے سائیڈ سے نکلی تھی۔

"السلام علیکم خالہ جان!" وہ سر پر دوپٹے کو مزید ٹھیک کرتی ہوئی زرینہ کے برابر میں آبیٹھی۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہو خوش رہو"۔ زرینہ نے ذہابیہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔ اکرام ذہابیہ کے بالکل سامنے والے صوفے پر آکر بیٹھ گیا تھا اور نہایت پرشوخ نظروں سے اسے تکنے لگا تھا، ذہابیہ نے نظریں جھکالیں، حیا کی سرخی سے اس کا چہرہ دہکنے لگا تھا۔

"اور بھئی میں نے سنا ہے تم میک اپ کا کوئی کورس کرنا چاہتی ہو"۔ زرینہ نے مسکراتے ہوئے ذہابیہ کو دیکھا۔

"جی... وہ..." اس نے ترچھی نظروں سے جہاں آراء کو دیکھا جہاں غصے کا معمولی سا بھی شائبہ تک نہیں تھا۔

"ہاں بولو... اپنی ماں کو مت دیکھو، مجھ سے بات کرو"۔ زرینہ نے ذہابیہ کی تھوڑی پکڑ کر اپنی سمت گھمائی تھی، ذہابیہ پھر بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

"ذہابیہ...!" زرینہ نے آہستگی سے پکارا تھا، ذہابیہ نے زرینہ کو دیکھا۔

"خالہ جان! امی کو دکھ دے کر میں اپنی خواہش پوری نہیں کرسکتی"۔

"کس نے کہا کہ جہاں آراء کو دکھ ہوگا"۔

"اگر ذہابیہ اپنی خواہش پوری کرنا چاہتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، بلکہ مجھے تو فخر ہے کہ میری بیٹی اتنی سمجھدار ہے جو اپنی خواہش کا گلا دبا کر میری ناراضی کے بارے میں سوچ رہی ہے، میں اجازت دیتی ہوں کہ تم

یہ کورس کرو"۔ جہاں آراء اپنی جگہ سے اٹھیں اور نہال ہو کر ذہابیہ کو گلے سے لگا کر اس کے گال پر پیار کیا تھا۔

"سچ امی!" اس کی چمکتی ہرنی جیسی آنکھوں میں خوشی کے دیپ جل اٹھے تھے۔

"ہاں بالکل سچ، اب یہ اداسی کا غم منانا چھوڑو اور آج ہم سب کو اچھی سی بیف بریانی کھلاؤ"۔ زرینہ نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تھا۔

"میں ذہابیہ کی پسندیدہ مٹھائی اور رس ملائی لے کر آتا ہوں"۔ اکرام نے ذہابیہ کو دلکشی سے دیکھا اور مسکراتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"ہاں اکرام بیٹا! جاؤ جلدی سے اور میری بیٹی کے لئے رس ملائی لے کر آؤ"۔ زرینہ نے کہا اور جو اپنے ساتھ شاپر لے کر آئی تھیں ان میں سے کپڑے نکال نکال کر ذہابیہ کو دکھانے لگیں۔

رات کا کھانا بہت مزے کا بنا تھا، ذہابیہ نے بہت ہی لذیذ بریانی بنائی تھی، بریانی کے ساتھ سلاد اور رائتہ بنا لیا تھا۔ زرینہ اور جہاں آراء کمرے میں اپنی باتیں کر رہی تھیں، ذہابیہ کچن سمیٹ رہی تھی، اکرام بھی وہیں پر تھا اور بغور اس کے خوبصورت ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا، اس کی گوری کلائیوں میں کانچ کی ہری، لال، پیلی چوڑیاں چھن چھن کر رہی تھیں جو اس کی گوری کلائیوں پر بہت جچ رہی تھیں۔

"اب تو خوش ہو ناں تم؟"

"جی بہت زیادہ"۔ سارا کام مکمل ہو گیا تھا، وہ پلٹی تھی چہرے پر خوشی کے دھنک رنگ تھے۔

"تو محترمہ! سب سے پیار وصول کر لیا ہمارا نمبر بھی آئے گا"۔ ذہابیہ نے ناسمجھی کیفیت میں اسے دیکھا تھا جب سمجھ میں آیا اس کی بات کا مطلب تو ڈھیروں شرم نے اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، چہرہ اتنا اناری ہو گیا تھا جیسے ابھی وہاں سے خون چھلک پڑے گا، اکرام نے بغور اس کا چھلکتا رنگ و روپ دیکھا تھا۔

"یار میری ذرا سی بات کہنے پر تمہارا یہ حال ہے تو میں نے اگر کچھ کر دیا تو کیا کرو گی"۔ اکرام کا جاندار قہقہہ اس کے کانوں میں جلترنگ بجا گیا تھا۔

☆............☆............☆

ذہابیہ دوسرے دن فاؤنڈیشن چلی آئی تھی جہاں بلقیس نے اسے ایڈمیشن فارم بھرنے کے لئے دے دیا تھا۔

"یہ لیجئے..." ذہابیہ نے دس منٹ میں فارم بھر کے بلقیس کو تھما دیا تھا۔

"ماما...!" کوئی بارہ تیرہ سال کی پیاری سی لڑکی اندر داخل ہوئی تھی۔

"بس عمیرہ! پانچ منٹ اور جانو"۔ بلقیس نے ذہابیہ کا فارم فائل میں رکھا تھا۔

"واؤ شی از بیوٹی فل، واٹس یور نیم؟" عمیرہ کی نظر ذہابیہ پر پڑی تو تعریف کئے بنا نہیں رہ سکی تھی، ذہابیہ اپنی اس طرح کی بے ساختہ تعریف پر جھینپ کر رہ گئی تھی۔

"ماما! بس آج کا پارٹی میک اپ میں ان پر ٹرائی کروں گی"۔ عمیرہ ذہابیہ کو دیکھتے ہوئے اس کے برابر میں جا بیٹھی۔

"آپ نے بتایا نہیں آپ کا کیا نام ہے؟"

"ذہابیہ..."

"گڈ نیم اور اس کا مطلب کیا ہے؟"

"سونے کی طرح چمکتا ہوا"۔

''واؤ ماما نام کی طرح مینگ بھی بہت خوبصورت ہے''۔

''ہاں...'' بلقیس نے مسکراتے ہوئے ذہابیہ کا خوبصورت چہرہ دیکھا تھا۔

''ماما چلیں پھر... چلیں ذہابیہ آپی'' عیرہ کھڑی ہوگئی۔

''آپ کو اعتراض تو نہیں کہ میں آپ کو آپی کہہ کر پکاروں''۔

''نہیں بالکل بھی نہیں''۔ ذہابیہ مسکرادی، اسے وہ چھوٹی سی پیاری سی لڑکی بہت اچھی لگی تھی۔

کلاس میں ساری لڑکیوں میں ذہابیہ نمایاں تھی، عیرہ نے اس کا پارٹی میک اپ اور ہیئر اسٹائل بنا دیا تھا۔

''واؤ ذہابیہ! بالکل باربی ڈول لگ رہی ہیں آپ تو، آپ کا فیس لک ایشوریہ رائے سے بہت ملتا ہے''۔

کلاس کی ایک لڑکی نے بے دھڑک تعریف کی تھی جس کی سب نے تائید کی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ مس نائلہ!'' عیرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''عیرہ آپ کو تو بہت اچھا میک اپ کرنا آتا ہے، آئی شیڈ، بیس، لپ اسٹک ہر چیز بہت اچھی لگائی ہے''۔

کلاس کی ایک اور لڑکی نے کہا۔

''وہ اس لئے کہ میری ماما نے لندن سے کمپلیٹ میک اپ کا کورس کیا ہے تو تھوڑا بہت میں نے بھی ان سے سیکھا ہے''۔

کلاس میں سب نے ذہابیہ کی تعریف کی تھی، بہت اچھی فرینڈشپ ہوگئی تھی اس کی عیرہ سے... بلقیس نے اور بھی مزید ٹپس دی تھیں، اور بھی کچھ کام کی باتیں بتائیں، وقت کا پتہ ہی نہیں چلا، ٹائم اوور ہوگیا تھا۔

وہ تو اکرام کا فون آیا اس کے موبائل پر تو اندازہ ہوا کہ کتنا ٹائم ہوگیا ہے، وہ سب کو اللہ حافظ کہتی ہوئی باہر نکلی مگر جانے سے پہلے اس نے اپنا چہرہ ضرور دھولیا تھا۔

☆............☆............☆

جہانگیر آفندی راکنگ چیئر پر بیٹھے کوئی میگزین دیکھ رہے تھے جبھی عیرہ آئی اور ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام مائی سویٹ چائلڈ!'' جہانگیر آفندی نے میگزین سائیڈ میں رکھ دیا تھا، عیرہ کے آگے وہ کسی شے کو فوقیت نہیں دیتے تھے۔

''آج کا پہلا دن کیسا رہا؟''

''بہت زبردست، پتہ ہے پاپا! ہماری کلاس میں ایک بہت خوبصورت لڑکی آئی ہے، آج میں نے اس کا پارٹی میک اپ کیا، میں نے تو ماما سے بول دیا کہ ذہابیہ آپی کا لاسٹ کا برائیڈل میک اپ بھی میں ہی کروں گی''۔

وہ بہت خوش تھی۔

''مگر کوئی بھی میری عیرہ بیٹی سے زیادہ خوبصورت نہیں ہوسکتی''۔ انہوں نے اس کے سر پر دھیرے سے ہاتھ سہلایا تھا۔

''پاپا! آئی ایم سیریس آپ چاہیں تو ماما سے پوچھ لیں، ہے ناں ماما، ذہابیہ آپی بہت خوبصورت ہیں ناں، بالکل ایشوریہ رائے کی طرح''۔ اندر داخل ہوتی ہوئی بلقیس سے اس نے تصدیق چاہی تھی۔

''ہاں...'' بلقیس ہولے سے مسکرادیں، انہوں نے کن اکھیوں سے جہانگیر آفندی کو دیکھا جو عیرہ کو دیکھ رہے تھے۔

آج اتنے سال بعد بھی ان کے درمیان ایک سرد سی اجنبیت کی دیوار کھڑی تھی، انہیں یاد نہیں پڑتا کہ کبھی جہانگیر آفندی نے خود سے انہیں پکارا ہو اور پکارتے بھی کیوں، یہ شادی کون سی ان کی پسند کی تھی، ان کی اماں کی فرمائش اور مجبور کرنے پر کی تھی مگر یہ بات انہوں نے پہلی رات ہی باور کرادی تھی۔

''دیکھیے مجھے فی الحال شادی نہیں کرنی تھی، میں اپنا بزنس شہرت کی بہت بلندی پر دیکھنا چاہتا ہوں، میں محبت کی شادی پر زیادہ یقین رکھتا ہوں، میرے دل کا ایک کونہ خالی ہے اور جب بھی کسی عمر میں بھی مجھے میری محبت مل جائے گی میں وقت ضائع کیے بنا اسے حاصل کرلوں گا، مجبوریوں کی کوئی زنجیر میرے قدموں کو روک نہیں سکے گی''۔

پہلی رات کی دلہن سے یہ سب کہنا اس دلہن پر کیا گزرری ہوگی شاید قیامت سے پہلے قیامت آنا اسے ہی کہتے ہیں۔

بلقیس خاموش رہیں اپنے ہونٹوں پر چپ کے قفل ڈال لیے بہت زیادہ ضرورت ہوتی تو وہ جہانگیر آفندی سے مخاطب ہوتیں، عیرہ بھی اماں جان کی خواہش کا نتیجہ تھی، وہ سمجھتی تھیں شاید ان کی طرح ان کی بیٹی کا وجود بھی بے معنی رہے گا، مگر ان کا خیال ان کی سوچ غلط ثابت ہوئی، عیرہ میں تو ان کی جان تھی۔ جس جہانگیر آفندی کو کبھی بلقیس نے مسکراتے ہنستے نہیں دیکھا وہ عیرہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس کی شرارتوں پر مسکراتے تھے۔ وقت گزرتا گیا عیرہ بارہ سال کی ہوگئی، بلقیس نے تو ویسے بھی لندن سے مکمل میک اپ، کمپیوٹر اور بھی مختلف کورسز میں ڈپلومہ لیا ہوا تھا، وہ لوگ اماں کے انتقال کے بعد کراچی شفٹ ہوئے تو بلقیس کا دل کچھ دنوں بعد ہی گھبرانے لگا تو انہوں نے اپنی زندگی میں کوئی پندرہ منٹ جہانگیر آفندی سے بات کی ہوگی۔ جہانگیر آفندی نے بغور بلقیس کو سنا اور ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ایک چھوٹا سا فاؤنڈیشن کھول کر دے دیا تھا۔

☆..........☆..........☆

آج فاؤنڈیشن میں ذرا دیر ہوگئی تھی، بلقیس کچھ ٹپس سکھا رہی تھیں، اکرام باہر کھڑا ویٹ کر رہا تھا، اس کے موبائل پر میسج ٹون بجی۔

''میں باہر کھڑا تمہارا ویٹ کر رہا ہوں جلدی آؤ''۔ اکرام کے میسج پر ذہابیہ کے گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

''کس کے میسج پر آپ اس طرح مسکرائی ہیں''۔ عیرہ کو اس کی مسکراہٹ بہت پسند آئی تھی۔

''میرے فیانسی ہیں وہ باہر کھڑے میرا ویٹ کر رہے ہیں''۔ ذہابیہ کے ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ کھلی تھی۔

''ارے تو ذہابیہ! آپ جائیے ناں، ٹائم تو ویسے بھی زیادہ ہوگیا ہے''۔ بلقیس نے کہا۔

ذہابیہ تھینکس کہتے ہوئے جلدی سے اپنے بیگ میں چیزیں رکھیں اور بیگ کندھے پر ڈال کر باہر نکلی تھی، تھوڑی ہی دور گئی تھی جب سامنے سے شاہانہ اور مغرورانہ چال چلتے ہوئے جہانگیر آفندی سے زبردست تصادم ہوا تھا، اس کے ہاتھ سے رجسٹر جہانگیر آفندی کے مضبوط قدموں کی سلامی دے رہا تھا۔

وقت ٹھہر گیا لمحے رک گئے،
دل دھڑکنا کو کر بھول گیا
سانسیں تھم گئیں۔

دل جو کبھی کسی پری وش کو دیکھ کر یوں نہ دھڑکا تھا آج اس پل اس لمحے سامنے کھڑی اس پری پیکر کو دیکھ کر

یوں دھڑ کا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ ہاں آج دل کا وہ خالی کونہ آباد ہو گیا ہے۔
نگران کی بدلی بدلی حالت کے برعکس ذہابیہ جھکی اور جہانگیر آفندی کے پیروں میں پڑے رجسٹر کو اٹھائے جہانگیر آفندی کو سوری کہہ کر جانے ہی لگی تھی کہ۔بے اختیار ہی وہ ذہابیہ کی راہ میں حائل ہو گئے تھے۔
''کیا نام ہے تمہارا؟''
''جی...'' پہلے تو ذہابیہ یوں جہانگیر آفندی کے اس طرح اچانک سے راہ میں حائل ہونے پر ہی گھبرا کے رہ گئی تھی، مگر پھر اکرام کا خیال آتے ہی وہ تیزی سے سائیڈ سے نکل کر بھاگی تھی، جہانگیر آفندی دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے، وہ بھی اس کے پیچھے گئے مگر وہ جب تک کسی لڑکے کے ساتھ بائیک پر بیٹھ کر جا رہی تھی۔
جہانگیر آفندی کی سوچوں کے دَر کھل گئے تھے، آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہو گیا تھا، وہ واپس اندر کی سمت بڑھ گئے تھے۔
کتنے اسٹوڈنٹس ٹیچرز نے انہیں سلام کیا تھا جن کا وہ اشارے سے جواب دیتے آگے بڑھ گئے تھے۔
''پاپا! آپ آگئے، میں آپ کا ہی ویٹ کر رہی تھی''۔ عمیرہ خوشی سے اچھلی جہانگیر آفندی کے بازوؤں میں سما گئی تھی۔

☆............☆............☆

جہانگیر آفندی راکنگ چیئر پر بیک سے ٹیک لگائے مغرور آنکھوں کو بند کیے کسی گہری سوچ میں غلطاں تھے، بند آنکھوں کی پتلیوں پر وہی سہما سہما گھبرایا ہوا خوبصورت سا چہرہ اپنی شان و شوکت سے جھلملا رہا تھا۔
بلقیس نوٹ کر رہی تھیں جب سے جہانگیر آفندی گھر آئے ہیں کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں، آج کا ڈنر بھی انہوں نے بس برائے نام ہی کیا تھا، وہ بھی عمیرہ کے کہنے پر، اپنی ازدواجی زندگی کے اتنے سالوں میں انہوں نے اتنا تو نوٹ کر لیا تھا کہ جہانگیر آفندی جب اداس ہوتے پریشان ہوتے تو کھانا پینا سب چھوڑ کے بس یہ راکنگ چیئر سنبھال کے گھنٹوں اس پر بیٹھے رہتے، وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ انہیں بیٹھے بیٹھے کتنے گھنٹے گزر جاتے، بالآخر بلقیس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا تھا۔
''پریشان ہیں کچھ اگر کوئی پرابلم ہے تو آپ مجھ سے شیئر کریں''۔ بلقیس کی آواز اور پھر ان کے اس جملے نے جہانگیر آفندی کو گہری سوچوں سے باہر کھینچا تھا، جہانگیر آفندی نے نہایت عجیب نظروں سے بلقیس کو دیکھا تھا اور ایک گہری سانس لیتے ہوئے راکنگ چیئر سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔
''آپ کو لگتا ہے اتنے سالوں میں، میں نے کبھی یہ حق دیا ہو آپ کو کہ آپ میری پرابلم کو ڈسکس کریں''۔ نہایت سرد لب و لہجہ تھا جو بلقیس کے پورے وجود کو خاکستر کر گیا ہو، انہوں نے اپنی نگاہیں جھکا لیں کیونکہ کبھی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ ان سے نظریں ملا کے دیکھ بھی سکیں۔
جہانگیر آفندی نے بغور ان کی جھکی پلکوں کو ناگواریت سے دیکھا تھا، اور پھر بغیر کچھ کہے کمرے سے ہی نکلتے چلے گئے تھے، انہیں بلقیس کا اس وقت ان کی سوچوں میں مخل ہونا سخت ناپسند آیا تھا جس کا اظہار انہوں نے اپنے رویے سے کر بھی دیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد بلقیس اسی جھولتی راکنگ چیئر کو تکتی چلی گئیں۔

☆............☆............☆

اکرام آج ذہابیہ کو آئسکریم کھلانے اسنوپی بار لے کر آیا تھا، دونوں نے اپنی اپنی پسند کے آئسکریم فلور منگوائے تھے۔

''تمہیں پتہ ہے میں نے آج تم کو آئسکریم کیوں کھلائی ہے؟'' اکرام نے ایک بائٹ لیتے ہوئے ذہابیہ کے خوبصورت چہرے کو دیکھا تھا۔

''نہیں''۔ ذہابیہ نے اسپون گلاس میں رکھ کے اکرام کو دیکھا۔

''وہ اس لئے کہ آج سے ہماری شادی کو ایک ماہ رہ گیا ہے''۔

''اوہ...'' وہ جتنے اعتماد سے دیکھ رہی تھی بری طرح جھینپ کے رہ گئی، اکرام کی آنکھوں کی شوخیاں اس کا دل دھڑکا گئیں۔

''کچھ کہو گی نہیں''۔

''کچھ باتیں اپنے وقت پر ہی اچھی لگتی ہیں''۔ اس نے گلاس میں اسپون چلانا شروع کر دیا تھا، چہرہ شرم و حیا کی شدت سے گلنار ہو گیا تھا جیسے ابھی خون چھلک اٹھے گا۔

''تمہاری یہی ادائیں تمہاری شرم و حیا میرا چین و قرار لوٹ کرلے جاتی ہیں، پھر سوچتا ہوں کہ یہ گھڑیاں ختم ہوں گی اور تم میرے سامنے شادی کے سرخ جوڑے میں میرے بیڈ پر ہو گی''۔ اکرام نے بے ساختہ ہی اس کا موی سرخ و سپید ہاتھ تھام لیا تھا۔

''اکرام پلیز...'' اچھا خاصا باتیں کرتے کرتے اکرام نے ایسی دل لبھانے والی باتیں نکال لی تھیں، مگر نہ تو ان باتوں کا وقت ٹھیک تھا اور نہ ہی جگہ۔

''آل رائٹ آئی ایم سوری یار!'' اکرام کو اس کی حالت پر رحم آ گیا تھا۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جس کا اندازہ اکرام کو تھا اس لئے اس نے مزید کوئی بات نہیں کی اور گہری مسکراہٹ لئے اس کو دیکھتا ہوا اپنے آئسکریم کے گلاس پر جھک گیا۔

مگر اسنو پی پار کے شیشے کے اُس پار دو آنکھیں ایسی بھی تھیں، جو اتنی بری طرح جل رہی تھیں جیسے ان میں لال مرچیں بھر دی گئی ہوں، پورا وجود جیسے کسی نے انگاروں پر دھکیل دیا ہو۔ وہ پری وش، جانِ جاں، دلربا و بہار سی لڑکی جو اس کے دل کے دروازے پر بغیر دستک دیئے بغیر اس کی اجازت کے پورے طمطراق سے آ بیٹھی تھی، یوں وہ کسی اور کے ساتھ کیسے ہو سکتی ہے، وہ جو کوئی بھی تھا جہانگیر آفندی کو اس سے شدید قسم کا حسد، نفرت، جلن محسوس ہوئی تھی۔ اس شخص کا اس طرح اُس پری وش کا ہاتھ پکڑنا اور پھر اس کا چہرہ اس کی کسی بات پر سرخ ہو جانا، یہ سب جہانگیر آفندی کو بالکل اچھا نہیں لگا تھا، دل تو چاہا صفحۂ ہستی سے اس شخص کا نام و نشان مٹا دے مگر فی الحال بے بس تھا، ابھی اس کے ساتھ اس کی بیٹی عبیرہ اور بلقیس تھیں جنہیں وہ آئسکریم کھلانے لایا تھا اور پھر بغیر آئسکریم کھلائے زن سے گاڑی آگے بھگا لے گیا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے جذبات کو قابو کیا تھا، بلقیس اور عبیرہ حیرت بھری نظروں سے دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئیں۔

☆............☆............☆

وہ دونوں ایک ساتھ گھر میں داخل ہوئے تو زرینہ اور جہاں آراء دونوں نے ایک ساتھ دونوں کی دل ہی دل میں بلائیں لیں اور ہمیشہ ایک ساتھ رہنے کی دعا کی۔

''السلام علیکم!'' دونوں نے کورس میں سلام کیا جس کا جواب دونوں نے ہی دیا بلکہ زرینہ نے ذہابیہ کو اپنے پاس ہی جگہ بنا کے بٹھا لیا تھا۔

اکرام نے آئسکریم کا شاپر جہاں آراء کے ہاتھ میں تھما دیا تھا، وہ کچن میں سے پیالیاں لے آئیں

"یہ لیجیے آپا!" جہاں آراء نے آئسکریم کی پیالی زرینہ کے ہاتھ میں تھما دی، ذہابیہ اور اکرام کی طرح انہیں بھی آئسکریم بہت پسند تھی مگر جہاں آراء ایک دو چمچے کے بعد نہیں کھاتی تھیں کیوں کہ انہیں آئسکریم خاص پسند نہیں تھی۔

"خالہ! پسند نہیں آئی"۔ اکرام نے ان کی پیالی دیکھی جو انہوں نے واپس ٹرے میں رکھ دی تھی۔

"بیٹا اکرام تم جانتے ہو مجھے آئسکریم خاص پسند نہیں ہے"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اکرام کو دیکھا تھا۔

"مگر خالہ یہ بہت اچھی ہے"۔

"میں جانتی ہوں کہ تم کوئی چیز سستی لاتے بھی نہیں ہو مگر میں پھر بھی نہیں کھاتی"۔

"چلیں ٹھیک پھر آپ کی باقی بچی ہوئی آئسکریم ذہابیہ اور میں آدھی آدھی کھا لیتے ہیں"۔ اکرام نے آئسکریم کی پیالی اٹھائی اور ذہابیہ کی طرف بڑھا دی۔

"لو ذہابیہ تم کھاؤ پھر باقی بچا کر مجھے دے دینا"۔

"مگر میں تو ابھی کھا کے آئی ہوں، آپ کھا لیں ناں"۔

"ارے میرے چاند آئسکریم تو ایسی چیز ہے جو آدھی رات کو سوتے ہوئے بھی اٹھا کر سامنے رکھی جائے تو بندہ تکلف نہ کرے، دنیا میں یہ تمہاری ماں ہی بے وقوف ہے جسے آئسکریم نہیں پسند"۔ زرینہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی پیالی خالی کر کے واپس ٹرے میں رکھ دی۔

ذہابیہ نے ہاتھ بڑھا کر آئسکریم لے لی اور دو تین بائٹ لے کر اکرام کو تھما دی۔

"ایک دوسرے کا جھوٹا کھانے پینے سے محبت بڑھتی ہے"۔ زرینہ نے شرارت سے دونوں کو دیکھا۔

"مگر امی آپ تو جانتی ہیں میری ذہابیہ سے محبت بچپن سے ہی شروع ہوئی ہے اور روز بروز اس میں اضافہ ہی ہوا ہے"۔ اس نے ذہابیہ کو چھیڑا تھا۔ ذہابیہ بری طرح جھینپ کر رہ گئی۔

"اللہ تم دونوں کی محبتوں کی حفاظت کرے، مجھے تمہاری محبت کی خبر ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ذہابیہ تم سے کتنی محبت کرتی ہے مگر وہ تمہاری طرح بے شرم نہیں ہے کہ بڑوں کے سامنے اظہار کرے"۔ زرینہ نے ذہابیہ کو خود سے لگا کر اس کے سر پر بوسہ لیا، جھینپی جھینپی شرمائی ہوئی ذہابیہ کو جہاں آراء نے بہت پیار سے دیکھا تھا، اس کا نصیب بہت خوشحال تھا، یہ سوچ کر ہی آنکھوں اور دل میں ٹھنڈک پڑ جاتی تھی۔

"ارے ہاں یاد آیا جہاں آراء"۔ زرینہ مڑیں۔

"جی زرینہ آپا کہیے"۔

"میں اور اکرام چاہ رہے تھے کہ ذہابیہ اپنی برات اور ولیمہ کا جوڑا خود اکرام کے ساتھ جا کر لے آئے"۔

"زرینہ آپا مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے اچھا ہے دونوں اپنی اپنی پسند سے خرید لیں گے"۔

"چلو ٹھیک ہے پھر مسئلہ ہی ختم"۔

"میں رات کے لیے کچھ پکا لیتی ہوں"۔ ذہابیہ اپنی جگہ سے اٹھی۔

"ارے بیٹا! کہاں چولہے میں خود کو جھونکو گی، آج کا کھانا باہر سے آئے گا، اکرام جاؤ کچھ لے آؤ"۔

"جی امی!" اکرام فرمانبرداری سے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے اکرام! صرف روٹیاں لے آؤ نہاری میں نے چڑھا دی ہے، ذہابیہ صرف بھگار دے لے گی اور شامی کباب بھی میں نے فریج سے نکال دیئے ہیں وہ تل جائیں گے اور سلاد بن جائے گی"۔

"چلیں پھر ٹھیک ہے میں روٹیاں اور کولڈ ڈرنک لے آتا ہوں"۔ اکرام باہر چلا گیا اور ذہابیہ کچن میں چلی آئی۔

☆..........☆..........☆

دوسرے دن اکرام نے اسے فاؤنڈیشن چھوڑا اور خود آفس چلا آیا تھا۔

آج کلاس میں منگنی کی دلہن کا میک اپ کرنا تھا۔ عیرہ نے پہلے ہی اعلان کر دیا تھا کہ وہ ذہابیہ کا میک اپ کرے گی، اسی طرح کلاس کی ہر لڑکی دوسری لڑکی کا میک اپ کر رہی تھی۔ بلقیس باری باری سب کے پاس آ رہی تھیں اور ساتھ بتاتی بھی جا رہی تھیں، جہاں کوئی غلطی کرتا وہ اسے بتا دیتیں۔ کوئی ایک گھنٹے میں سب ریڈی تھیں، سب اپنی اپنی جگہ بہت خوبصورت لگ رہی تھیں، مگر سب نے عیرہ کو دل کھول کر سراہا تھا، ذہابیہ بہت حسین لگ رہی تھی۔

عیرہ کا فون بجا تھا، اس نے فون دیکھا جہاں اس کے آئی فون پر جہانگیر آفندی کا میسج تھا کہ وہ آفس میں بیٹھے ہیں، عیرہ خوش ہو گئی تھی اور ذہابیہ کا ہاتھ تھامے تیزی سے باہر نکلی تھی۔ بلقیس سمجھ گئی تھیں کہ عیرہ کہاں گئی ہے۔

"السلام علیکم ڈیڈی!" عیرہ نے دروازہ کھولا اور ذہابیہ کو اندر لے آئی تھی۔

"وعلیکم السلام مائی چائلڈ!" جہانگیر آفندی کی نظر ذہابیہ پر پڑی تو چند لمحوں کے لئے جیسے بینا ٹائز ہو گئے ہوں۔

"پاپا! یہ دیکھئے میں نے ذہابیہ آپی کا میک اپ کتنا پیارا کیا ہے"۔ جہانگیر آفندی کی حالت سے بے خبر وہ اپنا ہی راگ الاپ رہی تھی جبکہ جہانگیر آفندی کے یوں بنا پلک جھپکائے ٹکٹکی باندھ کے دیکھنے پر ذہابیہ کنفیوژ ہوئی جا رہی تھی۔

"پاپا! بتایئے ناں کیسی لگ رہی ہیں ذہابیہ آپی؟" عیرہ جہانگیر آفندی کی بیک چیئر پر جا کر کھڑی ہو گئی اور دونوں ہاتھ سے ان کے شانوں پر ہار بنا لیا تھا۔

"بہت خوبصورت سب سے حسین..." جہانگیر ایک طلسم کی سی کیفیت سے باہر آئے تھے اور عیرہ کے ہاتھ پر پیار کرتے کھڑے ہوئے، اس دوران عیرہ کا فون بجنے لگا تھا، وہ اپنا فون لے کر باہر نکل آئی، اس کی تقلید میں ذہابیہ بھی اس کے پیچھے جانے لگی کہ جہانگیر آفندی کا پہاڑ جیسا وجود اس کی راہ میں حائل ہو گیا تھا، ذہابیہ تیزی سے پیچھے ہٹی تھی اگر وہ ایسا نہ کرتی تو جہانگیر آفندی کے مضبوط شانے سے ضرور ٹکرا جاتی۔

"ول یو میری می..."

یہ تین لفظ جیسے اس کے کانوں میں کوئی سیسہ پگھلا گئے ہوں، ایسا محسوس ہوا جیسے اس فاؤنڈیشن کے در و دیوار اس کے اوپر آ گرے ہوں، سوچنے سمجھنے اور بولنے کی ساری طاقت مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔

جہانگیر آفندی بغور اس کے چہرے کے ایک ایک نقوش دیکھ رہا تھا، بلکہ جذبات کی یلغار میں بہہ کر اس نے ہاتھ بڑھا کے اس کے رخسار پر اپنی ہتھیلی کی پشت ہولے سے پھیری تھی، ذہابیہ کو ایک ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا ہو، جسم کا رواں رواں کانپ اٹھا ہو، جہانگیر آفندی کے اس ہولے سے لمس نے اسے زمین کی کتنی گہرائی میں بری طرح پٹخ دیا ہو، ذہابیہ خوفزدہ ہو کر تیزی سے سائیڈ سے نکل کر بھاگ جانا چاہتی تھی مگر اس کی موی نازک کلائی جہانگیر آفندی کی چوڑی ہتھیلی میں قید ہو کر رہ گئی تھی، ذہابیہ نے خوفزدہ آنکھوں سے جہانگیر آفندی کو پلٹ کر دیکھا تھا۔

''مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملا''۔

''چھوڑیئے... میر... میرا... ہاتھ...'' لڑکھڑاتی زبان سے کہتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کرنے لگی تھی، ہرنی آنکھوں میں ایک سمندر موجزن تھا۔

''یہ ہاتھ میں زندگی بھر کے لئے تھامنا چاہتا ہوں تو بتاؤ کب آؤں میں تمہارے گھر تمہیں لینے''۔

''یہ نہیں ہوسکتا''۔ وہ مستقل مزاحمت کررہی تھی۔

''کیوں نہیں ہوسکتا''۔

''ذہابیہ...'' بلقیس اندر داخل ہوئیں، سامنے کے منظر نے انہیں جڑ سے ہلا دیا تھا ایسا محسوس ہوا آسمان ٹوٹ کران کے سر پر آگرا ہو، زمین ان کے پیروں تلے سے سرک گئی ہو، وہ ہوا میں معلق ہو کر رہ گئی تھیں، چند پل کے لئے ایک ایک شے ان کے آس پاس گردش کررہی تھی، سر بری طرح چکرا گیا تھا کہ ان کے محبوب شوہر نے جسے پسند کیا تھا، وہ ان کے فاؤنڈیشن میں سیکھنے آنے والی لڑکی ذہابیہ ہے اور وہ جس کی شادی ایک ماہ بعد طے پائی ہے جو اپنے منگیتر سے اور اس کا منگیتر اس سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔

''میڈم!''

جہانگیر آفندی کی گرفت ڈھیلی پڑی تو وہ موقعے کا فائدہ اٹھاتی بلقیس کی طرف بھاگی اور ان کی پشت پر جا چھپی تھی اور سہمی سہمی ڈری آنکھوں سے سامنے کھڑے جہانگیر آفندی کو تکنے لگی جن کے چہرے پر ناگواریت کے رنگ واضح تھے، انہیں شاید بلقیس کا ان کے درمیان آنا پسند نہیں آیا تھا۔

جہانگیر آفندی چلتے ہوئے بلقیس کے نزدیک آکر رکے تھے۔

''میں اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، ہر حال میں ہر قیمت پر''۔

''مگر جہانگیر ذہابیہ کسی کی منگیتر ہے اور ٹھیک ایک ماہ بعد اس کی شادی ہے''۔

جہانگیر چند لمحوں کے لئے خاموش رہے ان کے اندر باہر اس جملے سے کیا اثر ہوا ہے، کچھ بھی واضح نہیں کیا تھا صرف ذہابیہ کی ڈری ڈری خوفزدہ ہرنی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بلقیس کو دیکھا اور بنا کچھ کہے وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے مگر بلقیس کو جانے کیوں ایسا شدت سے محسوس ہوا کہ ان کی آنکھوں میں لکھا ہے کہ ''مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے''۔

''بلقیس میڈم!'' بلقیس کے سکتے کو ذہابیہ کی کانپتی ہوئی آواز نے توڑا تھا۔ بلقیس نے پلٹ کر ذہابیہ کو دیکھا اور دل بھر کے شرمندہ ہوئی تھیں، اس کا چہرہ خوف سے یکدم لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا تھا جیسے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

''کچھ نہیں ہوگا تم فکر مت کرو''۔ انہوں نے ذہابیہ کو خود سے لگا کر تسلی دی مگر لہجہ بہت بجھا بجھا سا تھا شاید یہ تسلی جھوٹی تھی۔

☆..........☆..........☆

وہ جب اپنے بیڈ پر لیٹی تو جہانگیر آفندی کسی دیو ہیکل کی طرح اس کے دماغ پر چھا گئے تھے، ان کی آج کی اس حرکت نے اسے سرتاپا خوف و ہراس میں ڈال دیا تھا۔ بلقیس میڈم کے ہسبینڈ کے بارے میں فائزہ نے اسے سرسری سا ہی بتایا تھا کہ وہ نہایت ہی مغرور اکڑو کسی پر ایک نظر ڈالنا بھی اپنی توہین سمجھتے تھے، تو پھر آج جس جہانگیر آفندی کو اس نے دیکھا وہ کیا ہیں، ایسی کتنی ہی لاتناہی سوچوں میں وہ گھری رہتی کہ اس دوران کب سے

اس کا فون بج رہا تھا، وہ چونک کر اپنے سائیڈ ٹیبل پر رکھے فون کو دیکھنے لگی جہاں اکرام کالنگ اسکرین پر جھلملا رہا تھا، اس کے چہرے پر ایک سکون اور اطمینان کا سا رنگ گہرا ہوا تھا، جہانگیر آفندی کو اپنی سوچوں سے جھٹک کر اس نے مسکراتے ہوئے اکرام کا فون ریسیو کیا۔

☆............☆............☆

''آپ سے ایک بات کرنی تھی''۔ بلقیس جہانگیر آفندی کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں، جہانگیر آفندی جو لیپ ٹاپ پر اپنے آفس کی کچھ فائلز دیکھ رہے تھے، بلقیس کی آواز پر لیپ ٹاپ سے نظر اٹھا کر ایک خاص نظر ان پر ڈالی تھی۔

''جی کہیے''۔

''مجھے ذہابیہ کے متعلق بات کرنی تھی''۔

''میں سن رہا ہوں جاری رکھیں''۔

''ذہابیہ کی شادی ہونے والی ہے وہ اپنے ہونے والے شوہر سے بے انتہا محبت کرتی ہے''۔

''پھر...؟'' بلقیس نے جہانگیر آفندی کا چہرہ بغور دیکھا جہاں کوئی تاثر نہیں تھا۔

''آپ نے دوپہر کو جو بات کہی...''

''کیا یہ اچھا اور بہتر نہیں ہے کہ ہم اس بات کو ڈسکس نہ کریں''۔ جہانگیر آفندی نے بلقیس کی بات کاٹ کر دوٹوک انداز میں بات کی تھی۔

''جہانگیر مجھے آپ کی دوسری شادی سے کوئی اعتراض نہیں ہے، اگر آپ کہیں تو میں خود آپ کے لئے ایک اچھی اور خوبصورت سی لڑکی ڈھونڈ سکتی ہوں''۔ جہانگیر آفندی کے چہرے پر اب بھی کوئی تاثر نہیں تھا۔ ایک سکون کی سی کیفیت تھی جو بلقیس کو اندر تک بے سکون کر رہی تھی۔ جہانگیر آفندی نے ایک سرد سی سانس لی تھی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے گیارہ بارہ سال میں نے آپ کی اجازت کے بغیر ہی گزار دیے، اجازت دیتیں تو میں شادی کرتا ورنہ نہیں''۔ صاف لگ رہا تھا کہ جہانگیر آفندی اس کا مذاق اڑا رہے تھے بلقیس کا تو دل کر رہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں۔

''میرے لئے دوسری، تیسری شادی کرنا کوئی پرابلم نہیں ہے بلقیس بیگم! اس کے لئے میں گیارہ بارہ سال کا انتظار نہیں کرتا، اینی ویز رات بہت ہو گئی ہے آپ جا کر سو جائیں، آپ کو شاید نیند آ رہی ہے''۔ جہانگیر آفندی نے مزید کوئی بات نہیں کی اور پھر سے اپنے لیپ ٹاپ پر جھک گئے تھے، بلقیس وہاں مزید کوئی پانچ منٹ کھڑی رہیں مگر جہانگیر آفندی کو رتی بھر احساس نہیں ہوا تھا۔

☆............☆............☆

وہ دو دن تک فاؤنڈیشن نہیں گئی تھی کچھ جہانگیر آفندی کا خوف بھی تھا اور کچھ دل بھی نہیں چاہ رہا تھا، آج بھی اس کا دل نہیں کر رہا تھا جانے کو، جہاں آراء نے پوچھا تو طبیعت کا بہانہ بنا دیا۔

اکرام کا فون تھا آج شام وہ اور زرینہ اس کے لئے مایوں کا سوٹ لے کر آ رہے ہیں، اس نے صبح سے ہی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ زرینہ اور اکرام کی پسند کے دو تین قسم کے کھانے اور سویٹ ڈش میں کھیر اور فروٹ ٹرائفل بنا لیا تھا۔ شام چھ بجے تک سب تیار ہو گیا تھا۔ اس نے اکرام کا فیورٹ کلر پرپل اینڈ اسکائی بلیو کنٹراس کا کاٹن ایمبرائڈڈ کا سوٹ نکالا جو اکرام نے اسے اس کی سالگرہ پر دیا تھا۔

وہ نہا دھو کر فریش ہو گئی تھی۔ لائٹ سے میک اپ میں اس نے بالوں کو آدھے بالوں میں کلپ لگا کر باقی کھلے چھوڑ دیئے تھے۔ قد آور آئینے میں اس نے خود کو دیکھا تو پیچھے سے ایک عکس پورے طمطراق سے واضح ہوا تھا اس عکس کو دیکھ کر اس کے رخساروں پر لالی سی بکھر گئی، ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ نے گھر کر لیا تھا، اکرام دلکشی سے مسکراتا ہوا اس کے مقابل کھڑا ہوا تھا۔

''آئینہ اتنا سچ نہیں بتائے گا اگر اپنے بارے میں پوچھنا ہی ہے تو مجھ سے پوچھو یا بغور میری آنکھوں میں جھانکو، سچائی خود سامنے آجائے گی''۔ اکرام کی ہلکی سی سرگوشی پر اس کی گھنیری سیاہ پلکیں سرخ عارض پر سجدہ ریز ہو گئی تھیں۔

''ذہابیہ...'' ذہابیہ نے بمشکل پلکوں کی باڑ اوپر اٹھائی تھی۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو''۔

''میں بہت خوش قسمت ہوں جو مجھے آپ ملے ہیں آپ کا ساتھ ملا ہے''۔ اکرام اس کے اقرار پر ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

وہ دونوں کچھ دیر بعد ایک ساتھ کمرے سے باہر آئے تھے۔ زرینہ تو فوراً اٹھی تھیں۔

''ماشاء اللہ! میری بیٹی آج بہت خوبصورت لگ رہی ہے''۔ انہوں نے اسے خود سے لگایا اور اپنے سے لگائے پلنگ پر آ بیٹھیں اور ڈبہ کھول کر مایوں کا ییلو اینڈ پیرٹ گرین دوپٹہ نکالا جس پر الٹی دھنک سے کام ہوا تھا، وہ دوپٹہ کھول کر انہوں نے ذہابیہ کے سر پر ڈال دیا۔

جہاں آراء نے تو ڈبڈبائی آنکھوں کا رخ ہی پھیر لیا تھا مبادا ان کی نظر ہی نہ لگ جائے۔ آنکھوں میں نمی سی تیر رہی تھی۔ اکرام نے انہیں اس طرح اداس دیکھا تو جہاں آرا کے پاس چلا آیا تھا اور ان کو خود سے لگا لیا۔

''اداس ہو گئیں''۔

''نہیں تو ایسی تو کوئی بات نہیں ہے''۔ انہوں نے اپنی بھیگی آنکھیں دوپٹے کے پلو سے صاف کی تھیں۔

''خالہ! آپ یہ مت سوچیے گا کہ ذہابیہ یہاں سے چلی جائے گی تو آپ اکیلی رہ جائیں گی میں آپ کو یہاں اکیلے نہیں رہنے دوں گا، آپ بھی ہمارے ساتھ رہیں گی''۔

''ارے نہیں، میں اپنے گھر کو چھوڑ کے کہیں نہیں جاؤں گی، یہاں ذہابیہ کے بابا کی یادیں زندہ ہیں''۔

''خالو ہمارے دلوں میں بھی زندہ ہیں خالہ، مگر آپ کو یوں اکیلا چھوڑ کے میں انہیں دکھ نہیں دے سکتا، آپ کے لئے ایک خوشخبری ہے کہ مجھے کمپنی کی طرف سے گلشن میں ایک بڑا اور خوبصورت سا بنگلا ملا ہے، وہاں ہم سب ایک ساتھ رہیں گے''۔ زرینہ مسکراتے ہوئے اکرام اور جہاں آراء کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ تو یہ بات خود اکرام سے کہنا چاہتی تھیں مگر اکرام نے خود جہاں آراء سے کہہ کر انہیں خوش کر دیا تھا، کیونکہ جہاں آراء کی فکر انہیں بھی تھی ذہابیہ کے جانے کے بعد وہ اکیلی رہ جائیں گی۔

ذہابیہ نے بھی مشکور نظروں سے اکرام کو دیکھا تھا۔ آج اکرام کی قدر و قیمت محبت عزت دوگنا بڑھ گئی تھی۔

''اچھا اب سارے قصے کو چھوڑیں یہ بتائیں مایوں کا دوپٹہ اچھا لگ رہا ہے ناں''۔ اکرام نے شرارت سے جہاں آراء سے پوچھتے ہوئے ذہابیہ کو دیکھا تھا۔ جہاں آراء مسکرا دیں اور آگے بڑھ کر ذہابیہ کو خود سے بھینچ لیا۔

''ہمیشہ خوش رہو دونوں''۔

''آمین...'' زرینہ نے کہا۔

"یار بہت بھوک لگ رہی ہے اب تو برداشت نہیں ہو رہا"۔ ذہابیہ نے احتیاط سے دوپٹہ اتار کے تہہ کر کے ڈبے میں رکھا اور جلدی جلدی دسترخوان لگایا۔

☆..........☆..........☆

کتنے دن بعد آج وہ فاؤنڈیشن گئی تھی ان اتنے دنوں میں وہ سب بھول گئی تھی اکرام کی سنگت نے اسے اپنے حصار سے باہر ہی نہیں نکلنے دیا جو وہ کچھ اور سوچتی۔ ذہابیہ کو دیکھتے ہی عبیرہ بے ساختہ اس کے گلے سے لگ گئی تھی۔

"کہاں تھیں آپ اتنے دن سے، پتہ ہے کتنا مس کیا ہے میں نے آپ کو؟" بلقیس بھی دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

"وہ دراصل میری خالہ ساس میرے لئے مایوں کا جوڑا لائی تھیں، اکرام بھی کچھ شادی کی شاپنگ کرا رہے تھے تو میں اسی میں بزی تھی"۔ یہ سب کہتے ہوئے کس قدر چمک، خوشی تھی اس کے چہرے پر، وہ یقیناً اکرام سے بے انتہا محبت کرتی تھی مگر... اس مگر کے آگے جو تھا وہ بلقیس سوچنا بھی نہیں چاہتی تھیں، اللہ نہ کرے ان کی خوشیوں کو کسی کی نظر لگے۔

"اوئے ہوئے آپ کے تو مزے آ رہے ہیں"۔ عبیرہ نے اسے چھیڑا جس پر ذہابیہ صرف مسکرا کے رہ گئی تھی۔

"بہت بہت مبارک ہو ذہابیہ آپ کو"۔ بلقیس نے اس کی قسمت پر رشک کیا تھا۔

"بلقیس میڈم! صرف مبارک سے کام نہیں چلے گا آپ دونوں کو میری شادی میں آنا ہے، بلکہ ہر تقریب اٹینڈ کرنی ہے اور اگر اعتراض نہ ہو تو میں عبیرہ کو اپنے ساتھ کچھ دنوں کے لئے اپنے گھر رکھ لوں"۔ ذہابیہ نہیں جانتی تھی کہ بلقیس کیا سوچ رہی ہیں۔

"ضرور ذہابیہ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے"۔ یہ بات انہوں نے صرف اس کا دل رکھنے کو کہی تھی ورنہ وہ جہانگیر آفندی کو بھنک بھی نہیں لگنے دینا چاہتی تھیں۔

"جو شخص اتنے سال تک اپنی محبت کے انتظار میں دن کاٹ رہا تھا آج اگر وہ سامنے آ گئی ہے تو کیا وہ اسے کھو دے گا یا پا لے گا"۔ اتنا بڑا سا سوالیہ نشان ان کے چہرے کے آگے گھومتا رہتا تھا۔

"تھینکس بلقیس میڈم!" ذہابیہ خوشی سے چہکی۔

"ذہابیہ آپی! آپ کا برائیڈل ڈریس آ گیا"۔

"نہیں مگر اکرام کہہ رہے تھے کہ ایک دو دن میں جا کر لے آئیں گے اور اب تو شادی کو بھی صرف ایک ہفتہ رہ گیا ہے"۔

"ذہابیہ! تمہیں نہیں پتہ یہ ایک ہفتہ مجھ پر کتنا بھاری پڑ رہا ہے، جب تک تمہارا نکاح اکرام سے نہیں ہو جاتا میں اسی طرح سولی پر لٹکی رہوں گی، مجھے اپنی تو کوئی پرواہ نہیں ہے صرف تمہاری فکر ہے تم اکرام سے اور اکرام تم سے بے انتہا محبت کرتے ہو، خدانخواستہ تم دونوں کے بیچ جدائی نہ آ جائے"۔ یہ سوچ ہی کتنی تکلیف دہ تھی۔

کلاس شروع ہو گئی تھی سامنے عبیرہ ذہابیہ کے ناخنوں پر کیوٹکس لگا رہی تھی اس کے خوبصورت ہاتھوں کی تعریف کر رہی تھی۔ بلاشبہ ذہابیہ بہت خوبصورت تھی اگر جہانگیر آفندی کی نظر اس ٹھہری تھی تو یقیناً کچھ تو تھا اس میں۔ بلقیس کی سوچیں گہری ہوتی چلی گئی تھیں مگر وہ اپنی سوچوں کو کوئی زبان نہیں دے سکی تھیں، بے بس تھیں۔

بس ذہابیہ کے لئے دعا ہی کر سکتی تھیں۔

اکرام اسے لینے آ گیا تھا، وہ چلی گئی تھی مگر آج بلقیس کا دل کلاس میں نہیں لگا تھا اس لئے انہوں نے لڑکیوں کو کچھ نہیں سمجھایا تھا آج سب لڑکیوں نے ایک دوسرے کی مہندی لگائی تھی۔

☆..........☆..........☆

آج اکرام اسے کراچی کے مہنگے ترین مال لایا تھا جہاں سے وہ اپنا برات اور ولیمہ کا جوڑا لیتی۔

''اکرام اتنے مہنگے مال میں لانے کی کیا ضرورت تھی''۔

''محترمہ! شادی والے دن مجھے آپ کو دیکھنا ہے اس لئے برات کا سوٹ بھی میری پسند کا ہونا چاہئے''۔ اکرام نے جھک کر سرگوشی کی تھی، ذہابیہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔

''اکرام آپ بھی نا، میں تو پیسوں کی وجہ سے کہہ رہی تھی''۔

''اس کی فکر کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ پیسے صرف میں نے تمہارے لئے ہی جمع کر کے رکھے ہیں کہ اپنی ذہابیہ کو اپنی پسند کا شادی کا جوڑا دلاؤں گا، اس لئے اب کوئی سوال نہیں کوئی فکر نہیں اور چلو سوٹ پسند کرتے ہیں''۔ اکرام نے بے ساختہ ہی اس کا ہاتھ نرمی سے تھام لیا تھا اور آگے بڑھے۔

وہاں پر دو آنکھیں ایسی بھی تھیں جن میں مرچیں سی بھر گئی تھیں یہ منظر دیکھ کر اور اکرام کا یوں ذہابیہ کا ہاتھ تھامنا سرتاپا اسے انگاروں پر گھسیٹ کر پھینک گیا تھا، دل شدت سے چاہا کہ اکرام کا ریشہ ریشہ الگ کر دیں، جہانگیر آفندی عبیرہ کے ساتھ یہاں آئے تھے اسے اپنے لئے کچھ شاپنگ کرنی تھی، کچھ ٹی شرٹس جینز وغیرہ جو لے لی تھیں، اب دل چاہا کہ ذہابیہ کے لئے کوئی اچھا سا ایمبرائیڈری سوٹ خریدے اس کی شادی میں گفٹ کرنے کے لئے۔

''پاپا! یہ سوٹ کیسا ہے؟'' عبیرہ نے ریڈی میڈ نیٹ کی فراک کا ہینگر اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا، جہانگیر آفندی...نے چونک کر عبیرہ کو دیکھا۔

''اچھا بلکہ بہت خوبصورت ہے، لے لو''۔ دھانی اینڈ اسکائی بلیو کی بھاری نیٹ کی فراک بہت حسین لگ رہی تھی۔

''پاپا! میں یہ فراک ذہابیہ آپی کو ان کی شادی پر گفٹ کروں گی''۔ جہانگیر آفندی مسکرا دیئے۔

''او کے پیک کرلو، اور یہ بتاؤ تمہاری آخری کلاس کون سی ہے؟''

''برائیڈل کی، پتہ ہے پاپا ذہابیہ آپی کو میں برائیڈل بناؤں گی آخری کلاس میں''۔ وہ خوشی سے بولی تھی۔

''گڈ تو یوں کرو کہ برائیڈل ڈریس بھی خرید لو''۔

''یہ آپ نے ٹھیک کہا پاپا! چلیں پھر آپ سلیکٹ کریں''۔ جہانگیر آفندی کی نظر شیشے کے پاس کھڑی ڈمی پر ٹھہر گئی جس نے ریڈ اینڈ گولڈن خوب گھیر دار والا انگرکھا پہنا ہوا تھا جس پر کام نہایت باریک اور نفیس سا کیا گیا تھا، چوڑی دار پاجامہ جس کے پائنچے کے پاس کام ہوا تھا، نیٹ کا دوپٹہ جس کے چاروں طرف گولڈن اپلک کے ساتھ ریڈ اینڈ گولڈن فینسی کام کیا گیا۔

''یہ لے لو اچھا لگے گا''۔ عبیرہ کو بھی انگرکھا بہت پسند آیا تھا، اس نے فوراً پیک کرا لیا تھا، ساتھ ہی ہم رنگ نازک سی جیولری بھی خرید لی تھی۔

یہاں ان لوگوں نے ذہابیہ کے لئے برائیڈل سوٹ خرید لیا تھا اور اب گھر جانے کی تیاری تھی۔

اور وہاں ابھی تک ذہابیہ اور اکرام سلیکٹ ہی کر رہے تھے۔
کوئی دو گھنٹے بعد ان لوگوں نے شادی کا جوڑا پسند کیا تھا۔ برات اور ولیمہ کی شاپنگ کر کے وہ لوگ گھر آ رہے تھے، راستے میں ان لوگوں نے ہوٹل سے کھانا بھی کھایا تھا۔
ذہابیہ اور اکرام خوشی خوشی گھر میں داخل ہوئے تھے، سامنے ہی جہاں آراء اور زرینہ پلنگ پر بیٹھی تھیں۔
''ہوگئی شاپنگ''۔ زرینہ نے شفقت سے دیکھتے ہوئے دونوں سے پوچھا۔
''جی...'' اکرام نے سارے شاپنگ بیگز ان دونوں کے پاس رکھے۔
شادی کے جوڑے بہت مہنگے اور خوبصورت تھے اور اکرام نے جو ذہابیہ کو منہ دکھائی میں ڈائمنڈ رنگ دینی تھی اس کا بھی آرڈر کر کے آیا تھا۔
''بیٹا یہ تو بہت مہنگے شرارے لگ رہے ہیں''۔ جہاں آراء نے کہا۔
''تو کیا ہوا جہاں آراء! میری بہو سے زیادہ تو نہیں، اللہ میرے بچوں کا نصیب اچھا کرے باقی سب خیر ہے''۔ زرینہ نے ولیمہ کا شرارہ کا دوپٹہ ذہابیہ کے سر پر اوڑھا دیا تھا۔
''ماشاء اللہ دیکھو اب لگ رہا ہے کہ یہ جوڑا کتنا قیمتی ہے''۔ زرینہ نے اس کی بلائیں لیں۔
اکرام بھی مسکرا دیا تھا، ذہابیہ جھینپ گئی، وہ بہت خوش تھی اور اپنی خوش قسمتی پر رشک بھی آ رہا تھا اکرام کی صورت میں ایک بہترین شوہر اس کی زندگی کا حصہ بننے جا رہا تھا، وہ اپنے رب کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔

☆.............☆.............☆

تین دن بعد اس کی مایوں تھی اور آج اس کا کلاس میں آخری دن تھا، اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ فاؤنڈیشن جائے، جہاں آراء بھی منع کر رہی تھیں مگر عبیرہ کا فون آ گیا تھا کہ آج آخری کلاس ہے وہ ضرور اٹینڈ کریں گی۔ وہ منع کرتی رہ گئی مگر وہ ایک نہیں سن رہی تھی۔
''کیا بات ہے کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو؟''
''اماں! میڈم بلقیس کی بیٹی ہے وہ ضد کر رہی ہے کہ آج آخری کلاس ہے وہ ضرور آئے گی''۔
''اچھا...'' جہاں آراء سوچ میں پڑ گئیں۔
''بیٹا! برا مت ماننا مگر جانے کیوں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے، تم بول دو ناں کہ کسی اور کو برائیڈل بنا لے''۔
''اماں! وہ نہیں مان رہی''۔
''چلو پھر یوں کرو جلدی آنا بلکہ میں اکرام کو بول دیتی ہوں''۔
''نہیں انہیں مت بولئے آج وہ ہمارے نئے گھر کی شفٹنگ وغیرہ میں لگے ہوئے ہیں، بہت بزی ہیں، میں آج ایک گھنٹے میں آ جاؤں گی''۔ اور پھر وہ تیار ہو کر چلی گئی۔
جہاں آراء نے بہت دعائیں، حصار کھینچا، آیتیں پڑھ پڑھ کے پھونکیں مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ جب بری گھڑی آتی ہے تو کوئی دعا کام نہیں آتی اور یہی کچھ آج ذہابیہ کے ساتھ ہونے والا تھا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔
وہ فاؤنڈیشن آ گئی تھی۔
''میں کب سے آپ کا ویٹ کر رہی ہوں ذہابیہ آپی!'' عبیرہ ذہابیہ کو دیکھ کر چہکی۔
''اب جلدی سے یہ ڈریس پہنیں''۔ عبیرہ نے ایک بیگ دیا جس میں وہی گھیر دار لہنگا رکھا تھا جو اس نے

جہانگیر آفندی کے ساتھ خرید اتھا اور پھر ذہابیہ کی ایک نہ چلی عبیرہ کے آگے، وہ انگر کھا اسے عبیرہ کی ضد پر پہننا ہی پڑا تھا۔

عبیرہ نے ذہابیہ کو میک اپ کر دیا تھا، ذہابیہ خود کو مرر میں دیکھ کر گھبرا گئی تھی اس نے زندگی میں کبھی اتنا میک اپ نہیں کیا تھا، بلقیس میڈم بولیں۔

''کیا ہوا میک اپ زیادہ لگ رہا ہے''۔

''جی بہت زیادہ''۔ ذہابیہ کے چہرے پر لالی سی بکھرنے لگی تھی، بلقیس نے بغور اس کا سرخ چہرہ دیکھا تھا مگر جب جہانگیر آفندی کا خیال دل و دماغ میں آیا تو ایک سایہ سا ان کے چہرے پر آ کر گزر ا تھا، جہانگیر آفندی اپنے کہے کے پابند ہیں انہیں ان کی بات سے ان کے عمل سے کوئی نہیں روک سکتا، سوائے ان کی ماں کے جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔

''جہانگیر! میں آپ کو کیسے روکوں، آپ کو محبت بھی ہوئی تو کس لڑکی سے جو پہلے ہی اپنے دل میں کسی کو بسائے بیٹھی ہے''۔

''ماما!'' آندھی طوفان کی طرح عبیرہ اندر داخل ہوئی تھی۔ دونوں ہی چونک کر عبیرہ کو دیکھنے لگی تھیں۔

ماما، ذہابیہ آپی کہاں رہ گئی ہیں آپ لوگ، کلاس کب سے آپ دونوں کا ویٹ کر رہی ہے''۔ وہ ذہابیہ کی جانب بڑھی۔

''مگر ذہابیہ آپی! آپ رو کیوں رہی ہیں یہ لو ماما کی بھی آنکھوں میں آنسو ہیں''۔ عبیرہ نے باری باری دونوں کو دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں مائی چائلڈ! ایکچوئلی آج لاسٹ کلاس ہے ناں تو آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کل سے تو ذہابیہ کی شادی بھی شروع ہو جائے گی''۔ بلقیس نے عبیرہ کو بتایا۔

''ارے ہاں ذہابیہ آپی! آپ کا برائیڈل میک اپ اور مہندی میں لگاؤں گی، دیکھئے گا آپ کے ہسبینڈ آپ کو دیکھتے رہ جائیں گے''۔ وہ خوشی خوشی ذہابیہ کے گلے کا ہار بنی تھی جس پر ذہابیہ تو ڈھیرے سے مسکرا دی مگر بلقیس مسکرا بھی نہیں سکی تھیں۔

پوری کلاس کو ذہابیہ کا برائیڈل میک اپ بہت پسند آیا تھا۔

''ذہابیہ آپی! لگتا ہے آپ پر اللہ نے حسن ختم کر دیا ہے، آج تو آپ کو دیکھ کر چاند بھی شرما جائے گا''۔ عبیرہ ذہابیہ کو دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھی، بلقیس کو بھی آج وہ بہت پیاری لگ رہی تھی ایسے ہی تو جہانگیر آفندی کی نگاہ اس پر نہیں ٹھہر گئی تھی۔

کتنی ہی لڑکیوں نے اپنے موبائل پر ذہابیہ کی تصویریں لی تھیں سب نے دل کھول کر ذہابیہ کی تعریف کی تھی بلکہ دو تین لڑکیوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر تمہاری شادی نہیں ہونے والی ہوتی تو میں تمہیں اپنی بھابی بنا لیتی، کوئی اسے اپنی مامی تو کوئی اپنی چچی بنانے کی خواہش کا اظہار کر رہی تھی۔

ذہابیہ تو جھینپی ہی جا رہی تھی ان سب لڑکیوں کے کمنٹس پر، اتنے میں ٹائم بھی آف کا ہو گیا تھا۔

''ارے واہ ایسے کیسے آپ اپنی امی کو نہیں دکھائیں گی کیا؟'' عبیرہ نے ذہابیہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے عبیرہ! مگر میں یہ سوٹ اور اس ہیوی میک اپ میں گھر نہیں جا سکتی''۔

''کیوں... کیوں نہیں جا سکتی ہیں آپ اور کیا پتہ آپ کے ہونے والے ہسبینڈ بھی ہوں''۔ عبیرہ نے

شرارت بھرے لب ولہجے میں کہا تھا۔

''عبیرہ! بہت شریر ہو''۔ ذہابیہ نے ایک ہلکی سی چپت لگائی اس کے سر پہ۔

''او کے میم اللہ حافظ!'' کلاس کی ساری لڑکیاں ایک ایک کر کے جاتی جا رہی تھیں، کلاس میں صرف وہی تینوں رہ گئی تھیں اور عبیرہ مستقل ذہابیہ کی جان کھا رہی تھی، نہ ہی اس نے وہ سوٹ ذہابیہ کو اتارنے دیا تھا اور نہ ہی منہ دھونے دے رہی تھی۔

''ذہابیہ! یہ نہیں مانے گی تم رہنے دو آج ایسے ہی چلی جاؤ''۔ بلقیس نے ذہابیہ کے خوبصورت چہرے کو دیکھا۔

''میڈم! سمجھنے کی کوشش کریں، اس طرح جانا بالکل اچھا نہیں لگے گا، میں مڈل کلاس سے تعلق رکھتی ہوں''۔

''آل رائٹ آئی ایگری، بٹ عبیرہ نے واقعی بہت محنت سے اور بہت خوبصورت میک اپ کیا ہے، تم اسے اپنی امی کو دکھانا اور رہ گئی سوٹ کی بات تو کوئی ایسی بات نہیں، میری طرف سے گفٹ رکھ لو۔ اب ضد چھوڑو تمہیں بھی دیر ہو رہی ہے۔ تم یوں کرو اپنی چادر اس طرح خود پر پھیلا کے چلی جاؤ''۔ بلقیس نے کی اس کی بڑی سی چادر سے اس کا چہرہ اس کا پورا وجود ڈھانپ دیا۔

ذہابیہ پھر کچھ نہیں بولی تھی ایک دل اس کا بھی چاہ رہا تھا کہ سب اس کی تعریف کر رہے ہیں تو ای کو اکرام کو بھی دیکھنا چاہیے۔

وہ عبیرہ اور بلقیس کو اللہ حافظ کہتے ہوئے باہر نکلی تھی، اندر بہت سرشاری سی تھی، اکرام ہو سکتا ہے گھر میں ہی بیٹھا ہو، اصل تعریف تو اس کی ہے جو وہ اس کی کرے گا، آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے اکرام کو سوچتی وہ آگے بڑھی ہی تھی کہ اس کے بالکل ہی قریب گاڑی کے ٹائر چرچرائے، وہ بری طرح چونک کر پیچھے ہوئی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کرتی کسی نے بڑی بے دردی سے اس کی کلائی اپنی مضبوط اور چوڑی ہتھیلی میں جکڑ کر اندر کی سمت گھسیٹا تھا، اس کا سر اتنی زور سے ڈیش بورڈ سے لگا تھا کہ وہ اپنے سارے حواس گنواتی چلی گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

دھیرے دھیرے اس کی آنکھ کھلی تھی، محسوس تو یہی ہوا کہ جیسے وہ کسی نرم و ملائم شے پر لیٹی ہے اس کے اوپر بلینکٹ ڈلا ہوا تھا، اس نے پوری آنکھیں کھول لیں تو سب سے پہلے جو احساس ہوا تھا وہ کمرے میں ہر طرف سرخ، پنک، وائٹ، یلو گلاب کے پھول جن کی خوشبوؤں سے کمرے کی ہر شے مہک رہی تھی اور تو اور جو چیز اس کے اوسان خطا کر گئی تھی وہ تھا بیڈ کو پورا سیج کی طرح سجایا ہوا تھا، وہ تیزی سے اٹھی تھی بلینکٹ کو خود سے یوں الگ کر کے دور پھینکا جیسے وہ کوئی اچھوت ہو، گلاب کی لڑیوں کو ہٹا کر وہ بیڈ سے نیچے اتری تھی، چاروں طرف نظر دوڑائی تھی، کمرے کو پھولوں سے سجایا ہوا تھا یہاں تک کہ نیچے فرش پر بھی لاکھوں کی تعداد میں گلاب کی پتیاں بچھائی ہوئی تھیں جیسے گلاب کی چادر بچھائی گئی ہو۔

''ویلکم مائی سویٹ ہارٹ!'' دروازے سے کوئی اندر داخل ہوا تھا، ذہابیہ ایک جھٹکے سے پیچھے پلٹی تھی، سامنے جہانگیر آفندی کو دیکھ کر اسے اس کمرے کی ہر شے جیسے اپنے سر پر گرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، چند لمحوں کے لیے تو جیسے اس کی ساحرانہ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔

''آ... پ...'' سوکھے ہونٹوں سے یہ دو لفظ بڑی مشکل سے نکلے تھے۔

''جی آپ کا خادم...'' جہانگیر آفندی اس کے قریب چلے آئے تھے اور جھک کر بغور اس کی ساحرانہ آنکھوں میں جھانکنے لگے تھے، ذہابیہ بری طرح گڑبڑا کر رہ گئی اور پیچھے کی طرف ہوئی تھی۔

''آں... ہاں...'' جہانگیر آفندی نے اس کی کلائی پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچی تھی، وہ بھلا نازک سی کہاں جہانگیر آفندی کی طاقت کا مقابلہ کرسکتی، اس لئے کھنچی چلی آئی اور جہانگیر آفندی کے مضبوط وسیع سینے سے آلگی تھی۔

''میں اب اور انتظار نہیں کرسکتا''۔ انہوں نے اس کے دہکتے رخسار پر اپنی انگلیوں کی پشت پھیری تھی۔

''نہیں خدا کے لئے ایسا مت کیجئے، میری شادی ہونے والی ہے مجھے بدنام مت کیجئے''۔

''یہ تو ہے یہ کہ تمہاری شادی ہونے والی ہے مگر کسی اور سے نہیں مجھ سے، وہ بھی ابھی''۔

''یہ... یہ... آپ کیا کہہ... رہے ہیں... ایسا نہیں ہوسکتا''۔ وہ رونے لگی تھی جہانگیر آفندی کی مضبوط گرفت سے خود کو چھڑانے کی پوری جان سے کوشش کررہی تھی مگر ناکام ہی رہی تھی۔

''تمہارے خیال میں تو ہو یہ بھی نہیں سکتا تھا جو ہورہا ہے... خیر چھوڑو ان باتوں کو، یہ باتیں کرنے کے لئے ایک عمر پڑی ہے، جانتی ہو تم اس سوٹ میں کس قدر خوبصورت لگ رہی ہو، اس سوٹ کی قیمت بڑھ گئی ہے، یہ میں نے تمہارے لئے ہی خریدا تھا اور آج تو ویسے بھی میری تمہاری شادی ہے، میں نے ہی عمیرہ سے کہا تھا کہ تمہیں آج کے دن پوری دلہن بنائے جیسا کہ میں چاہتا تھا''۔ جہانگیر آفندی نہایت چاہ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ذہابیہ کے دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔

''اس کا مطلب ہے عمیرہ اپنے باپ کے پلان میں شامل ہے تو کیا بلقیس میڈم بھی...'' اس سے آگے وہ سوچ ہی نہیں سکی تھی۔

''کچھ ہی دیر میں قاضی بھی آجائے گا، تمہیں نکاح نامہ پر دستخط کرنے ہوں گے''۔ جہانگیر آفندی نے اس کو بڑی احتیاط سے خود سے الگ کردیا تھا۔

''باقی کی اپنی محبت وچاہت کی اپنی بے قراری اور بے تابی کی داستان تمہیں نکاح کے بعد سناؤں گا، تم پر اپنا والہانہ پیار اتنا نچھاور کروں گا کہ تمہیں خود پر رشک ہوگا، اپنی قسمت پر ناز ہوگا''۔

''اور اگر میں دستخط کرنے سے انکار کردوں تو؟'' بہت ہمت مجتمع کرکے اس نے کہا تھا۔

''تو بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے میرے لئے، مجھے میری محبت مل گئی ہے میرے لئے یہی کافی ہے، بس فرق یہ ہوگا کہ تمہیں اب عمر بھر میرے ساتھ نکاح کے بغیر اس فلیٹ میں رہنا ہوگا''۔

''آپ میرے ساتھ زبردستی کریں گے؟'' وہ خوف سے سنسنا اٹھی تھی۔

''میری جان! میری محبت نہ تو اتنی سستی ہے اور نہ ہی اتنی گری ہوئی، میں تمہیں یہاں کانچ سے زیادہ نازک گڑیا کی طرح رکھوں گا جس پر معمولی سی بھی دھول نہ ٹھہرے گی''۔ جہانگیر آفندی کے ارادے بہت خطرناک تھے اگر انہوں نے یہ کہا تھا تو یقیناً وہ اپنے کہے پر عمل بھی ضرور کرتے۔

''تم اچھی طرح سوچ لو میرے ساتھ یہاں کیسے رہنا چاہتی ہو، میں یہیں بیٹھ کر تمہارے جواب کا ویٹ کرتا ہوں''۔ جہانگیر آفندی نے مسکرا کے اس کے میک اپ سے مزین خوبصورت چہرے کو بغور دیکھا اور پھر اپنے کوٹ کی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کر سگریٹ کو شعلہ دکھایا۔

ذہابیہ نے صوفے پر براجمان اس بندے کو دیکھا جس نے اسے بہت بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

''اگر میں نکاح کرتی ہوں تو یہ مجھے جانے دیں گے، میں اپنی امی اور اکرام کے پاس واپس جاسکوں گی، میں اکرام کو سب سچ سچ بتا دوں گی، وہ سمجھ جائیں گے کیونکہ انہیں مجھ پر اور مجھے ان پر پورا پورا بھروسہ ہے اعتماد ہے، وہ مجھے اس مشکل سے بچالیں گے، میرا ساتھ دیں گے، انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میرا ہر حال میں ساتھ دیں گے، میرا خیال رکھیں گے، وہ مجھے جہانگیر آفندی سے طلاق بھی دلوا دیں گے لیکن اگر میں نے اس وقت جہانگیر آفندی کی بات نہیں مانی تو میں زندگی بھر اپنی ماں اور اکرام کو دیکھنے سے ترس جاؤں گی۔ مجھے جہانگیر آفندی کی بات مان لینی چاہئے'' ۔ وہ پُرسوچ نظروں سے سامنے شاہانہ انداز میں براجمان جہانگیر آفندی کو دیکھنے لگی، جو وقفے وقفے سے اسموکنگ کررہے تھے اور ان کی گہری روشن آنکھیں ذہابیہ پر ہی ٹکی ہوئی تھیں۔

''میں... آپ سے... نکاح کے لئے... تیار ہوں'' ۔لڑکھڑاتے ہوئے لب ولہجے میں اس نے حامی بھری تھی۔ جہانگیر آفندی نے باقی کا بچا سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا اور کھڑے ہوکر چلتے ہوئے ذہابیہ کے نزدیک آٹھہرے تھے، ان کی گھنی سیاہ مونچھوں کے نیچے عنابی گداز لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ نے گھر کیا تھا۔

''میں جانتا تھا تمہارا جواب یہی ہوگا'' ۔اس کی بھیگی ساحرانہ آنکھوں میں بغور اپنا جھلملاتا عکس دیکھا تھا، ذہابیہ نے لرز کے اپنی پلکوں کی گھنیری باڑ کو بھیگے رخسار پر گرا لیا تھا۔

پھر کوئی پندرہ منٹ ہی لگے ہوں گے ذہابیہ کو ذہابیہ جہانگیر آفندی بننے میں۔ جہانگیر آفندی قاضی اور گواہ کو فارغ کرکے سرشار سا چلتا ہوا بیڈروم میں داخل ہوا تھا۔

ذہابیہ نے وہی چادر اوڑھ لی تھی جو اسے بلقیس نے دی تھی۔

''میں نے آپ کی بات مان لی، اب آپ اپنا وعدہ پورا کریں'' ۔

''بالکل کریں گے مگر اپنی مسز کو صحیح سے دیکھ تو لیں، یقین تو کرلیں کہ ہمیں ہماری محبت مل گئی ہے جس پر ہم اپنا استحقاق جما سکتے ہیں'' ۔ جہانگیر آفندی نے دروازہ لاکڈ کیا اور مڑ کر واپس اس کے پاس آنے لگے تھے۔

''کک... کیا... مطلب...'' وہ پوری جان سے کانپ کر رہ گئی تھی۔

''مطلب بھی سمجھا دیں گے پہلے تم ادھر تو آؤ'' ۔ جہانگیر آفندی نے ایک زوردار جھٹکے سے اس کا لرزتا کانپتا بازو کھینچا، ذہابیہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکی اور اس کے بازوؤں میں بکھرتی چلی گئی، جہانگیر آفندی نے اس کے پھول جیسے نازک وجود کو اپنے دونوں بازوؤں میں اٹھالیا اور بیڈ کی جانب چل دیا تھا، ذہابیہ کی چیخیں اس کا احتجاج رونا بلکنا سب جہانگیر آفندی کی بانہوں میں دم توڑ گیا تھا۔

☆............☆............☆

''اتنی دیر ہوگئی ہے اکرام! مگر ذہابیہ ابھی تک نہیں آئی ہے، وہ تو دوپہر دو بجے تک آجاتی ہے، اب دیکھو شام کے چھ بج گئے ہیں مگر ذہابیہ کا کہیں کچھ پتہ نہیں ہے'' ۔ جہاں آراء کا دل آج صبح سے ہی دھڑک رہا تھا، وہ ذہابیہ کو صبح منع کرنے جارہی تھیں کہ آج مت جاؤ مگر یہ سوچ کر زبان بند کرلی کہ آج آخری کلاس ہے، لیکن اتنا وقت ہو گیا تھا ذہابیہ نہیں آئی تھی فکر میں وہ گھلتی جارہی تھیں۔

''خالہ! آجائے گی، اصل میں آج اس کی آخری کلاس ہے ناں تو ہوسکتا ہے سب لڑکیاں مل کر سیلیبریٹ کر رہی ہوں'' ۔فکر تو خود اکرام کو بھی ہورہی تھی مگر وہ ظاہر کرکے زرینہ اور جہاں آراء کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آج زرینہ اور اکرام ذہابیہ کے لئے کل کے لئے اس کے پہننے کا نکاح کا جوڑا لائے تھے مگر جہاں آراء کو پریشان دیکھا تو جوڑا وہیں رکھ دیا کہ ذہابیہ آجائے تو مل کر دیکھ لیں گے۔

”بیٹا اکرام! تم ایک بار پھر جاکے دیکھ آؤ“۔ زرینہ کی فکرو پریشانی میں ڈوبی آواز نکلی تھی۔
”امی! وہ لڑکیوں کا سینٹر ہے وہاں بوائز کا جانا ممنوع ہے“۔
”پھر بھی گارڈ سے پوچھ لینا“۔
”ہاں اکرام! جاؤ بیٹا ذہابیہ کو لے آؤ میرا تو دل بیٹھا جارہا ہے“۔ جہاں آراء اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئیں ان کے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے۔
”ٹھیک ہے آپ پریشان مت ہوں میں ایک بار پھر ہو کے آتا ہوں“۔ اکرام کھڑا ہوا تھا جیسے ہی جانے کو قدم بڑھائے سامنے دروازے پر کھڑی ذہابیہ کو دیکھ کر قدم ساکت و جامد ہو کر رہ گئے تھے۔
”ذہابیہ!“ اکرام کی آواز پر پریشان سی جہاں آراء تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔
”ذہابیہ! میری بچی کہاں رہ گئی تھی“۔ جہاں آراء نے اسے تڑپ کر اپنے سے لگایا تھا۔
اکرام بھی آگے بڑھا مگر اس کی یہ قبر سی گہری خاموشی کسی انہونی کے ہونے کا پتہ دے رہی تھی، جہاں آراء کو بھی محسوس ہوا وہ اتنی چپ کیوں ہے، جب اسے خود سے الگ کیا اور صحیح سے دیکھا تو اس کا حلیہ بالکل بدلا ہوا تھا، سرخ رنگ کا سوٹ ڈارک میک اپ جو رونے کی وجہ سے جگہ جگہ سے مٹا ہوا تھا۔
”ذہابیہ! تو ٹھیک تو ہے ناں؟“ انہوں نے اس کا اوپر سے نیچے تک کا جائزہ لیا تھا اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا، جہاں آراء نے جلدی سے وہ لیا تھا اور پڑھنے لگیں تو ایسا لگا ان کا پورا وجود سرد پڑنے لگا ہو، آنکھیں پتھرا سی گئی ہوں، اکرام کو ان کی حالت ٹھیک نہیں لگی تھی، وہ ان کے نزدیک آیا۔
”خالہ...!“ اکرام نے دھیرے سے پکارا تھا، جہاں آراء کے ہاتھ سے وہ کاغذ زمین پر گر گیا تھا۔ اکرام نے پہلے ساکت و جامد کھڑی ذہابیہ کو دیکھا پھر ساکت سی خالہ کو دیکھا اور زمین پر پڑا کاغذ اٹھا کے پڑھنے لگا اور نظریں جیسے جیسے سطر پڑھنے لگیں حیرانی، غصہ، سوالات کیا کچھ نہیں تھا اکرام کی نظروں میں۔
”ذہابیہ...!“
جہاں آراء جیسے نیند سے بیدار ہوئی تھیں انہوں نے ایک زوردار طمانچہ ذہابیہ کے نا صرف منہ پر مارا بلکہ اس کو پورا جھنجھوڑ کر اسے پیٹنا شروع کر دیا تھا۔
”یہ کیا کیا تو نے ذہابیہ! مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا، تو نے تو مجھے جیتے جی مار دیا، اس سے اچھا تھا کہ میں تیرا پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ کے مار دیتی، یا اگر تو نے یہ کام کیا ہی ہے تو یہاں کیوں آ گئی، مر جاتی کہیں جا کے، اسی کے ساتھ جس کے ساتھ مل کر تو نے اپنا منہ کالا کیا ہے“۔ جہاں آراء تڑپ تڑپ کے رو رہی تھیں اور ساتھ اسے بے رحمی سے مار رہی تھیں نوچ کھسوٹ رہی تھیں۔
”امی! میری بات تو سن لیں آپ“۔ وہ روتے ہوئے بولی تھی۔
”بکواس بند کر“۔ جہاں آراء نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ مار کے چپ کرا دیا تھا۔
”یہ تم نے کیا کیا ذہابیہ! کل ہماری شادی تھی اور تم نے آج کسی اور سے نکاح کر لیا، میں تو تمہارا کل کے پہننے کے لئے نکاح کا جوڑا لایا تھا مگر تم نے تو سب کچھ ختم کر دیا“۔ اکرام کی دکھ و غصے سے ملی جلی آواز نے ذہابیہ کو مزید زمین میں زندہ دھنسا دیا تھا۔
”اکرام! آپ تو مجھے سمجھنے کی کوشش کریں“۔ اس نے تڑپ کر اکرام کو دیکھا تھا۔
”کیا سمجھنے کی کوشش کریں ہاں، کتنا بھروسہ اور اعتماد کیا تھا تم پر میں نے“۔ زرینہ تخت سے اٹھ کر اکرام کے

پاس آئی تھیں۔

"تم میری ہی نہیں میرے بیٹے کی بھی خواہش تھیں، کتنی چاہ سے لے کر جا رہی تھی میں تمہیں پھولوں کی طرح رکھتی، مگر تم نے اپنی ماں کی عزت کی ذرا بھی لاج نہیں رکھی، اگر اس شادی سے انکار کرنا تھا یا اکرام تمہیں ناپسند تھا تو پہلے ہی بتا دیتیں، یوں شادی سے ایک دن پہلے کسی اور سے نکاح کر کے آنا تو ہماری عزتوں کا جنازہ نکالنا ہوا"۔ زرینہ نے گھور کر دیکھا تھا۔

"خالہ! وہ بات نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں"۔

"تمہارا اس طرح دلہن کی طرح سج سنور کر وہ بھی نکاح نامہ کے ساتھ آنا اور کیا معنی رکھتا ہے اور کیا سمجھیں ہم اس بات کو"۔

"میں نے کتنا منع کیا تھا کہ دو ماہ رہ گئے ہیں شادی کو، گھر میں بیٹھو مگر اب سمجھ میں آیا کہ کیوں تم جانے کو بضد تھیں، جانے کب سے یہ سارا چکر چل رہا ہے"۔ الزامات کی تو جیسے بوچھاڑ کر دی گئی تھی اس پر، مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم ٹھہرا دیا تھا ان لوگوں نے، کوئی بھی اس کا سچ سننے کو تیار نہیں تھے اسے صفائی میں کچھ کہنے ہی نہیں دے رہے تھے۔

"تو تم نے جہانگیر آفندی سے نکاح کیا ہے"۔ اکرام نے نکاح نامہ پر جہانگیر آفندی کا نام پڑھا تھا۔

"تم جانتے ہو اس آدمی کو؟" زرینہ نے اکرام کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"جانتا تو نہیں مگر بہت سنا ہے ان کے بارے میں، بہت بڑے بزنس ٹائیکون ہیں کروڑوں پراپرٹی کے مالک، کسی سے ملنا تو در کنار بات تک کرنا پسند نہیں کرتے، ہوں... شاہانہ شخصیت کے مالک، بینک بیلنس، فیمس بزنس ٹائیکون اور سب سے بڑی بات کہ میرڈ اور ایک 12، 13 سال کی بچی کے باپ"۔ اکرام نے نہایت طنز بھری مگر کڑی نظروں سے ذہابیہ کو دیکھا تھا۔

"اور جو کچھ جہانگیر آفندی ذہابیہ کو دے سکتا ہے وہ سب بھلا میں کہاں دے سکتا ہوں، لگژری لائف، نام، شہرت، پیسہ، بینک بیلنس یہ سب میں ذہابیہ کو نہیں دے سکتا خالہ!" تیر پر تیر مار کر اکرام اس کا وجود ہی نہیں اس کی روح بھی چھلنی کر رہا تھا۔

"اکرام..."

"منہ بند کر اپنا..." جہاں آراء نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا۔

"ذہابیہ! یہ سب سن کر میں مر کیوں نہیں جاتی بے غیرتوں کی طرح زندہ کھڑی ہوں"۔ جہاں آراء نے اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا تھا۔

"جہاں آراء! تمہاری بیٹی نے بہت اونچا ہاتھ مارا ہے، ہم نے تو اچھا ہی سوچا تھا مگر تمہاری بیٹی کے تو خواب ہی اونچے نکلے"۔ زرینہ نے طنزیہ مسکراہٹ سمیت بولا تھا، ذہابیہ صرف دیکھ کر رہ گئی تھی، کوئی اس کی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔

"اب تم رو پیٹ کے اپنا دل اور خون کیوں جلاتی ہو، تمہاری بیٹی نے تو اپنا کر کام دکھایا مگر ہم تو اپنی عزت لے کر بیٹھے ہیں کل نکاح ہے میرا پورا سسرال کل میرے گھر آ جائے گا، میں کیا جواب دوں گی سب کو... یہ شادی کیسے روکوں"۔ جہاں آراء نے شرمندہ نظروں سے اپنی بڑی بہن کو دیکھا تھا۔

"شادی کیوں رکے گی امی، شادی ہوگی اور کل ہی ہوگی"۔ اکرام نے جہاں آراء کو دکھ سے دیکھنے کے بعد

زرینہ کو دیکھا تو زرینہ نے ناسمجھ انداز میں اکرام کو دیکھا، اتنی جلدی وہ بھی کل کون دے گا اپنی لڑکی۔ اور کیا کیا سوالات کیے جائیں گے، وہ سوچ سوچ کر ٹینس ہو رہی تھیں۔

''مگر اکرام! اتنی جلدی اور کل وہ بھی... کیسے؟''

''پھپھو کی بیٹی روحا سے''۔

''روحا سے...'' زرینہ نے حیرت بھری نظروں سے اکرام کو دیکھا کیونکہ وہ اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ روحا اکرام کو سخت ناپسند ہے۔

''مگر اکرام! تمہیں تو روحا ذرا بھی پسند نہیں ہے بیٹا!'' انہیں اپنے جگر گوشے پر ترس آ رہا تھا۔

''تو کیا ہوا امی! وہ تو مجھے پسند کرتی ہے بلکہ ٹوٹ کر محبت کرتی ہے، اور ویسے بھی شادی اس سے کرنی چاہیے جو آپ سے محبت کرے، جبھی آپ کی قدر بھی ہو گی اور عزت و احترام بھی۔ اور شاید نہیں بلکہ یقیناً وہ ہمیں دھوکا بھی نہیں دے گی''۔ آخری بات اس نے ذہابیہ کو دیکھ کر کہی تھی۔ ذہابیہ تڑپ کر رہ گئی تھی۔

''آپا! مجھے معاف کر دیں آج میری اپنی اولاد نے میرا سر شرمندگی سے جھکا دیا ہے، مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے''۔ جہاں آراء نے روتے ہوئے زرینہ کے آگے ہاتھ جوڑے اور سسکتے ہوئے معافیاں مانگنے لگیں۔

''تم کیوں معافی مانگتی ہو جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا، تمہاری بیٹی کو جو کرنا تھا کر دیا، ہمیں ہماری محبتوں کا اچھا صلہ دیا ہے''۔ زرینہ نے جہاں آراء کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

''خدا کے لئے آپ لوگ مجھے یوں بغیر صفائی سنے اس طرح سزا مت دیجیے''۔ ذہابیہ کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ خود کو جان سے مار لے، ختم کر لے، مگر زندگی یوں بے بس بھی ہو سکتی ہے سوچا نہیں تھا۔

زرینہ نے بس ایک نفرت کی نگاہ ڈالی تھی۔

''امی! میں باہر آپ کا انتظار کر رہا ہوں''۔ اکرام بغیر ذہابیہ کی طرف دیکھے اس کی سنے وہاں سے چلتا چلا گیا۔

''میں چلتی ہوں''۔

''آپا! آپ مجھے چھوڑ دیں گی اس دنیا میں میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے''۔ جہاں آراء نے جاتی ہوئی زرینہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''نہیں میں تمہیں بھلا کیسے چھوڑ سکتی ہوں، میرے میکے میں ایک تم ہی تو ہو فکر نہیں کرو میں تمہاری ہر روز فون پر خیریت لیتی رہوں گی مگر...'' انہوں نے روتی بلکتی ذہابیہ کو دیکھا اور پھر ایک سرد سانس لے کر جہاں آراء کو دیکھا تھا۔

''اس گھر میں جب تک ذہابیہ ہے میں یہاں ایک قدم بھی نہیں رکھ سکتی، میرے بیٹے کے خواب چکنا چور ہوئے ہیں، اس کا دل ٹوٹا ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ روحا سے کس دل سے شادی کر رہا ہے، کیونکہ شادی کر کے نہ تو وہ خوش رہ پائے گا اور نہ ہی روحا کو رکھ سکے گا، یہ شادی سمجھوتے کے علاوہ کچھ نہیں ہو گی۔ وہ اگر روحا کے ساتھ زندگی گزارے گا اسے خوش رکھنے کی اس کی خواہش پوری کرے گا تو صرف میری وجہ سے... اور یہ سب صرف اور صرف تمہاری بیٹی ذہابیہ کی وجہ سے ہو گا''۔ انہوں نے غصے بھری نظر ذہابیہ پر ڈالی تھی اور ایک دو قدم بڑھتی ہوئی اس تک آئی تھیں۔

"لیکن میں دل سے یہ دعا کروں گی کہ اکرام کے دل سے تمہاری معمولی سی پرچھائی بھی مٹ جائے"۔ وہ پھر وہاں رکی نہیں تھیں باہر نکل گئیں۔

جہاں آراء منہ پر دوپٹہ رکھ کر ہچکیوں سے روتی ہوئیں اندر کمرے میں جا کر دروازہ اندر سے لاک کر لیا تھا، ذہابیہ بھی ان کے پیچھے بھاگی مگر اندر نہیں جا سکی تھی۔

"امی! دروازہ کھولیں پلیز! امی آپ کو میری قسم ہے دروازہ کھولیں، میری بات تو پوری سن لیں اس طرح مجھے سولی کے تختے پر مت لٹکائیں، اللہ کا واسطہ امی دروازہ کھولیں"۔ وہ دروازے کی چوکھٹ کو پکڑے پکڑے بیٹھتی چلی گئی تھی مگر جہاں آراء نے تو جیسے اپنے کان ہی بند کر لئے تھے، کوئی صدا، کوئی پکار اس کا بلکنا ہچکیوں سے زار و قطار رونا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا، اپنے غم کے آگے اس کا غم کچھ نہیں تھا۔

☆..........☆..........☆

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا جہانگیر! کل اس کی شادی تھی اور آپ نے آج اس سے نکاح کر لیا، ذہابیہ کے گھر میں شادی کی خوشیاں ہوں گی، مہمان آئے ہوں گے، وہ یہ سب کیسے فیس کرے گی، آپ نے اسے ہی نہیں اس کی ماں کو بھی بدنام کر دیا، گھر والے رشتے دار سب کا کیسے سامنا کرے گی وہ... آپ نے تو اسے جیتے جی مار دیا جہانگیر!" آج پہلی بار بلقیس نے جہانگیر آفندی کے سامنے آواز اٹھائی تھی، انہیں اس بات کی کوئی جلن اور حسد نہیں تھی کہ مقابل ذہابیہ ہے، فکر تھی تو اس بات کی کہ کل اس کی شادی ہے اور جہانگیر آفندی نے آج ہی اس کو اپنے سب گھر والوں رشتے داروں کے آگے کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا۔ ذہابیہ اگر اپنے کزن کو پسند نہیں کرتی اس کی شادی نہ ہونے والی ہوتی تو انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا، بلکہ اگر ذہابیہ کے بجائے کوئی بھی لڑکی ہوتی انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا مگر... نہیں... ذہابیہ کے ساتھ یہ ناانصافی غلط تھی۔

"یہ غلط ہے جہانگیر یہ سراسر ناانصافی ہے"۔ ان کی افسردہ آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے تھے۔

"بول لیا یا کچھ اور بھی کہنا ہے"۔ سرد آنکھوں میں سختی اور لہجہ سپاٹ تھا۔

"جی..."

"میں نے کیا غلط کیا ہے کیا صحیح، کس کے ساتھ انصاف کیا ہے اور کس کے ساتھ ناانصافی، ان سب کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق میں نے آپ کو کبھی نہیں دیا ہے"۔ جہانگیر آفندی نے بلقیس کی بات کاٹ دی تھی۔

بلقیس صرف انہیں دیکھ کر ہی رہ گئیں، زبان تو پہلے بھی کبھی نہیں کھولی تھی ان کے آگے، اب اگر کسی معصوم لڑکی کے دفاع کے لئے کچھ کہا بھی تو بے عزتی کے سوا کچھ نہیں ملا تھا۔ اپنی چودہ سالہ ازدواجی زندگی میں انہیں کبھی یاد نہیں پڑتا کہ انہوں نے جہانگیر آفندی سے کبھی فرمائش تو دور کبھی کوئی شکوہ شکایت بھی کی ہو گی۔

"اور رہ گیا ذہابیہ کا نکاح، اس کے گھر رشتے دار وغیرہ تو مجھے اس کے گھر والوں سے کوئی مطلب نہیں ہے، مجھے اپنی محبت اپنی پسند مل گئی، سو اسے حاصل کر لیا، ذہابیہ کو میں نے نکاح نامے سمیت اس کے گھر ڈراپ کر دیا ہے، کل جا کر تم اسے یہاں لے آنا، مجھے ذہابیہ اس گھر میں شام کو ملنی چاہئے"۔ انہوں نے اپنا فیصلہ سنا کر سگریٹ نکال کر اپنے ہونٹوں میں دبائی اور لائٹر سے ایک شعلہ دکھایا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جہانگیر! مجھ سے یہ نہیں ہو گا"۔

"بس..." جہانگیر آفندی نے ہاتھ کے اشارے سے بلقیس کو مزید بولنے سے روک دیا تھا اور ایک گہرا کش لگا کر بلقیس کو دیکھا تھا۔

''جتنا کہہ دیا اس پر عمل ہو جانا چاہئے آگے میں کچھ نہیں کہوں گا''۔ انہوں نے موبائل نکالا اور اس میں اپنے منیجر کا نمبر ڈائل کرنے لگے تھے۔ بلقیس دکھ بھری نظر ڈال کر رہ گئی تھیں اور سب سے زیادہ انہیں ذہابیہ کی فکر لاحق ہو گئی تھی، وہ بے چاری تو مر ہی گئی ہو گی۔

''یہ کس امتحان میں ڈال دیا آپ نے جہانگیر! ذہابیہ کو بھی اور مجھے بھی''۔ وہ خود سے ہی بولیں اور چند موتی ٹوٹ کر ان کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

☆............☆............☆

وہ صبح تک وہیں دروازے سے ٹیک لگائے بیٹھی رہی تھی مگر جہاں آراء نے دروازہ نہیں کھولا۔

''کھٹک'' کی آواز پر ذہابیہ کی آنکھ کھلی تھی، وہ تیزی سے کھڑی ہوئی تھی۔

''امی...!'' ذہابیہ جہاں آراء کے گلے سے لگی تھی مگر جہاں آراء نے اسے خود سے الگ نہیں کیا تھا، وہ بہت پرسکون تھیں مطمئن تھیں، کل جس قدر غصے میں تھیں بپھری ہوئیں سمندر جتنا جوش میں تھا وہ سارا ابال جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

''امی! کیوں کر رہی ہیں اس طرح میرے ساتھ، مت کریں ایسا سلوک مجھ سے، میں مر جاؤں گی، خدارا میری پوری بات سن لیں''۔ وہ جہاں آراء سے الگ ہوئی تھی اور انہیں دونوں شانوں سے تھام لیا تھا۔

''جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب میں اس سلسلے میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی، اس لئے جاؤ چینج کر و کپڑے منہ ہاتھ دھو کر آؤ میں ناشتہ بنا رہی ہوں مل کر کرتے ہیں''۔ جہاں آراء کا لب ولہجہ ہی نہیں انداز بھی نہایت پرسکون اور ٹھنڈا تھا۔ ذہابیہ چونک کر رہ گئی تھی مگر بات کو مزید بڑھانے سے بہتر تھا کہ ان کی بات مان لے۔

وہ بغور ایک نظر ذہابیہ کو دیکھتی ہوئی کچن میں آ گئی تھیں۔ ذہابیہ بھی کمرے میں چلی آئی، الماری سے ایک کاٹن کا ریڈ اینڈ بلو امتزاج کا تھری پیس سوٹ نکالا اور واش روم میں جا بند ہوئی اور خوب رگڑ رگڑ کر نہائی تھی۔ شاور کے آگے کھڑی اس نے اپنا چہرہ اچھی طرح سے رگڑ رگڑ کر دھویا تھا اور جہانگیر آفندی کو سوچ سوچ کر خوب روئی تھی، ایک ایک منظر اس کی آنکھوں کی پتلیوں پر کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا، جہانگیر آفندی نے اس کے چہرے کے ہر نقش پر اپنی والہانہ و بے قرار محبت کی کہانی رقم کی تھی، اس کے جسم کے ایک ایک حصے پر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے لاتعداد چیونٹیاں رینگ رہی ہیں۔

''جہانگیر آفندی! تم نے مجھے برباد کر دیا، اللہ تمہیں برباد کرے''۔ وہ دیوار سے دونوں ہاتھ ٹکائے زار و قطار رو دی تھی۔

کوئی آدھے پون گھنٹے بعد وہ نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر باہر نکلی تھی، چارپائی پر جہاں آراء اس کے لئے ناشتہ تیار کر کے بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھیں، وہ مجرموں کی طرح سر اور نگاہ جھکائے بے بسی کی چال چلتی ہوئی چارپائی پر آ بیٹھی تھی، جہاں آراء نے اس کے آگے چائے کا کپ رکھا اور پراٹھا اور آملیٹ تھوڑا اور آگے کھسکایا تھا۔

''چلو بسم اللہ کرو''۔ جہاں آراء نے پراٹھے کا ایک لقمہ توڑا اور آملیٹ کا ایک پیس توڑ کر کھایا، بھوک تو تھی ہی نہیں وہ ایسی حالت ایسی ذہنی ٹینشن سے گزر رہی تھی کہ دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا کہ ناشتے کی طرف دیکھے بھی، نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں سے موتی کی طرح آنسو ٹپکنے لگے تھے، جہاں آراء ایک لقمہ توڑ کر اس کے منہ کی طرف لے کر گئیں۔

"کھاؤ..."

"امی...!" وہ سسک اٹھی تھی۔

"اس طرح رو کے اور بھوکی رہ کے صرف میرا دل دُکھا رہی ہو"۔ جہاں آراء نے نوالہ اس کے منہ میں ڈال دیا تھا اور ایک ایک کر کے نوالہ بنا بنا کے پورا آملیٹ اور پراٹھا اسے کھلا دیا تھا۔ ذہابیہ نے برتن اٹھائے اور کچن میں آ گئی تھی۔

"خالہ...!" اکرام آیا تھا جہاں آراء نے ہی دروازہ کھولا تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے نہایت ادب سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" جہاں آراء نے نرمی سے جواب دیا تھا۔

"خالہ! میں آپ کو لینے آیا ہوں آج میرا نکاح ہے ساتھ مایوں کی رسم بھی اور امی نے بھی آپ کو بلوایا ہے کہ آپ کو ساتھ لے کر آؤں"۔ اکرام چارپائی کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

ذہابیہ اکرام کی آواز سن کر برتن چھوڑ کر کچن کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ جہاں آراء نے ذہابیہ کو دیکھا پھر اکرام کو... اور ایک سرد سانس لے کر اکرام کو دیکھ کر بولنے لگیں۔

"بیٹا! میں شام تک آ جاؤں گی"۔

"خالہ! ابھی چلتیں آپ"۔

"نہیں چاند! میں شام میں تیار ہو کر آ جاؤں گی"۔ زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی تھی۔

"بلکہ تم یہیں رکو میں ابھی آتی ہوں"۔ جہاں آراء کمرے میں آ گئی تھیں۔

ذہابیہ نے جہاں آراء کو جاتے ہوئے دیکھا پھر اکرام کو جو اب اسے ہی دیکھ رہا تھا، نظروں کے اس تصادم نے ذہابیہ کو نظر جھکانے پر مجبور کر دیا تھا، اکرام اٹھا اور چلتا ہوا ذہابیہ سے تھوڑے فاصلے پر آ رکا تھا۔

"زندگی بھر اسی بات پر پچھتاؤ گی کہ میں نے تم سے محبت کی تمہیں چاہا، مگر مجھے یقین ہے کہ روحا کی محبت اس محبت پر ایک نہ ایک دن ضرور حاوی ہو جائے گی لیکن دل کا ایک کونا ہمیشہ خالی رہے گا جو ناسور کی طرح مجھے ہر دن ہر پل پچھتاوے کا احساس دلاتا رہے گا"۔ اکرام نے نہایت دکھ بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کاٹ دار لب و لہجے میں کہتے ہوئے اس کا پورا وجود جیسے ریزہ ریزہ کر دیا ہو۔

"مگر تم اس بھرم میں مت رہنا کبھی کہ میں اپنی بے وفا محبت پر اپنی زندگی خراب کروں گا، تمہارا سوگ مناؤں گا، روحا سے بدسلوکی کروں گا یا اسے اس کا حق نہیں دوں گا، اسے ہر خوشی سے محروم رکھوں گا بلکہ تمہاری سوچ سے بھی زیادہ اسے ہر خوشی دوں گا بلکہ میں تمہیں بددعا..." جہاں آراء جو یہ سب دروازے پر کھڑی ہو کر سن رہی تھیں جلدی سے باہر آئیں۔

"اکرام بیٹا!" جہاں آراء نے اکرام کی بات کاٹ دی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اکرام ذہابیہ کو کوئی بددعا دے، ان کا دل تڑپ اٹھا تھا، اکرام نے پلٹ کر دیکھا جہاں آراء کے ہاتھ میں کچھ ڈبے تھے اور کچھ شاپرز جو انہوں نے اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"یہ سب واپس لے جاؤ اکرام! اب ان سب کی ضرورت روحا کو پڑے گی"۔

"نہیں خالہ! یہ سب امی نے اور میں نے ذہابیہ کے لئے خریدا تھا، روحا کے لئے اور آ جائے گا"۔ اکرام نے صاف انکار کر دیا تھا یہ سب لینے سے۔

"نہیں اکرام! منع مت کرو اللہ روحا بیٹی کا نصیب اور اچھا کرے، تمہاری کمائی میں اللہ اور برکت دے کہ تم اس کو اس سے بھی زیادہ اچھا اور مہنگا دو، مگر میں یہ سب رکھ کر اور شرمندہ نہیں ہونا چاہتی ہوں"۔ جہاں آراء کے لب و لہجہ میں کچھ ایسا تھا کہ اکرام نے نا چاہتے ہوئے بھی وہ سارا سامان لے لیا اور پھر وہاں رکا نہیں، ذہابیہ پر ایک غلط نگاہ ڈال کر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

جہاں آراء نے نہایت تکلیف و کرب سے ذہابیہ کو دیکھا تھا اور پھر واپس کمرے میں جانے کے لئے مڑ گئیں۔

ذہابیہ نے اکرام کے قدموں کے نشان پر نظر ڈالتے ہوئے اس دروازے کو دیکھا جہاں سے وہ جا چکا تھا۔

"جہانگیر آفندی کے سلوک اور برتاؤ سے زیادہ دکھ تو مجھے تمہارے رویئے اور لہجے نے دیا ہے اکرام، وہ مجھے نہیں جانتے تھے مگر تم تو میرے اپنے تھے، بچپن سے جانتے پہچانتے تھے پھر بھی نہیں سمجھ سکے، تمہارے الزامات تمہاری بے اعتنائی نے تو مجھے توڑ دیا ہے اکرام، میرا بھرم، میرا مان، یہاں تک کہ میرا دل بھی توڑ دیا، مجھے میری ہی نظروں میں گرا کے تم نے ثابت کر دیا کہ تم کتنے تنگ دل، چھوٹی ذہنیت کے مالک ہو"۔ ذہابیہ کی سوچوں میں کڑواہٹ سی گھلتی چلی گئی تھی اکرام کے لئے، وہ اپنی سوچوں میں جانے اور کتنا منہمک رہتی کہ اس کی گہری سوچوں میں پتھر مار کر بلقیس نے ارتعاش پیدا کیا تھا۔

"ذہابیہ...!" بلقیس کی نہایت نزدیک سے دھیمی آواز نے اسے چونکا دیا تھا، ذہابیہ چونک کر حیرت بھری نظروں سے اپنے سامنے کھڑی بلقیس کو دیکھنے لگی تھی۔

"میڈم آپ!" بھیگی ہوئی آواز نے ایک بار پھر اسے رُلا دیا تھا اور وہ جھٹکے سے ان سے لگی تھی۔

"میڈم! سر نے مجھے برباد کر دیا، مجھے میری، میرے سب گھر والوں کی نظروں میں گرا دیا، مجھ پر اتنے الزامات کی بوچھاڑ کی ہے کہ سب نے مجھے مجرم کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے"۔ وہ ہچکیوں سے بلک بلک کر رو رہی تھی، اس کے بین پر اس کے دکھ پر بلقیس میڈم کی بھی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"ششش... بس کرو"۔ وہ اس کا سر سہلانے لگی تھیں، نرمی سے اس کو چپ کرا رہی تھیں۔

"ادھر دیکھو میری طرف"۔ بلقیس نے اسے خود سے الگ کر کے اس کا آنسوؤں میں بھیگا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھایا تھا۔

"میں سب جانتی ہوں، جہانگیر نے جو تمہارے ساتھ کیا اس سب کے لئے میں بہت شرمندہ ہوں، مگر میں بھی اتنی ہی بے بس ہوں کہ تمہارے حق کے لئے لڑ بھی نہیں سکتی، چودہ سال ہو گئے میری شادی کو مگر آج تک جہانگیر کے آگے کچھ نہیں کہا، کوئی فرمائش کوئی شکوہ شکایت کرنے کی اجازت نہیں ہے مجھے، بس زندگی ایک ہی ڈگر پر چلتی چلی جا رہی ہے، یہ تو عبیرہ کا سہارا ہے ورنہ میں تو شاید کب کی مر چکی ہوتی"۔ انہوں نے ایک استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ ایک سرد سانس خارج کی تھی۔

"اور مر ہی تو گئی ہوں چودہ سال سے ایک زندہ لاش بن کر رہ گئی ہوں، بس اس جسم میں خالی روح ہے، جو جانے کب اس خالی جسم کو چھوڑ دے"۔ ذہابیہ حیران نظروں سے بلقیس کو دیکھ رہی تھی، دیکھنے میں کتنی گڈ لکنگ، پروقار، سلجھی ہوئی سی خاتون تھیں مگر اندر کتنا بڑا دکھ لے کر بیٹھی ہیں جو انہیں اندر ہی اندر کھا رہا تھا گھلا رہا تھا۔

"میڈم!" ذہابیہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"جہانگیر آفندی اپنی ضد کے بہت پکے ہیں، جو ان کی زبان سے نکل جائے اس سے کوئی انہیں آدھا انچ بھی

نہیں ہلا سکتا، انہوں نے مجھے شادی کی پہلی رات ہی باور کرا دیا تھا کہ میں ان کی نہیں ان کی ماں کی پسند ہوں، انہیں جب کوئی ایسی لڑکی ملے گی جس پر انہیں لگے کہ ان کا دل اس کی تلاش میں تھا، دل اس کے نام پر دھڑکے گا تو وہ اسی پل اسے اپنا بنانے کا فیصلہ کریں گے اور بدقسمتی سے تم پر جہانگیر آفندی کی نظر ٹھہر گئی، میرے احتجاج کو وہ کسی خاطر میں نہیں لائے تھے، انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ ہر حال میں تم سے شادی کریں گے، میں مجبور ہو گئی تھی ذہابیہ میں چاہتے ہوئے بھی تمہاری مدد نہیں کر پائی تھی''۔ بلقیس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے ان کا درد سن کر تو وہ اپنا دکھ بھول گئی تھی۔

''بلقیس میڈم! جب وہ آپ کو پسند نہیں کرتے تھے تو آپ نے انہیں چھوڑ کیوں نہیں دیا''۔

''کیونکہ میں آج بھی ان سے بے انتہا محبت کرتی ہوں، بہت چاہتی ہوں، میں جانتی ہوں کہ میں ان کی پسند نہیں ہوں مگر میرے لئے یہی بہت ہے کہ میرے نام کے ساتھ ان کا نام جڑا ہے، یہ نام کا رشتہ میرے لئے بہت معنی رکھتا ہے ذہابیہ''۔ ذہابیہ نے حیرت بھری نظروں سے بلقیس کو دیکھا تھا کس قدر اونچی تھیں، وہ جن کو ان کی قدر نہیں اپنی آخری سانس تک ان کے لئے تیاگ دی۔

''جہانگیر آفندی آپ بہت ناقدرے اور بدنصیب ہیں جو بلقیس جیسی مکمل، خوبصورت عورت کی قدر نہیں کر سکے''۔ وہ صرف سوچ کر ہی رہ گئی تھی۔

''جہانگیر آفندی تمہیں بہت چاہتے ہیں ذہابیہ اور مجھے ان کی پسند ان کی شادی پر نہ تو کوئی اعتراض ہے نہ ہی کسی قسم کا کوئی حسد و جلن کیونکہ تم ہو ہی اتنی پیاری اور معصوم سی''۔ بلقیس نے مسکراتے ہوئے اس کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھا تھا۔

''مگر بلقیس میڈم! ان کی اس حرکت سے نا صرف میری شادی رک گئی ہے بلکہ میں اپنی اماں اور اپنوں کی نظروں میں بھی گر چکی ہوں، مجھ پر اتنے بہتان الزامات لگائے گئے ہیں اگر اماں کا خیال نہیں ہوتا تو میں اب تک خودکشی کر چکی ہوتی''۔

''ایسا سوچنا بھی مت''۔ بلقیس نے جلدی سے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تم یہ اس لئے کہہ رہی ہو کیونکہ ابھی تم جہانگیر آفندی کو جانتی نہیں ہو، تم سمجھتی ہو تمہارا خودکشی کرنا اتنا آسان ہوگا، جہانگیر آفندی تم سے جنون کی حد تک پیار کرتے ہیں، تمہاری قبر وہ اپنے بنگلے کے لان میں نا صرف بنائیں گے بلکہ تمہارے سارے خاندان کا نام و نشان تک مٹا دیں گے''۔ ذہابیہ کی ریڑھ کی ہڈی تک سنسنا اٹھی، اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا، اتنی شدت... اف، اس نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''مگر بلقیس میڈم! میں ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی''۔

''تمہارے چاہنے نہ چاہنے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا، بلکہ آج میرے یہاں آنے کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آئی ہوں، جہانگیر آفندی کا حکم ہے کہ وہ تمہیں شام کو اپنے گھر میں موجود ہونا چاہتے ہیں''۔

''نہیں''۔ ذہابیہ نے بلقیس کے آگے ہاتھ جوڑے اور دو قدم کے فاصلے پر پیچھے ہٹی تھی۔

''میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی''۔

''ذہابیہ! سمجھنے کی کوشش کرو، اگر تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی تو جہانگیر آفندی بہت غصے میں آ جائیں گے''۔ بلقیس آگے بڑھیں اور اس کے دونوں ہاتھ پھر سے تھام لئے۔

"مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، مگر میں اپنی امی کو اس طرح اکیلا، تنہا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی"۔
"تم آنٹی کی فکر مت کرو ہم انہیں بھی اپنے ساتھ لے چلیں گے"۔
"نہیں بلقیس میڈم! میری امی ہی نہیں میں بھی بہت خوددار ہوں اور سب سے بڑی بات کے وہ کبھی جانے کو راضی نہیں ہوں گی"۔
"چلو ٹھیک ہے، میں خود تمہاری امی سے چل کر بات کرتی ہوں"۔
"آپ کو امی کو یہ بھی بتانا ہوگا کہ میں بے قصور ہوں، میں نے کچھ نہیں کیا"۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، اس نے بلقیس کو بہت آس بھری نظروں سے دیکھا تھا۔
"آل رائٹ میں انہیں بتاؤں گی کہ تمہارا کوئی قصور نہیں ہے، چلو"۔ وہ دونوں جہاں آراء کے بیڈ روم میں چلی آئیں، جہاں آراء بلینکٹ اوڑھے سر پہ بازو رکھے جانے لیٹی تھیں یا سو رہی تھیں، ذہابیہ آگے بڑھی۔
"امی!" ذہابیہ نے دھیرے سے پکارا مگر جواب ندارد۔ اس نے ایک بار پھر پکارا، کوئی جواب نہیں ملا۔ ذہابیہ نے پیچھے کھڑی بلقیس کو دیکھا، بلقیس کو کچھ ٹھیک نہیں لگا تھا، وہ آگے بڑھیں۔
ذہابیہ نے بلقیس کو ایک نظر دیکھنے کے بعد جہاں آراء کا آنکھوں پر رکھا بازو ہلایا، مگر یہ کیا وہ تو ہاتھ لگاتے ہی ایک سائیڈ کو گر چکا تھا، ذہابیہ کے پیروں تلے سے جیسے زمین ہی نکل گئی ہو۔
"امی.... امی...." اس نے زور زور سے پکارنا شروع کر دیا تھا، بلقیس نے جہاں آراء کی کلائی تھامی، ان کی نبض رک چکی تھی، روح ان کے جسم سے پرواز کر چکی تھی، انہوں نے روتی چلاتی ذہابیہ کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔
"ذہابیہ! اب یہ اس دنیا میں نہیں رہی ہیں"۔
"نہیں یہ نہیں ہو سکتا امی مجھے اس طرح اکیلا چھوڑ کے نہیں جا سکتی ہیں"۔ اس نے بلقیس کا ہاتھ جھٹکا اور ایک بار پھر جہاں آراء پر جھک گئی تھی۔
بلقیس نے فون پر جہانگیر آفندی کا نمبر ڈائل کیا تھا۔
کچھ ہی گھنٹوں میں سب بدل گیا تھا، جہاں آراء منوں مٹی تلے جا چکی تھیں، سارے لوگ جا چکے تھے گھر میں صرف اس وقت ذہابیہ اور بلقیس رہ گئی تھیں، رات کے نو بج رہے تھے، جہانگیر آفندی کا کتنی ہی بار فون آ چکا تھا۔
"کیا مسئلہ ہے ابھی تک آپ دونوں اس اکیلے گھر میں کیوں رکی ہوئی ہیں"۔ اسپیکر فون سے آتی جہانگیر آفندی کی سپاٹ آواز نے بلقیس کو پریشان کر دیا تھا۔
"میں کوشش کر رہی ہوں مگر ذہابیہ نہیں مان رہی ہے، وہ اس گھر کو چھوڑنا نہیں چاہتی ہے"۔
"بات کراؤ میری"۔
"جی...." بلقیس نے آنسو بہاتی ذہابیہ کو بے بسی و دکھ سے دیکھتے ہوئے فون اس کی سمت بڑھایا۔
"ذہابیہ! جہانگیر بات کریں گے، بات کرو"۔
"نہیں کرنی مجھے ان سے کوئی بات"۔ اس نے فون کو گھورتے ہوئے چہرے کا رخ ہی پھیر لیا تھا، فون کے اس پار جہانگیر آفندی نے بخوبی سنا تھا۔
"رونے دھونے کی باقی رسمیں یہاں آ کر پوری کر لینا، اٹھو اور بلقیس کے ساتھ فوراً یہاں آؤ، میں دوسری بار نہیں کہوں گا"۔ جہانگیر آفندی کی گھمبیر آواز نے اسے سر تا پا سلگا کے رکھ دیا تھا، اس سے پہلے وہ کچھ کہتی جہانگیر آفندی نے لائن ہی کاٹ دی تھی۔

''ذہابیہ! ہاں لو میری بات چلو یہاں سے، تمہیں نہیں پتہ جہانگیر کی بات پتھر پر لکھی لکیر کی طرح ہے وہ جو کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں''۔ بلقیس نے التجا کی تھی مگر وہ بہری، گونگی بن کر بس آنسو بہائے جا رہی تھی اور بلقیس کو کسی بھی طرح کر کے اسے یہاں سے لے کر جانا ہی تھا، بہت منت سماجت کی تھی یہاں تک کہ اس کے آگے ہاتھ تک جوڑ دیئے تھے بلقیس نے۔

''یہ دیکھو میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں پلیز اپنی ضد اور انا چھوڑ دو اور میرے ساتھ گھر چلو''۔

''آپ کیوں مجھے شرمندہ کر رہی ہیں''۔ ذہابیہ نے بلقیس کے دونوں جڑے ہاتھ تھام لیے اور اس پر اپنا سر رکھے رو دی۔ بلقیس نے اس کے جھکے سر کو افسردہ نظروں سے دیکھا، وہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں اس پیاری سی لڑکی کے لیے کہ جس کو اس حالت پر لانے والا اس کا شوہر جہانگیر آفندی تھا۔

باہر جہانگیر آفندی کی گاڑی کا ہارن بجا تھا، جہانگیر آفندی نے اپنا ڈرائیور بھیج دیا تھا۔

بلقیس ذہابیہ کو سمجھا بجھا کر پیار و محبت سے گھر لے آئی تھیں۔ بلقیس اسے اُس کے بیڈ روم میں لائی تھیں جو جہانگیر آفندی نے اس کے لیے پہلے سے ہی ڈیکوریٹ کروا کے رکھا تھا۔

''آج سے یہ تمہارا بیڈ روم ہے''۔ بلقیس نے اسے کشادہ جہازی سائز بیڈ پر بٹھا دیا تھا۔ ذہابیہ نے اس کشادہ روم کو دیکھا جس میں ہر شے قیمتی سے قیمتی عمدہ و اعلیٰ ڈیکوریٹ کی گئی تھی، فرنیچر، کرٹن، کارپٹ سب کچھ بہترین تھا۔

''اور یہ تمہارا وارڈ روب اس میں تمہارے لیے ہر قسم کے ڈریس ہینگ کر دیئے گئے ہیں جو پسند ہو نکال کر پہن کر فریش ہو جاؤ''۔ بلقیس نے اس کی الماری کھولی جہاں بیش قیمت کے لاتعداد کپڑے جہانگیر آفندی نے ہینگ کروائے ہوئے تھے۔

''میڈم! مجھے ان سب چیزوں کی نہ تو کبھی خواہش رہی ہے نہ ہی آرزو''۔

''سب سے پہلی بات تو یہ کہ تم مجھے اب میڈم نہیں کہو گی، تم مجھے آپا، آپی بھی بلا سکتی ہو''۔ بلقیس نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا مگر ذہابیہ نے صرف سر کو نیچے کر لیا تھا، وہ ابھی دکھ میں تھی، بہت بڑے سانحہ سے گزری تھی، ماں کا اس کی زندگی سے چلے جانا بہت بڑا غم تھا اور ذہابیہ کا غم ابھی تازہ تازہ تھا۔ بلقیس نے ایک گہرا سانس لیا اور خود ہی ایک ہینگ کیا ہوا سوٹ لے آئیں اور اس کی طرف بڑھایا۔

''چلو شاباش کھڑی ہو اور جلدی سے یہ کپڑے پہنو، فریش ہو گی تو سکون ملے گا''۔

''نہیں میرا کسی چیز کو دل نہیں چاہ رہا ہے''۔ جہاں آرا کو یاد کر کے وہ ایک بار پھر زار و قطار رو دی تھی، بلقیس اس کے برابر میں بیٹھ گئیں اور اسے خود سے لگا لیا۔

''اس طرح روؤ گی تو تمہاری امی کو تکلیف پہنچے گی، ان کی روح کو سکون نہیں ملے گا، رمضان کا بابرکت مہینہ آ رہا ہے خوب خشوع و خضوع سے عبادت کرو، ان کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگو، پھر دیکھو تمہیں بھی بہت سکون ملے گا''۔ کافی دیر تک وہ ذہابیہ کو سمجھاتی رہی تھیں، پھر بڑی مشکل سے انہوں نے ذہابیہ کو واش روم بھیجا تھا۔

☆.............☆.............☆

رات کے تیسرے پہر اس کی آنکھ کھلی تھی وجہ بھوک اور شدید پیاس تھی، رات کو وہ نہا کر بیڈ پر جیسے ہی لیٹی تھی اس کی آنکھ بند ہوئی اور وہ گہری نیند میں کھوتی چلی گئی تھی۔ کل صبح کا جہاں آراء کے ہاتھ سے ناشتہ کیا ہوا تھا مگر اب بھوک اور پیاس کی شدت بڑھ گئی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھی کمرے میں نائٹ بلب کی روشنی پھیلی ہوئی تھی، اس نے

اِدھر اُدھر دیکھا بیڈ پر اپنے برابر میں نظر پڑی تو آنکھیں پھٹی ہی رہ گئیں، جہانگیر آفندی بلینکٹ اوڑھے اسی کی سائیڈ پر منہ کیے سو رہے تھے، ذابیہ کو ایسا لگا ہزاروں وولٹ کا کرنٹ چھو گیا ہو، وہ خود پر سے بلینکٹ ہٹاتی بیڈ سے نیچے اترنے لگی کہ جہانگیر آفندی نے اس کا بازو پکڑ کے اپنی سمت کھینچا تھا، وہ جہانگیر آفندی کے اس عمل کے لئے قطعی طور پر تیار نہیں تھی اور اس کی طرف کھنچی چلی آئی تھی۔

''اتنی رات کو اپنا بیڈ چھوڑ کے اپنے شوہر کو تنہا کر کے کہاں جا رہی ہو''۔ جہانگیر آفندی نے اس کے گرد اپنے مضبوط بازو کا حصار کھینچ کر گھیرا تنگ کر دیا تھا۔

''چھوڑیں مجھے''۔ وہ خود کو چھڑانے کی بھرپور سعی کر رہی تھی۔

''آپ کو کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے اور آپ کو نہ ہی یہاں لیٹنا چاہئے''۔ وہ جہانگیر آفندی کا آہنی بازو سختی سے دبوچ کر پوری طاقت لگا کر ہٹا رہی تھی مگر ناکام تھی۔

''شوہر ہوں تمہارا، اپنی بیوی کے پاس لیٹنا کسی گناہ میں تو شمار نہیں ہوتا''۔

''میں کچھ نہیں جانتی، میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ ہی کی وجہ سے میری امی مجھے چھوڑ کے اس دنیا سے گئی ہیں''۔ ان ہرنی آنکھوں میں ایک سمندر موجزن تھا، جہانگیر آفندی نے بغور ان خوبصورت ہرنی آنکھوں کو دیکھا تھا اور ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اسے خود سے آزاد کیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ذابیہ بھی دوسری سائیڈ سے نیچے اتری اور بیڈ سے دور جا کر کھڑی ہو گئی تھی، جہانگیر آفندی نے پیچھے پلٹ کر دیکھا اور نیچے اتر کے اس کی جانب بڑھنے لگے تھے۔

''مجھے بہت افسوس ہے تمہاری امی کا، مگر یہ بھی سچ ہے جو اس دنیا میں آتا ہے اسے ایک نہ ایک دن جانا بھی پڑتا ہے وجہ چاہے جو بھی ہو، ان کی سانسیں اتنی ہی تھیں جو انہوں نے پوری کیں''۔

''مگر میری امی کی موت کے ذمہ دار صرف آپ ہیں اور میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی''۔ ذابیہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا۔

''آل رائٹ مت معاف کرنا اور یہ بحث بھی بہت لمبی ہے، فی الحال تم نے کچھ نہیں کھایا ہے کل صبح سے، کچھ کھا لو طاقت آئے تو لڑنے میں بھی آسانی ہو گی''۔ جہانگیر آفندی نے اس کے کھلے لمبے بالوں کی لٹوں کو چھیڑا تھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے میں نہیں کھاؤں گی کھانا''۔ اس نے جہانگیر آفندی کا ہاتھ جھٹکا تھا مگر جہانگیر آفندی کو ذرا بھی برا نہیں لگا تھا۔

''اگر تمہیں میرے ہاتھ سے کھانا پسند ہے تو نو پرابلم، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ جہانگیر آفندی نے زیادہ بات ہی نہیں کی اور اس کے شانے پر اپنا بازو پھیلائے ٹیبل کے پاس لے آئے جہاں ایک گھنٹہ پہلے ہی بلقیس سے انہوں نے گرم گرم بریانی شامی کباب منگوا لئے تھے اور ارادہ تھا کہ ذابیہ کی تھوڑی سی نیند پوری ہو جائے تو وہ اسے اٹھا کے کھلا دیں گے۔ ذابیہ کی ضد کو جہانگیر آفندی کسی خاطر میں نہیں لائے تھے۔

☆..........☆..........☆

صبح ناشتے کی ٹیبل پر بلقیس نے اپنے ہاتھوں سے حلوہ پوری کے ساتھ کھیر پراٹھا بھی بنایا تھا، وہ جانتی تھیں کہ جہانگیر آفندی کو اتنے ہیوی کھانا یا ناشتہ بالکل نہیں پسند تھا، وہ صبح کے ناشتے میں صرف ایک گلاس اورنج جوس یا کوئی بھی ملک شیک لے لیا کرتے تھے جبھی تو 45 سال کی عمر میں بھی اتنے فٹ اور اسمارٹ نظر آتے تھے، انہوں

نے بنانا شیک ان کے آگے رکھ دیا اور ایک پلیٹ میں سالن نکال کے ذہابیہ کے آگے پلیٹ رکھی تھی۔

''چلو ذہابیہ! کھاؤ اور بتاؤ کیسا بنا ہے ناشتہ کیونکہ آج کا یہ اسپیشل ناشتہ میں نے خاص طور پر اپنے ہاتھوں سے تمہارے لئے بنایا ہے''۔ بلقیس نرمی سے مسکرا کے بولی تھیں۔

''بلقیس آپی! آپ نے کیوں میرے لئے یہ تکلیف کی''۔ ذہابیہ کو اچھا نہیں لگا تھا کہ بلقیس ان کے لئے پریشان ہوں۔

''ارے اس میں تکلیف کی کیا بات ہے، خیر چھوڑو تم بعد میں مجھ سے پوچھ لینا ابھی تو ناشتہ کرو، ٹھنڈا یہ بہت برا لگے گا''۔ انہوں نے پوری نکال کر ایک خالی پلیٹ میں اس کے آگے بڑھائی، اس دوران جہانگیر آفندی بالکل خاموش تھے اور بنانا شیک کے ساتھ ساتھ آج کا نیوز پیپر بھی پڑھ رہے تھے جبکہ ذہابیہ اور بلقیس اپنا حلوہ پوری کا ناشتہ کر رہی تھیں، بلکہ ذہابیہ بہت جھجک رہی تھی تو بلقیس ہی اسے ہر نوالے کو زبردستی کھانے پر مجبور کر رہی تھیں۔

''آپ کی عمیرہ سے بات ہوئی؟'' جہانگیر آفندی نے اچانک پوچھا تھا۔

''جی کل ہی ہوگئی تھی''۔

''ہوں، ایڈمیشن تو ہو گیا ہے''۔

''جی، عمیرہ نے مجھے بتایا تھا''۔ انہوں نے اپنے اور ذہابیہ کے لئے گرما گرم چائے نکالی۔

''اس کے علاوہ ایک بات اور مجھے پتہ چلی ہے''۔ انہوں نے اخبار کو لپیٹ کر سائیڈ پر رکھا تھا، بلقیس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، وہ سمجھ گئی تھیں کہ کیا بات پتہ چلی ہے انہیں۔

''بلقیس! جو آپ کر رہی ہیں کیا میں وجہ جان سکتا ہوں''۔

''میں کچھ دن کے لئے ریلیکس چاہتی ہوں، ریسٹ کرنا چاہتی ہوں، مجھے لگتا ہے میں بہت تھک گئی ہوں''۔ ان کے لب و لہجے سے ہی نہیں بلکہ ان کے ایک ایک عضو سے تھکن محسوس ہو رہی تھی، جس کا جہانگیر آفندی کو بہت شدت سے احساس ہوا تھا۔

''فی الحال تو کل سے رمضان شروع ہو رہے ہیں اس بارے میں بعد میں بات کرتے ہیں، مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے، آج آپ فاؤنڈیشن جا رہی ہیں تو میں ڈراپ کر دیتا ہوں''۔ جہانگیر آفندی کھڑے ہو گئے تھے۔

''نہیں آج میرا موڈ نہیں ہے جانے کا''۔

''آل رائٹ''۔ جہانگیر آفندی نے ایک سرسری نگاہ بلقیس پر ڈالی اور پھر باہر جانے والے راستے کی طرف چل دیئے تھے۔ جہانگیر آفندی کے جانے کے بعد ذہابیہ نے اپنا ناشتہ چھوڑا اور بلقیس کے برابر والی چیئر پر آ بیٹھی تھی۔

''بلقیس آپی! میں جانتی ہوں نادانستگی میں مجھ سے بہت بڑا گناہ سرزد ہوا ہے، قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو قصوروار سمجھتی ہوں، جہانگیر نے بہت ناانصافی بہت زیادتی کی ہے ہم دونوں کے ساتھ''۔

بلقیس نے مسکراتے ہوئے اپنے پاس بیٹھی ذہابیہ کو دیکھا اور اس کے گال پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

''تم سے نہ تو کوئی زیادتی ہوئی نہ گناہ اور نہ ہی میرے ساتھ کوئی ناانصافی''۔

''پھر بھی بلقیس آپی! جہانگیر نے آپ پر سوکن...''

''ارے ارے، یہ کیا فضول لفظ کہا تم نے، نہ تو میں کچھ ایسا ویسا سوچتی ہوں اور نہ ہی میں تمہیں اجازت دوں گی کہ تم کچھ ایسا ویسا فضول خیال دل میں لے کر آؤ''۔ بلقیس نے ذہابیہ کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''یہ آپ کا ظرف ہے جو آپ مجھے اتنی عزت اور پیار دے رہی ہیں''۔ ذہابیہ نے ان کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے ہٹا کر اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

''آپ بہت تھک گئی ہیں ناں، میں آپ کی بہت خدمت کروں گی، آپ کا خیال رکھوں گی''۔

''نہیں ذہابیہ! میں تم سے اپنی خدمت کروا کے تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں کرنا چاہتی، عبیرہ امریکہ میں سیٹل ہو گئی ہے، میں بھی کچھ دنوں میں اس کے پاس چلی جاؤں گی''۔ اس انکشاف پر ذہابیہ کے دل پر جیسے گھونسا سا پڑا تھا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں میں آپ کو نہیں جانے دوں گی، آپ میرے ساتھ اس طرح نہیں کر سکتیں''۔ ذہابیہ نے ان کا ہاتھ اپنے سینے پر لگا لیا تھا جس پر وہ ہلکے سے ہنس دیں۔

''پاگل اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتی تو وہ بہت خوش ہوتی کہ چلو کباب میں سے ہڈی تو نکلی''۔ انہوں نے پر مزاح انداز میں اسے چھیڑا تھا۔

''میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی، جہانگیر آفندی پر آپ کا پورا پورا حق پورا پورا اختیار ہے''۔

''اچھا ٹھیک ہے باقی باتیں بعد میں کریں گے، تم اپنا ناشتہ پورا کھاؤ، دیکھو پڑے پڑے ٹھنڈا بھی ہو گیا ہے، بلکہ میں یوں کر لیتی ہوں پھر سے گرم کروا دیتی ہوں''۔ بلقیس نے کہتے ساتھ ہی ملازمہ کو بھی آواز دی۔

''نہیں میں جب تک نہیں کھاؤں گی جب تک آپ اپنا ارادہ کینسل نہیں کریں گی بلکہ مجھ سے وعدہ کریں گی آپ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی''۔ ذہابیہ نے ضدی بچے کی طرح منہ پھلا لیا تھا۔

''اوکے بابا، کہیں نہیں جاتی خوش، چلو اب ہم دونوں مل کر گرما گرم ناشتہ کریں، بہت دن ہو گئے مجھے ناشتہ کئے ہوئے، عبیرہ اپنے ڈیڈ کی طرح صرف ملک شیک لیتی تھی اس لئے میرا اکیلے کچھ کھانے کو دل ہی نہیں کرتا تھا''۔ ملازمہ دوبارہ ناشتہ گرم کر کے لے آئی تھی۔

☆..........☆..........☆

رمضان شروع ہو گئے تھے ذہابیہ اور بلقیس نہایت خشوع و خضوع سے عبادت میں مشغول تھیں، جہانگیر آفندی نے بھی شکرانے کے بہت سجدے ادا کئے تھے، ان کا خالی دل آباد ہو گیا تھا، ذہابیہ نے ان کی زندگی مکمل کر دی تھی۔ وہ روز کچھ نہ کچھ ذہابیہ کے لئے لے کر آتے رہتے تھے، کبھی گولڈ رنگ، گولڈ ایئر رنگ، بریسلٹ، آج وہ اس کے لئے ڈائمنڈ کی نوز پن لے کر آئے تھے، گویا انہوں نے اپنے والہانہ پیار سمیت اسے دنیا کی ہر شے سے نہلا دیا تھا۔ ذہابیہ ان کے اس والہانہ پیار، دیوانگی، محبت کو پا کر ہواؤں میں اڑنے لگی تھی، اس نے انہیں اپنی خوش قسمتی مان کر دل سے قبول کر لیا تھا، بلکہ بلقیس نے بھی اسے بہت سمجھایا تھا، بلقیس کے دل میں رتی بھر بھی حسد، جلن، نفرت نہیں تھی ذہابیہ کے لئے، انہیں کوئی دکھ نہیں تھا کہ جہانگیر آفندی نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے، بلکہ جہانگیر نے اپنی ذمہ داری سے منہ بھی نہیں موڑا تھا، ان کے لئے بھی کچھ نہ کچھ لے کر آتے رہتے تھے، کوئی سوٹ کوئی جیولری جسے پہن کر وہ فخر محسوس کرتی تھیں، بارہ تیرہ سالہ زندگی میں یہ رمضان ان کی زندگی کا بہترین رمضان تھا جس پر وہ اپنے رب کا جتنا شکر بجا لاتیں کم تھا۔

سحری اور افطاری دونوں مل کر بناتی تھیں، بلقیس نے کچن میں جانا چھوڑ دیا تھا، مگر ذہابیہ کے بے حد اصرار پر انہوں نے اس کے ساتھ گھر کے کاموں میں حصہ لینا شروع کیا۔ کچن میں اپنے ہاتھوں سے کھانے بناتیں جو جہانگیر آفندی نا صرف شوق سے کھاتے بلکہ تعریف بھی کرتے۔

''بلقیس آپی کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے''۔ ذہابیہ نے بریانی کھاتے جہانگیر آفندی کو دیکھا۔

''ہاں بلقیس کھانے بہت لاجواب بناتی ہیں، مجھے ان کی بنائی ہر ڈش بہت پسند ہے''۔ بلقیس پر تو جیسے شادی مرگ ہی ہوگیا تھا، اپنی شادی شدہ زندگی میں آج پہلی بار جہانگیر آفندی نے ان کے کھانے کی تعریف کی تھی، وہ جہانگیر آفندی کو ہی دیکھنے لگی تھیں۔

''ارے آپ نے ہاتھ کیوں روک لیا''۔ جہانگیر آفندی نے بلقیس کو دیکھا تو ذہابیہ نے بھی اپنا کھانا چھوڑ دیا۔

''ہاں بلقیس آپی! آپ کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہیں''۔ بلقیس خفیف سی ہو گئیں۔

''اور آپ نے بہت تھوڑا سا بھی لیا ہے، یہ لیں''۔ ذہابیہ نے ان کے منع کرنے کے باوجود ان کی پلیٹ میں نا صرف بریانی ڈالی بلکہ ایک شامی کباب بھی رکھ دیا تھا۔

''بہت مزے کا بنا ہے آج کا کھانا جلدی سے ختم کریں''۔ جہانگیر آفندی نے مسکراتے ہوئے ان کی حیرت بھری نظروں میں جھانکا تھا، جواب میں وہ بھی مسکرا دیں اور اپنی پلیٹ پر جھک گئیں۔

☆.........☆.........☆

آج تیسواں روزہ تھا آج چاند رات تھی، ذہابیہ اور بلقیس نے مل کر گھر کا پورا نقشہ ہی بدل دیا تھا، بیڈ رومز، ڈرائنگ روم کے سارے کرٹن چینج کر دیے تھے، نیو فرنیچر رکھ کر پرانا نکال دیا تھا، شو پیسز، کارنر کارپٹ گویا ہر شے نیو لگ رہی تھی۔ جہانگیر آفندی بہت خوش ہوئے تھے، ذہابیہ نے تو جیسے انہیں بالکل بدل کے رکھ دیا تھا، وہ جہانگیر آفندی جو کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے ذہابیہ کی باتوں پر مسکراتے تھے، باتیں کرتے تھے، وہ بہت خوش تھے۔

اس وقت ذہابیہ، بلقیس کے بیڈ روم میں بیٹھی آج بازار چلنے کے لیے کہہ رہی تھی، بضد تھی کہ وہ فون کریں جہانگیر آفندی کو انہیں گھر بلائیں کہ وہ دونوں کو مارکیٹ لے کر چلیں مہندی لگوانے، چوڑیاں پہنانے۔

''ذہابیہ! میں کبھی بھی ان کے ساتھ عام دنوں میں مارکیٹ نہیں گئی پھر آج تو چاند رات ہے میں کیسے جا سکتی ہوں''۔

''پہلے کی بات اور تھی مگر اب بات کچھ اور ہے آپ کو...'' وہ آگے کچھ کہتی کہ دروازہ کھلا اور جہانگیر آفندی اندر داخل ہوئے تھے ان کے چہرے پر غصے کے رنگ واضح طور پر دیکھے جا سکتے تھے، ان کے ہاتھ میں کوئی لفافہ تھا جو وہ لے کر سیدھا بلقیس کے پاس آ ٹھہرے اور وہ لفافہ ان کی گود میں ڈال دیا۔

''یہ کیا ہے، میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ آپ اپنے جانے کا ارادہ کینسل کر دیں، پھر سیٹ کنفرم کروانے کا مطلب''۔ جہانگیر آفندی کے بارعب لب و لہجے میں ایک گھمبیر تا تھی وہ نہایت تیز نظروں سے بلقیس کے جھکے سر کو دیکھ رہے تھے۔

جبکہ اس دوران ذہابیہ کھڑی ہو گئی تھی، ان کا انداز دیکھ کر وہ بھی اندر تک سہم کر رہ گئی تھی اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ وہ کچھ بولتی بلکہ اسے تو اس وقت بلقیس اور جہانگیر آفندی کے درمیان اپنا وجود مس فٹ لگ رہا تھا، پتہ نہیں کیوں اسے اس وقت یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ ان دونوں کے بیچ کچھ بولے یا ٹھہرے، وہ وہاں سے جانے لگی مگر یہ آخری منظر اسے اندر تک پر سکون کر گیا، دل نے دعا کی کہ اللہ ہمیشہ انہیں ساتھ رکھے، آج بلقیس کو ان کا کھویا ہوا اعتماد، ان کا پیار مل جائے گا۔

جہانگیر آفندی نے بلقیس کا ہاتھ تھاما اور آرام سے اپنے مقابل کھڑا کیا۔

''ہمارے درمیان بے شک وہ محبت وہ چاہت نہیں ہے، مگر حقیقت یہ بھی ہے کہ میں آپ کے بغیر رہ بھی نہیں سکتا، 14 سال ہو گئے ہیں ہماری شادی کو، مجھے آپ کی عادت ہو گئی ہے، بے شک میری زندگی میں ذہابیہ کی

صورت میں محبت مکمل ہوگئی ہے مگر سچ یہ بھی ہے کہ آپ کا مقام میری نظروں میں میرے دل میں بہت اونچا ہے، بس اظہار کرنا نہیں آیا''۔ وہ ہولے سے مسکرا دیئے جبکہ مقابل بلقیس پر تو جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے جیسے ان کے مردہ جسم میں کوئی روح پھونک رہا تھا۔

''میں نہیں چاہتا کہ آپ میری نظروں سے دور جائیں، ہاں اگر آپ یہ نہیں چاہتی ہیں کہ ذہابیہ آپ کے ساتھ رہے تو اس میں کوئی برائی کی بات نہیں ہے، میں ذہابیہ کو الگ گھر لے کر اس میں شفٹ کر دوں گا''۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میں نے تو یہ سوچا بھی نہیں نہ ہی میں ذہابیہ سے الگ رہنے کے بارے میں سوچ سکتی ہوں''۔ جہانگیر آفندی کی بات دل میں چبھی تھی۔

''تو پھر یہاں سے جانے کی وجہ؟''

اب کیا کہتیں، وجہ تو کوئی بھی نہیں تھی، وہ خاموشی سے سر کو جھکا گئیں، جہانگیر آفندی نے ان کے جھکائے گئے چہرے کو بغور تکا تھا اور ٹھوڑی سے پکڑ کر اونچا کیا۔

''دس منٹ میں تیار ہو کر گاڑی میں بیٹھیے میں آج آپ دونوں کو شاپنگ کرانے لے کر جاؤں گا، اپنی پسند سے ریڈی میڈ سوٹ دلواؤں گا، آپ کو میری پسند تو پسند ہے ناں''۔

''بہت''۔ وہ ہولے سے مسکرا دیں۔

''اوکے تو ڈن، تو جلدی سے ریڈی ہو جائیں میں ذہابیہ کو لے کر آتا ہوں''۔ وہ مسکراتے ہوئے ان کے ہاتھوں میں مقید بلقیس کے دونوں ہاتھوں کو تھپتھپاتے ہوئے وہاں سے نکل گئے، بلقیس کا دل آج خوشی سے جھوم رہا تھا، آج ان کا صبر رنگ لایا تھا، جہانگیر آفندی نے ان سے دو بول تو بولے اور سب سے بڑی بات کہ وہ ان کے بغیر نہیں رہ سکتے، انہیں بلقیس کی عادت ہے، یہی کہنا بلقیس کے لئے ان کی زندگی کے لئے جینے کی وجہ تھا اور شاید یہ سب ذہابیہ کی وجہ سے بھی تھا، ذہابیہ کے لئے ان کے دل میں مزید محبت بڑھ گئی تھی، وہ ہواؤں میں اڑتی خوشی خوشی وارڈروب کی جانب بڑھیں۔

جہانگیر آفندی جیسے ہی کمرے میں انٹر ہوئے دروازے کو لاکڈ کیا، بیڈ کے کونے پر بیٹھی ذہابیہ تیزی سے اٹھی اور جہانگیر آفندی کی پناہوں میں چھپی تھی، ان کے مضبوط چوڑے بازو سے لگی سسک اٹھی تھی، جہانگیر آفندی گھبرا کے رہ گئے۔

''ذہابیہ! کیا ہوا کیوں رو رہی ہو اس طرح؟'' مگر جواب ندارد۔

''دیکھو ذہابیہ! میں پریشان ہو رہا ہوں''۔ جہانگیر آفندی نے اس کے چھپے چہرے کو جھک کر دیکھا تھا، ذہابیہ کو جہانگیر آفندی کی پریشانی کا احساس ہوا تو اس نے جہانگیر آفندی کے بازو سے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا تھا اور اپنے آنسو صاف کیے۔

''ذہابیہ....'' ذہابیہ نے بھیگی ہوئی ہرنی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

''آج میرے دل سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے''۔

''وہ کیسے؟'' جہانگیر آفندی نے ناسمجھ انداز میں اسے دیکھا تھا۔

''مجھے بلقیس آپی کو دیکھ کر بہت افسوس ہوتا تھا کہ کہیں میں نے ان کی جگہ تو نہیں لے لی، بلقیس آپی آپ کو مجھ سے زیادہ چاہتی ہیں، بلکہ جنون کی حد تک محبت کرتی ہیں، میں سمجھتی تھی کہ میں ان کی محبت کی شراکت بن گئی ہوں مگر یہ میری بھول تھی میں جو سوچتی تھی کہ آپ کبھی ان پر محبت کی ایک نظر بھی نہیں ڈالیں گے، مگر آج میرے

دل میں مزید آپ کے لئے عزت و محبت بڑھ گئی ہے، میرا سر فخر سے اونچا ہو گیا ہے، بلقیس آپی کی طرف سے میں پرسکون ہو گئی ہوں اور اس کے لئے میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں آپ کی"۔ ان ہرنی آنکھوں میں خوشی سے جھلملاتے آنسو تھے۔

جہانگیر آفندی نے بغور یہ چہرہ دیکھا تھا جس کے وہ فریفتہ تھے، جو ان کے دل کی حکمران تھی۔

"آج تمہارے منہ سے اپنے لئے اظہار محبت سن کر تم نے میری محبت کو سرخرو کر دیا، یہ میری محبت کی کشش ہی ہے جس نے تمہارے دل میں بھی میری محبت جگائی ہے"۔ انہوں نے ذہابیہ کا چہرہ اپنی چوڑی ہتھیلیوں کے پیالے میں بھر کے اس کی چمکتی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔

"اور رہی بات بلقیس کی، بیشک مجھے ان سے کبھی محبت نہیں ہوئی، مگر پھر بھی میں ان کے بغیر رہ بھی نہیں سکتا، وہ میری ماما کی پسند ہیں میری بیٹی کی ماں... لیکن اب تم مجھے ایک بیٹا دو گی تاکہ ہماری فیملی مکمل ہو سکے"۔ جہانگیر آفندی کی اچانک فرمائش پر اس کا چہرہ شرم و حیا سے گلنار ہو گیا تھا۔ یہ دلکش منظر انہوں نے اپنے دل کی گہرائیوں میں قید کر لیا تھا۔

"باقی باتیں رات کے لئے رکھتے ہیں آج چاند رات ہے چلو تمہاری اور بلقیس کی مہندی لگواؤں اور کل عید کے لئے کچھ ریڈی میڈ سوٹ بھی لے لینا"۔

"میں بس تھوڑی دیر میں تیار ہوتی ہوں"۔ وہ مسکراتی ہوئی کھڑی ہوئی، وارڈروب سے ایک سی گرین اور بلیو امتزاج کا کاٹن ایمبرائیڈری سوٹ نکال کر سیدھی واش روم میں جا بند ہوئی، مگر وہ اپنے پیچھے ان دو والہانہ پیار برساتی آنکھوں کی تپش کو خود پر محسوس کر سکتی تھی۔

جہانگیر آفندی بلقیس اور ذہابیہ کو شہر کی سب سے مہنگی مارکیٹ لے آئے تھے جہاں سے دونوں کو اپنی پسند کا سوٹ چوڑیاں دلائیں، مہندی لگوائی۔

بلقیس آج جتنا خوش ہوتیں کم تھا، یہ چاند رات یہ عید ان کی زندگی کی یادگار عید تھی۔

"تھینکس ذہابیہ!" بلقیس نے ذہابیہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"وہ کس لئے؟" اس نے ناسمجھی کیفیت میں بلقیس کو دیکھا تھا۔

"اس پل ان خوبصورت لمحوں کے لئے"۔ انہوں نے جانثار نظروں سے دور کھڑے جہانگیر آفندی کو دیکھا، جو گولڈ کی شاپ پر کھڑے ان دونوں کے لئے گولڈ کا بریسلٹ خرید رہے تھے تاکہ کل عید پر عیدی کے ساتھ دے سکیں۔

"ان پر آپ کا حق ہے، میں کسی کے ساتھ ناانصافی کر کے اپنے لئے بے سکونی نہیں خرید سکتی، میں خوش رہنا چاہتی ہوں، بلقیس آپی اور سب کو خوش رکھنا چاہتی ہوں، جہانگیر بہت اچھے ہیں اتنے کم وقت میں انہوں نے مجھے اتنا پیار، مان، عزت دی کہ اپنی قسمت پر رشک آتا ہے"۔ وہ اعتراف محبت کر رہی تھی۔

"ذہابیہ! عبیرہ کی کال ہے وہ تم سے بات کرنا چاہتی ہے"۔ جہانگیر آفندی نے اسے اپنا سیل فون دیا۔

ذہابیہ اور عبیرہ نے ایک دوسرے کو چاند رات کی مبارکباد دی اور اسی ہفتے اسے یہاں آنے کے لئے کہا، وہ دونوں اپنی باتوں میں مصروف ہو گئیں، اس دوران جہانگیر آفندی بلقیس کو اپنے ساتھ گولڈ کی شاپ پر واپس لے گئے تاکہ وہ بریسلٹ دیکھیں جو کہ انہوں نے پسند کیا تھا، بلقیس خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔

☆..........☆..........☆

ماریہ عمران خان

ناولٹ

عید تو تیرے سنگ

اسے ملاقات کے لیے آج ایک معروف بزنس سینٹر جانا تھا جہاں اس کا اپنے پروڈکٹس کی پریذنٹیشن کے لیے احسن علی خان سے ملنا بے حد ضروری تھا، وہ جانتی تھی کہ احسن علی خان سے ملاقات کا شرف



حاصل ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی مگر وہ بھی تو پلاسٹک مولڈنگ کی معروف کمپنی کے اونر مصطفیٰ احمد کی بیٹی تھی اور شاید انہی تعلقات کی بنا پر اسے بہت آسانی سے احسن خان تک رسائی کا موقع ملا تھا، وہ کوئی رسک نہ لیتے ہوئے خود اپنی تعلیم اور دیگر مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر، بذات خود اپنے والد کی کمپنی کی سپروائزر ہونے کے ناتے احسن خان سے ملنے کو آمادہ ہوئی تھی، اس پر اس کے والد مصطفیٰ احمد کا فرمان صادر ہوا تھا کہ ان کی کمپنی کو ریپریذنٹ کرنے کے لئے وہ خود احسن خان سے ملاقات کرے گی اور پھر ذرا سی حیل و حجت کے بعد وہ راضی ہو گئی۔ اپنے والد کے فرمان سے اسے ادراک ہو چکا تھا کہ احسن خان کا دیا جانے والا آرڈر کس قدر اہمیت کا حامل ہے جو ان کے بزنس کو ٹھیک ٹھاک فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

وہ سر شام تک سک سا تیار ہو کر اپنے سراپے پر نظر ڈالتے ہوئے احسن خان کے آفس کی طرف روانہ ہو گئی، رستے بھر وہ متوقع ملاقات کے بارے میں سوچتے ہوئے کھڑکی سے باہر نظارے کرتی رہی۔



وہ انتہائی بااعتماد اور پروقار شخصیت کی حامل تھی مگر اس طرح اچانک کسی اجنبی سے ملاقات وہ بھی انتہائی خشک موضوع پر، یہ خیال اسے اندر ہی اندر کہیں نروس کر رہا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے سن گلاسز کو دوبارہ آنکھوں پر سجایا اور کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈال کر وقت کا جائزہ لینے لگی، ڈرائیور بہت انہماک سے گاڑی چلا رہا تھا اور آخر کار مطلوبہ جگہ پر پہنچ کر اس نے گاڑی روک دی۔ وہ برق رفتاری سے باہر نکلا اور اس کے لئے دروازہ کھول دیا۔

وہ اپنا بیگ اٹھا کر باہر اتری اور ڈرائیور کو چند ہدایات دے کر بلڈنگ کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ایک معروف ٹریڈنگ سینٹر کے اندر موجود تھی، اندر پہنچنے کے بعد اے سی کی ٹھنڈک نے اسے دلفریب احساس سے دوچار کیا اور پھر مختلف چہرے اسے اردگرد نظر آئے، انتہائی خوبصورت ویل فرنشڈ آفس، فلورنگ ٹائلز اور جدید آرائش سے آراستہ آفس کو وہ نظریں گھما گھما کر دیکھ رہی تھی، تبھی اسے اپنے ہاتھ میں موجود فائل کا احساس ہوا تو یاد آیا کہ وہ کس مقصد سے یہاں آئی ہے۔ ایک خوبصورت سے کاؤنٹر پر موجود خوبصورت سی لڑکی نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا، وہ بیگ اور فائل سنبھالتی ناز و ادا سے کاؤنٹر تک پہنچی اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ کاؤنٹر پر موجود لڑکی نے مودبانہ طریقے سے مسکرا کر اسے بیٹھنے اور ذرا دیر انتظار کرنے کو کہا اور خود فون پر اطلاع دینے لگی۔

وہ بھنویں اچکاتی ہوئی صوفے پر براجمان ہو گئی، گویا انتظار کرنا اسے خلاف معمول لگا ہو، جہاں ہمیشہ وہ دوسروں کو انتظار کراتی آئی تھی اور آج کسی کے لئے انتظار کرنا اسے ہرگز بھی خوش کن نہیں لگ رہا تھا جبھی وہ تاثرات چھپاتے ہوئے اپنے جدید موبائل میں موجود مختلف ایپلیکیشنز میں مشغول ہونے کی سعی کرنے لگی۔

"اف! کہاں پھنسا دیا پاپا نے"۔ وہ اسکرین پر نظریں گاڑے خود سے بڑبڑانے لگی۔ دس منٹ گویا اس کے لئے بہت تھے، صبر کا پیمانہ لبریز ہونے کو تھا، وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"احسن خان سے کہیے کہ میری ان سے ملاقات طے ہے، برائے مہربانی وقت کی قدر و قیمت کا احساس کیجئے اور میری ملاقات کروایئے ان سے۔ میں کافی دیر سے انتظار کر رہی ہوں"۔ اس نے کاؤنٹر ڈیسک بجاتے گھورتے ہوئے لڑکی کو کہا۔

"میم! سر ابھی نماز میں مصروف ہیں، سارا میل اسٹاف اوپر مسجد میں نماز ادا کر رہا ہے، آپ تشریف رکھیئے جیسے ہی سر فارغ ہوتے ہیں وہ خود کال کریں گے"۔ لڑکی نے پھر مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا، نماز کا سن کر وہ بھنویں سکیڑتے ہوئے واپس صوفے پر آ گئی اور وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگی۔ وہ مسلسل الجھ رہی تھی، یوں فارغ بیٹھنا اس کی سرشت میں نہیں تھا۔

پورے آدھے گھنٹے بعد اسے اوپر جانے کا اشارہ ملا، اب تک تو وہ بری طرح سے تپ چکی تھی، صبر کے گھونٹ پیتی وہ لفٹ کے ذریعے تھرڈ فلور پر پہنچی اور کاریڈورز سے ہوتی ہوئی مطلوبہ کمرے کے سامنے رک گئی، الجھن اور اکتاہٹ کے تاثرات چھپاتی وہ ناک کر کے اندر داخل ہوئی۔ وسیع و عریض خوبصورت کمرہ اپنی تعریف خود کر رہا تھا۔ وہ ایک ادا سے لہراتی ہوئی عین درمیان میں موجود ٹیبل کی طرف آئی جہاں میز کے پیچھے ایک انتہائی اسمارٹ، گندمی رنگت کا جاذب نظر، خوبرو لگ بھگ تیس سال کا لڑکا براجمان تھا، وہ حیرانی سے مقابل بیٹھے شخص کو دیکھ رہی تھی، یقیناً وہ احسن خان ہی ہو گا مگر یہ تو انتہائی کم عمر اور دلکش نین نقش کا مالک ایک اسمارٹ سا لڑکا تھا، وہ تو سارے رستے احسن خان کا تصور ایک "انکل" کی صورت میں کرتی آئی تھی مگر حقیقتاً احسن خان اس کے تصورات سے مکمل مختلف ثابت ہوا، وہ تاثرات چھپاتے ہوئے

کچھ کہنا چاہتی تھی کہ احسن خان نے خود گفتگو کا آغاز کیا۔

"معذرت خواہ ہوں میں مس کرن کہ آپ کو اتنی دیر انتظار جیسے کوفت زدہ کام کو کرنا پڑا، پر عصر کی اذان کا وقت ہو گیا تھا اس لئے میں نماز کی ادائیگی کے لئے چلا گیا۔ پلیز تشریف رکھیے۔" احسن خان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ فائل میز پر رکھتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"اٹس او کے... امید ہے کہ آپ اپنے سارے کاموں سے فارغ ہو چکے ہوں گے۔ کیا ہم کام کی بات کر سکتے ہیں؟" وہ اس ساحر کی آواز میں کھوئی کھوئی بولی۔

"بالکل... ابھی کافی ٹائم ہے۔" احسن خان نے کلائی پر موجود گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"جی مس کرن فرمایئے۔" اور بغور اس کی طرف متوجہ ہو گیا، وہ تھی کہ بس احسن خان کی باکمال شخصیت اور اس کی آواز کے سحر میں ڈوبی ہوئی تھی، وہ تھا ہی اس قدر پرکشش کہ کوئی بھی اسے دیکھتا تو سرد آہ بھر کے رہ جاتا، ہر ایک کو نظر انداز کر دینے والی کرن اب اس کے چہرے سے پھوٹنے والے نور اور کشش میں ایسی کھو چکی تھی کہ احسن خان کے کہے گئے جملے سن ہی نہ پائی، اس کا سحر اس وقت ٹوٹا جب احسن خان نے انتہائی دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ اسے ٹیبل بجا کر پکارا۔

"مس کرن! میں آپ کی بات چیت کا منتظر ہوں۔" وہ چونک ہی تو گئی تھی، اپنی غیر دانستہ حرکت سے وہ مضطرب ہو گئی تھی، وہ جتنا اپنی پسندیدگی کو پس پردہ رکھنا چاہ رہی تھی اتنی ہی وہ عیاں ہو رہی تھی، اس نے آنے والے تمام خیالات کو دماغ سے بری طرح جھٹکا اور چند لمحوں کے لئے پلکیں بھینچ کر دا کیں اور ایک نئے اعتماد کے ساتھ اس نے بات چیت کا آغاز کیا۔

"احسن صاحب... ہماری کمپنی کی اسٹریٹجیز سے آپ بخوبی واقف ہیں کہ ہم نے انتہائی محنت، ایمانداری کے ساتھ اور کم وقت میں ہر آرڈر کی تکمیل انتہائی احسن طریقے سے کی ہے، جس کے گواہ ہمارے گزشتہ پندرہ سالہ ریکارڈ ہیں اور ہمارے کچھ کلائنٹس جو کافی سالوں سے مستقل ہمیں آرڈرز دے رہے ہیں اور خاصے مطمئن بھی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں بھی ایک موقع عنایت کیجئے کہ ہم آپ کے ساتھ کام کریں اور مستقل بنیادوں پر آپ کے ساتھ آئندہ مستقبل میں بھی کام کرتے رہیں۔ اس کے لئے میں درخواست کرتی ہوں کہ آپ مصطفیٰ اینڈ مصطفیٰ کمپنی کو آرڈر دے کر ہمارے کام اور ہنر کو بھی آزما کر دیکھئے، انشاء اللہ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔"

کرن نے انتہائی خوبصورتی سے اپنے پلان اور اسٹریٹجیز سے اسے آگاہ کیا۔ وہ مسلسل چہرے پر مسکراہٹ لئے توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا جبکہ وہ معصومیت سے ہر ممکنہ اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی، احسن خان کا بہت زیادہ فرینڈلی رویہ، اس سے مسکراہٹ کے ساتھ بات کرنا کرن کو مزید اعتماد بخش رہا تھا۔ وہ اس حد تک کمفرٹ فیل کر رہی تھی کہ احسن خان کی کسی بات پر وہ زور سے ہنس دی، احسن بغور اس کی فائل کا جائزہ لے رہا تھا، کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوا۔

"مس کرن! آپ کے پلانز، فائل واقعی قابل تعریف ہے، ہمارا ہر قسم کا آرڈر مجموعی طور پر اہمیت کا حامل ہوتا ہے، ہماری ممکنہ کوشش ہوتی ہے کہ ہم جس کو بھی آرڈر دیں وہ بھی ہم سے سیٹسفائی رہے اور ہم بھی ہر لحاظ سے مطمئن ہوں۔ جو آرڈر میں آپ کو دینا چاہتا ہوں وہ قومی سطح پر بھی اہمیت رکھتا ہے۔ ہمیں نیپال میں موجود زلزلہ زدگان کے لئے بہت سے پلاسٹک آئٹمز درکار ہیں جن میں انجکشنز اور دیگر اشیاء شامل ہیں اور ان چیزوں کی تعداد ہزاروں میں نہیں لاکھوں

میں ہے۔ میں پہلی بار آپ کو آرڈر دوں گا اور امید کروں گا کہ آپ بہت کم دنوں میں آرڈر کی تکمیل کر کے بنا کسی نقص کے مال ڈیلیور کریں گے۔ جتنی جلدی آپ کام مکمل کریں گے اتنے ہی زیادہ آرڈرز آپ کی خدمت میں ہم پیش کرتے رہیں گے''۔ وہ مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرتے ہوئے بولا۔ وہ ہر لفظ کے ساتھ اپنے ہاتھوں کا بھی استعمال کر کے بات کو وزن دار کرتا تھا، کرن کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''لیکن ناقص مال سے مکمل پرہیز کیجئے گا کیونکہ یہ ہماری نہیں ہمارے ملک کی ریپوٹیشن کا سوال ہے۔ وہاں میری کمپنی کا نہیں، میرے ملک کے نام سے تمام اشیاء پہنچائی جائیں گی''۔ احسن خان نے دوبارہ سے بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''اوہ تھینکس... تھینک یو سو مچ احسن صاحب... یہ میرا عہد ہے کہ آپ کو ہم سے مایوسی نہیں ہوگی۔ یہ تمام آرڈر کی تکمیل میری سپرویژن میں ہوگی۔ آپ بے فکر ہو کر مجھ پر اعتماد کیجئے''۔ کرن نے مسکراہٹ کے ساتھ ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے اسے یقین دلایا۔ احسن نے سر ہلاتے ہوئے مزید کہا۔

''مس کرن! آپ کل کوٹیشنز مجھے میل کر دیجئے گا یا پھر دستی طریقے سے بھجوا دیجئے گا۔ وہ جیسا آپ کو مناسب لگے۔ آج سے آپ لوگ بھی ہماری ٹیم کا حصہ ہیں''۔ احسن نے اس کے پر مسرت چہرے سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ وہ واقعی بہت مسرور تھی اور سب سے زیادہ خوشی اسے یہ تھی کہ پہلی بار وہ کسی کو قائل کر پائی تھی، ورنہ آرڈرز ڈیل کرنے کے لئے اس کے پاپا نے دیگر ورکرز رکھے ہوئے تھے، اتنی دیر ہوگئی تھی اسے یہاں آئے ہوئے، حلق پیاس سے سوکھا جا رہا تھا، اس نے شرارتی مسکان کے ساتھ کہا۔

''احسن صاحب! کیا آپ کے یہاں مہمانوں کو ڈرنکس وغیرہ پلانے کا رواج نہیں ہے کیا؟'' کرن کی اس بات پر احسن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا گویا اس نے اچنبھے والی بات کر دی ہو۔

''اوہ ہاں... ضرور کیوں نہیں... ایک جوس بھیجئے گا پلیز''۔ احسن نے ریسیور کان سے لگا کر آرڈر دیا، کرن مسلسل میز کی دوسری جانب بیٹھے اس انتہائی پرکشش انسان کی باتوں میں کھوئی ہوئی تھی جس کے انداز و گفتار ہر ایک چیز میں خوبصورتی کا امتزاج تھا، صحیح کہتے ہیں لوگ کہ کچھ لوگ بولتے ہیں تو گویا باتوں سے پھول جھڑتے ہیں اور واقعی آج اسے مثال اپنے سامنے نظر آ رہی تھی، وہ مسلسل اس سے دیگر امور پر بات چیت کر رہا تھا، اتنے میں سرونٹ نے کرن کے سامنے جوس سرو کر دیا، کرن نے گلاس آگے کھسکایا اور رسماً احسن سے پوچھا۔

''احسن صاحب! ہیو آ ڈرنک پلیز''۔ احسن نے چونکتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ نو... میرا روزہ ہے، بلکہ افطاری کا ٹائم بھی بس ہوا چاہتا ہے''۔ احسن نے غیر شعوری طور پر گھڑی پر نظریں ڈالتے ہوئے کہا، کرن اس غیر متوقع جواب سے شرمسار ہی تو ہوگئی تھی، وہ تو بھول ہی گئی تھی کہ رمضان جیسے بابرکت مہینے میں ہر مسلمان کا روزہ ہوتا ہے سوائے اس کے جس نے کبھی روزے رکھے ہی نہیں، جس کی تربیت بنا ماں کے نوکروں کے ہاتھوں پل کر جوان ہوتے ہوئے ہوئی، نہ کبھی اس نے پاپا کو روزے رکھتے دیکھا نہ کبھی خود رکھنے کی کوشش کی، کبھی کمپنی میں روزے دار نظر آ جاتے تو وہ غریبوں کی عادت و عبادت سمجھ کر نظر انداز کر دیتی یا نظریں چرا لیتی تھی، مگر آج خود اس کی سوسائٹی کا ایک ینگ جنریشن سے تعلق رکھنے والا امیر و کبیر آدمی اسے ٹکرایا جو خود انتہائی احترام کے ساتھ روزے رکھ رہا تھا بلکہ رمضان جیسے بابرکت مہینے کا احترام بھی خشوع و خضوع سے کر رہا تھا، اسے سرتاپا شرمسار کر گیا۔ وہ نظریں جھکائے شرمندگی سے جوس ختم کرنے لگی، میز

کی دوسری جانب براجمان احسن خاموشی سے فائل کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ اس پہلی ملاقات نے کرن پر کئی تاثرات چھوڑے تھے، ایک طرف احسن خان جیسی سحر انگیز شخصیت سے ملاقات کا جادو اسے ہواؤں میں لئے اڑا رہا تھا، دوسری طرف دین سے دوری اسے اندر ہی اندر پشیمان کر رہی تھی۔

☆............☆............☆

وہ احسن خان سے دوبارہ ملاقات کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی، دل تھا کہ بس اسی ساحر سے ملاقات کو بے تاب تھا اور دل، دیدار یار کے لئے مضطرب تھا۔ ایسے میں بس کوٹیشنز دینے کے بہانے وہ احسن خان سے روبرو ہو سکتی تھی۔

''کتنا احمقانہ پن اور مضحکہ خیز لگے گا اگر میں خود کوٹیشنز ڈسکس کرنے پہنچ جاؤں''۔ وہ اپنی ٹیبل پر موجود پیپر ویٹ کو گول گول گھماتے ہوئے خود سے ہمکلام ہوئی۔

''یہی ایک وجہ ہے ورنہ تو ملاقات ہونا ناممکن ہو جائے گا... بس طے ہے، آگے کے اب تمام مراحل میں خود احسن خان سے ڈسکس کروں گی''۔ اس نے خود کلامی کرتے ہوئے گویا فیصلہ لیا تھا۔

ابھی وہ آفس سے نکلنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ مصطفیٰ احمد کی اچانک آمد نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا، وہ پاپا کو احسن خان کے دیئے جانے والے آرڈر کی تمام تفصیلات سے آگاہ کر چکی تھی، اس نے من و عن ایک ایک بات اور اپنے اور احسن کے درمیان ہونے والی گفتگو ان کے گوش گزار کر دی تھی اس کے باوجود وہ مصطفیٰ احمد کو دیکھ کر پھر احسن خان کی شخصیت کے بارے میں ڈسکشن کرنے لگی۔

''پاپا وہ ایک عجیب سی طلسمی شخصیت کے مالک ہیں، آئی ایم سو امپریسڈ ود ہم... ان کا انداز تخاطب، ان کا اسٹائل اور ہر ایک چیز قابل تعریف ہے''۔

''میری بیٹی کسی سے اتنا متاثر ہو، وہ واقعی قابل ستائش انسان ہوگا۔ اب تو یقیناً ملنا پڑے گا احسن خان سے بھی''۔ وہ ہنستے ہوئے بولے اور امپورٹڈ گریے سگار سلگا کر ہونٹوں میں دبا لیا، وہ کرن کی دلچسپی محسوس کر کے اندر ہی اندر محظوظ ہو رہے تھے، پہلی ہی ملاقات میں کرن کا اتنا متاثر ہو جانا ایک حیرت انگیز بات تھی، وہ کافی دیر اپنی بیٹی سے مختلف موضوعات پر بات چیت کرتے رہے، انہوں نے اپنی مختلف رائے اور تجربات کی روشنی میں کرن کی فائل مینٹین کرنے میں مدد کی، کرن کا خود فائل احسن خان کے حوالے کرنے جانا انہیں مضحکہ خیز لگا مگر انہوں نے مصلحتاً چپ سادھ لی۔

کرن تمام ضروری دستاویزات کے ہمراہ احسن خان کے روبرو موجود تھی، آج وہ نماز کا وقت گزر جانے کے بعد ہی ان سے ملنے گئی تھی۔

''ارے آپ نے کیوں زحمت کی خود آنے کی، یہ کوٹیشنز اور دیگر دستاویزات تو کسی کے بھی ہاتھ بھجوائے جا سکتے تھے مس کرن''۔ وہ ہمیشہ کی طرح چہرے پر تبسم لئے بولا۔ میز کی دوسری طرف وہ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ جلوہ گر تھا، کرن ادھر ادھر دیکھتے ہوئے لٹ کان کے پیچھے کرتے ہوئے بولی۔

''احسن صاحب! وہ آج ہمارے منیجر صاحب ریسٹ پر تھے، میرا یہاں سے گزر ہوا تو سوچا آپ کو خود ہی مل کر یہ فائل دے دوں''۔ کرن کا نظریں چرانا اسے مسکرانے بلکہ بار بار مسکرانے پر مجبور کر رہا تھا۔

''ہاہا... اوہ اچھا... زہے نصیب کہ آپ نے اتنی زحمت کی۔ خیر کام کی باتیں تو ہوتی رہیں گی، پہلے یہ فرمایئے کہ کیا پینا پسند کریں گی آپ؟ چائے، کافی یا اینی تھنگ ایلس؟'' اس کا یہ پوچھنا کرن کو شرمندہ کر گیا، احسن بخوبی اس کی پشیمانی کو بھانپ گیا تھا بھی فوراً اس کی جھینپ مٹانے کے لئے بولا۔

''مس کرن! آپ بالکل بھی شرمندہ مت ہوئیے گا، میرا مقصد آپ کو ہرگز یہ احساس دلانا نہیں

تھا کہ آپ روزے نہیں رکھتیں بلکہ میں گزشتہ ملاقات کے دوران ہونے والی اپنی خفت مٹا رہا تھا کہ میں مہمانوں کو چائے اور ڈرنکس کا نہیں پوچھتا"۔ وہ کہتے ہوئے ہنسنے لگا اور کرن کی طرف بغور جانچتے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"آ... نہیں احسن صاحب، تھنک ایلس، میں کچھ نہیں لوں گی۔ یہ سچ ہے کہ میں روزے سے نہیں ہوں مگر روزے داروں کے روزے کا احترام کرنا مجھ پر عین فرض ہے"۔ وہ نظریں جھکاتے ہوئے اپنی مخروطی انگلیوں سے کھیلتے ہوئے گویا ہوئی۔

"مجھے لگتا ہے کہ آپ فائل چیک کر کے اسے اپرو کر دیجئے تاکہ جلد از جلد کام کو شروع کروایا جا سکے، میں کام میں کسی بھی قسم کی تاخیر نہیں چاہتی"۔ وہ فائل آگے بڑھاتے ہوئے بولی تاکہ بات پوری پلٹ جائے اور واقعی احسن فوراً فائل کی طرف متوجہ ہو گیا، وہ یکے بعد دیگرے صفحوں کو پلٹ کر جائزہ لینے لگا۔

"ہم م م... کوٹیشنز تو قابل ترجیح ہیں، آرڈر کی تعداد و معیار میرے پاس فائل میں موجود ہیں، میں آپ کے حوالے کر دیتا ہوں، باقی کام آپ کا ہوگا مس کرن"۔ وہ کہتے ہوئے میز پر فائل ڈھونڈنے لگا۔ فائل کی عدم موجودگی کے احساس سے اس کی نگاہ خود بخود کمرے کے سائیڈ کارنر میں موجود چھوٹی سی شیشے کی ٹیبل پر جا ٹھہری۔

"اوہ لگتا ہے فائل وہاں رکھی ہے میز پر۔ مس کرن! پلیز اگر آپ کو گراں نہ گزرے تو کیا آپ وہ فائل اٹھا کر لا سکتی ہیں"۔ احسن خان کے لہجے میں گزارش تھی، کرن کو یوں خود اٹھ کر فائل اٹھانا کچھ معیوب سا لگا مگر وہ پھر بھی اپنی نشست چھوڑ کر اٹھی اور فائل اس کے حوالے کر دی۔

"بہت شکریہ... پتہ نہیں کیسے میں فائل وہاں رکھ کے بھول گیا"۔ وہ فائل اس کے حوالے کرتے ہوئے شرمندگی سے بولا، کرن خود بھی حیران تھی کہ بظاہر اتنا مہذب نظر آنے والا انسان اتنا سست کیسے ہو سکتا ہے، یا پھر وہ نہ اٹھ کر اپنے عہدے کا رعب ڈالنا چاہ رہا تھا، ایسے کئی خیالات کرن کے دماغ میں تھے جنہیں وہ جھٹک کر شکریہ ادا کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مغرب ہوئی چاہتی ہے، اگر ممکن ہو تو افطار میں ساتھ دیجئے"۔ احسن نے مسکان سجاتے ہوئے دعوت دی جسے اس نے مسکرا کر مسترد کر دیا۔

"مس کرن! آئندہ کبھی کسی کام کے بارے میں آگاہی چاہئے ہو تو یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے جس پر موجود میرے پرسنل نمبر پر آپ جب چاہیں کال کر سکتی ہیں"۔

"اوہ تھینکس! اس کی مجھے... میرا مطلب ہمیں اشد ضرورت تھی"۔ اس نے فوراً اپنے جملے کی تصحیح کر دی کہ کہیں احسن خان اس کے تاثرات نہ بھانپ لے اور الوداعی جملے کہتی ہوئی وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

کرن کے جانے کے بعد وہ ابھی تک اس کی مہک کو سانسوں کے ذریعے اپنے دل میں اتار رہا تھا، وہ آنکھیں بند کیے مسلسل اسی کے خیالوں میں کھویا رہا تبھی کسی احساس سے چونک کر اس نے آنکھیں کھول دیں، وہ پرنم آنکھیں لیے کافی دیر میز پر پڑی مصطفیٰ اینڈ مصطفیٰ پلاسٹک مولڈنگ کمپنی کے مونوگرام والی فائل کو گھورتا رہا اور چند لمحوں بعد پلکیں جو بھینچیں تو کتنے ہی آنسو فائل کور کی نظر ہو گئے، ایک خارزار احساس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، یہ درد صرف وہ خود ہی محسوس کر سکتا تھا جس درد نے اسے وجود زن کی ہر خوشی سے محروم کر رکھا تھا، شاید زندگی کی سب سے بڑی دشمن انسان کی اپنی خواہشات و توقعات ہوتی ہیں جن کا کبھی پورا نہ ہونے کا امکان کتنا مایوس کن اور تکلیف دہ ہوتا ہے اسے آج احساس ہوا تھا۔

کرن کافی دفعہ بزنس امور پر بات کرنے کے لئے احسن کو کالز کر چکی تھی، وہ جتنا بے اعتنائی برتنا چاہتا تھا، دل مسلسل اسی پری پیکر کی جانب ہمکتا چلا جا رہا تھا، کرن اب اس حد تک اس کے سامنے خود اعتماد اور فرینک ہوگئی تھی کہ وہ صاف صاف اسے ڈنر کے لئے دعوت دے چکی تھی، احسن مسلسل ڈنر کی دعوت کو ٹالنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا، کرن بھی اسے ڈنر پر آنے کے لئے آمادہ کرنے پر بضد تھی۔

''احسن صاحب پلیز۔۔۔ میں ایک دوست ہونے کے ناطے آپ کے ساتھ ڈنر کرنا چاہتی ہوں اور آپ مختلف حیلے بہانے بنا کر مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کل میں آپ کا ریسٹورنٹ میں ویٹ کروں گی اور مجھے امید ہے کہ آپ ضرور آئیں گے''۔ اس نے اپنے اندر اٹھنے والی اضطراب کی کیفیت سے تنگ آ کر اسے لیٹ نائٹ فون کیا اور صاف مدعے کی بات کرنے لگی، اسے احسن کی آواز سنتے رہنا اس قدر حسین لگتا تھا کہ دل کرتا ساری رات اس کی مردانہ بھاری آواز سے اپنے کانوں کو سکون دیتی رہے، مگر وہ جلد مختصر سی بات کر کے فون رکھ دیتا تھا۔

وہ نئے دور کی بولڈ پڑھی لکھی خوبصورت لڑکی تھی اور احسن خان میں اسے اپنا آئیڈیل نظر آتا تھا جس کے ساتھ ساری زندگی بِتانے کے احساس نے ہی اسے محبت کے پہلے سبق سے روشناس کرایا تھا، آج بھی اس پہر کرن کی کال کی آمد نے احسن کو چونکا دیا تھا، وہ کتاب سائیڈ میں رکھتے ہوئے الفاظ ڈھونڈنے لگا کہ کیا جواب دے۔ اس طرح بار بار کسی کی دعوت کو ٹھکرانا بہت توہین آمیز عمل تھا، وہ ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا۔

''کرن! میں آج کل انتہائی مصروف ہوں، میرا رات میں نکلنا بہت مشکل ہوتا ہے، آپ کو بار بار انکار کرنا اچھا نہیں لگتا، میں اب آپ کو کیسے سمجھاؤں؟'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ جانتا تھا کہ کرن کے قدم اس کی طرف کس قسم کے جذبات رکھتے تھے، آدمی تھا اور عورت کی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھا۔

''مجھے نہیں پتہ کہ آپ کیوں ایسا کر رہے ہیں؟ کسی کے لئے ایک ڈنر کا ٹائم نکالنا کوئی مشکل بات نہیں ہے، اس کے باوجود آپ کا اس طرح سے اگنور کرنا بہت تکلیف دہ ہے احسن صاحب۔ صاف صاف کہوں تو آپ سے مل کر میں آپ کو مزید جاننے کی کوشش کرنا چاہ رہی تھی اور اس کی وجہ؟ آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں، آپ خود سمجھدار ہیں''۔ کرن نے صاف گوئی سے اسے کہہ دیا، وہ خود اتنی اپ سیٹ اور بے چین تھی کہ آج اس سے ہر بات صاف گوئی سے کرنے کی ٹھان لی تھی، دوسری طرف وہ حیرانی سے اس کی باتیں سن رہا تھا، اس نے موبائل دوسرے کان سے لگاتے ہوئے بہت محبت سے کہا۔

''کرن کسی کو جاننے کے لئے ایک ملاقات تو کافی نہیں ہوتی ناں۔۔۔ اور مجھے جاننے میں آپ کی اتنی دلچسپی کا ہونا میں اچھی طرح سمجھتا ہوں، مگر آپ شاید حقیقت کے کئی پہلوؤں سے انجان ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ان بزنس میٹنگز کے دوران ہمارے درمیان جو رشتہ پنپ گیا ہے اس رشتہ میں بہت سے حقائق پس پردہ رہیں تو میرے لئے بھی بہتر ہے اور آپ کے لئے بھی''۔ وہ ہر بات پر زور دیتے ہوئے اسے قائل کرنے کی سعی کر رہا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ حقائق میرے سامنے لانے سے گریز کر رہے ہیں، اگر ایسا ہے تو احسن صاحب میں بہت بے چین ہوں آپ کو مکمل طور پر جاننے کے لئے۔ میری طرف ایک قدم آپ کو زندگی کے نئے پہلوؤں سے روشناس کرا سکتا ہے، پلیز میری خاموش محبت کا زیادہ امتحان مت لیجیے، اگر میں آپ کو پسند نہیں یا آپ کسی اور کو پسند کرتے ہیں تو

صاف گوئی کا مظاہرہ کیجیے اور بتا دیجیے تاکہ اس اضطراب کی کیفیت سے مجھے نجات مل سکے۔ میں ابتدا میں ہی کرب سہہ لوں گی مگر آگے اگر پیشرفت کے بعد مجھے مایوسی ہوئی تو وہ درد سہنا آسان نہ ہوگا۔ برائے کرم... میری محبت کو تسلیم کرنا ہو تو کل ٹھیک نو بجے میں آپ کا انتظار کروں گی... آپ اگر نہیں آئے تو میرا تعلق آپ سے اسی وقت ختم ہو جائے گا۔" وہ سنجیدگی سے بول رہی تھی، نائٹ بلب کی روشنی میں اسپلٹ کی کولنگ میں اس کے چہرے پر جھولتے کھلے بال اور سنجیدگی کا عنصر اس کے چہرے کو مزید حسین بنا رہا تھا، دوسری جانب احسن جواب دینے کے لئے الفاظ تلاش کر رہا تھا، اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"کرن! آپ میری دوستانہ رویے میں کی جانے والی بات چیت کو ہرگز بھی محبت کا نام نہیں دے سکتیں۔ شاید میری ہی غلطیاں ہیں جو آپ کے خیالات میرے بارے میں اس طرح بدل گئے ہیں نہ میں آپ کو ناپسند کرتا ہوں اور نہ ہی کسی کو پسند کرتا ہوں، بس آپ کو یہ کہوں گا کہ آپ نے بہت جلد بازی سے کام لیا ہے۔ میں نے آپ کے بارے میں ایسا کبھی سوچا نہیں۔" وہ تمام تاثرات چھپاتے ہوئے گویا ہوا۔ درحقیقت وہ پہلی ملاقات میں ہی کرن کا اسیر ہو گیا تھا، پر دل ناتواں کو ہمیشہ اس گمان میں رکھتا رہا کہ نہیں، وہ کسی بھی حال میں کرن سے محبت نہیں کر سکتا مگر یہاں خود الٹا کرن اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی، وہ غیر یقینی کی کیفیت میں تھا مگر اپنی محبت سے مسلسل انکاری تھا۔

"تو ٹھیک ہے احسن صاحب! میں ایک آخری موقع اپنی پاکیزہ محبت کو ضرور دوں گی، اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ کل کی ملاقات تو طے ہے جو کہ اب میری ضد بن چکی ہے۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔" کرن نے مختصراً کہہ کر لائن ڈراپ کر دی۔ وہ کافی دیر موبائل کو گھورتی رہی اور سوچوں کے تانے بانے بنتی الٹے لیٹے چھت کو گھورنے لگی۔

☆............☆............☆

وہ بے چینی سے ادھر ادھر پہلو بدلتے ہوئے کبھی اپنی کلائی میں بندھی گھڑی پر نظر ڈالتی، یا پھر ایک بے چین نگاہ گلاس ڈور سے باہر کہ شاید احسن خان کا خوبرو چہرہ اس کی نظروں کے سامنے آجائے، مختلف اقسام کے لوگوں کی آمد و رفت مسلسل اس خوبصورت سے ریسٹورنٹ میں لگی ہوئی تھی مگر نہ آیا وہ جس کے وصل کا انتظار وہ تقریباً ایک گھنٹے سے کر رہی تھی۔ اسے قوی امید تھی کہ احسن خان ضرور اس کی دعوت قبول کر کے وقت سے پہلے ہی پہنچ جائے گا مگر خلاف توقع نہ وہ آئے نہ ہی کوئی پیام آیا۔

"اف... کتنا مشکل ہے یوں انتظار کی کوفت سہنا... ہائے رے محبت، تو نے اپنی ہی نظروں میں رسوا کر دیا۔" اس نے گلاب کا پھول جو کافی دیر سے نازک سے ہاتھوں میں تھا، اسے مسلتے ہوئے خود کلامی کی۔

"اگر آپ نہیں آئے تو میرا تعلق اسی وقت آپ سے ختم ہو جائے گا۔" احسن سے رواروی میں کہے گئے یہ الفاظ مسلسل اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ وہ کیسے اس سے تعلق ختم کر سکتی تھی، یہی تو وہ انسان تھا جسے کرن نے اپنے دل کے سنگھاسن پر جگہ دی تھی مگر بہت خوداعتمادی سے اس نے کہا تھا گزشتہ رات فون پر "اگر آپ نہ آئے تو میرا تعلق اسی وقت آپ سے ختم ہو جائے گا" مسلسل اس کے کانوں میں اپنے ہی کہے گئے الفاظ گونج رہے تھے۔ وہ فیصلہ ہی نہیں لے پا رہی تھی کہ کیا کرے، اتنی دیر انتظار کے باوجود وہ سنگدل صنم نہ آئے تو انسان کیا کرے؟ اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ سامنے رکھے کافی کے کپ پٹخ دے، مگر اپنے جذبات پر قابو پاتی اس نے احسن کا نمبر ڈائل کرنے کا سوچا مگر کسی خیال کے تحت اس نے فیصلہ ترک کیا اور گاڑی کی چابی نکال کر باہر آگئی۔

غصے سے لال پیلی ہوئی اور دل ہی دل میں فیصلہ کرتی کہ کل آخری بار احسن خان سے مل کر اسے رسوا کرے گی، اپنی ہتک کا احساس دلاتے ہوئے اسے ذلیل کرے گی، وہ گاڑی میں بیٹھی اور گھر آگئی۔

☆............☆............☆

اگلے دن امبرائیڈڈ کرتی پہ ٹائٹ جینز پہنے، گلے میں اسکارف لیے وہ دندناتی ہوئی احسن خان کے آفس میں پہنچی تھی، سیکریٹری کے روکنے کے باوجود وہ پھرتی سے سیڑھیاں عبور کرکے احسن کے روم کے باہر پہنچی اور بنا دستک کے ہی اندر گھس گئی، اندر کے ماحول نے کرن کے برہم تاثرات میں ذرا برابر تبدیلی پیدا نہیں کی، احسن کچھ کلائنٹس کے ساتھ میٹنگ میں مصروف تھا، کرن کی اچانک آمد سے وہ بوکھلا گیا تھا، اچھی طرح سے جانتا تھا کہ وہ ضدی لڑکی تو ٹلے گی نہیں اسی لیے خود میٹنگ برخاست کرکے سب کو باہر جانے کو کہا، سب کے جاتے ہی وہ دندناتی ہوئی آگے بڑھی اور دونوں ہاتھ ٹیبل پر جماتے ہوئے انتہائی چڑتے ہوئے بولی۔

"آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں احسن صاحب؟ آپ جانتے ہیں کہ انتظار جیسی کوفت مجھ سے برداشت نہیں ہوتی اس کے باوجود میں نے صرف آپ کے لیے کتنی ہی دیر احمقوں کی طرح ویٹ کیا... اور آپ اپنی ضد اور ہٹ کے پکے نکلے، نہیں آئے، کیا میں اس کی وجہ جان سکتی ہوں؟ کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

"کرن... آپ بیٹھیے پلیز"۔ احسن بولا۔

"نہیں بیٹھنا مجھے، میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے شروع میں ہی بتا دیجیے کہ آپ میرے لیے کیا جذبات رکھتے ہیں، آپ کی ذو معنی باتوں اور خاموشی کو میں خاموش محبت سمجھتی رہی... ہونہہ... کتنی بڑی گدھی ہوں میں جو اندھی بنی رہی، احمقوں کی طرح یہ گمان کرتی رہی کہ شاید آپ بھی مجھے پسند کرتے ہیں، مگر وہی ہوا جو اکثر ہوتا ہے... آپ بھی انہی لڑکوں میں سے نکلے، جو لڑکیوں کی محبت کا تماشا بنتے دیکھ کر لطف اٹھاتے ہیں، مگر مسٹر احسن! یاد رکھیے گا، میں ان بے وقوف لڑکیوں میں سے نہیں کہ جن کی محبت کی تکمیل نہ ہو پائے تو وہ خود کو ختم کرلیں یا صدیوں بیٹھی سوگ مناتی رہیں۔ میں ان لڑکیوں میں سے ہوں جو محبت کے پیچھے خوار نہیں ہوتیں بلکہ ان سے تجربات حاصل کرتی ہیں اور آگے کی زندگی کے لیے لائحہ عمل تیار کرتی ہیں"۔ کرن غصے سے پھنکارتے ہوئے بولی، میز کی دوسری جانب سوٹڈ بوٹڈ احسن خاموش تماشائی بنا اسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا، وہ بکتی جھکتی اپنا غصہ اتار کے رکی نہیں، بلکہ جانے کے لیے مڑ گئی تبھی پیچھے سے احسن کی گمبھیر آواز نے اس کے قدم روک دیئے۔

"اپنی تو ساری بھڑاس نکال لی، میری نہیں سنو گی؟ آخر میرے جذبات سے بھی تو آگاہ ہونا چاہیے تمہیں"۔ احسن کی آواز پر وہ دوبارہ تیزی سے پلٹ کر میز کے پاس آکر رکی اور پھنکاری۔

"کیا صفائی دیں گے آپ؟ وہی پرانے گھسے پٹے کام کے بہانے یا پھر بزنس کی روٹینز... آئی نو ویری ویل"۔

"اتنی قیاس آرائیاں مت کرو، سکون سے بیٹھو"۔ احسن نے اپنی مسکراہٹ کو بمشکل دباتے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹھنا مجھے... جو کہنا ہے ایسے ہی کہیے"۔ وہ ضدی لہجے میں کہتے ہوئے کھڑی رہی، احسن کے کافی اصرار کے بعد وہ کرسی پر ٹک گئی، دل تھا کہ مسلسل دعا گو تھا کہ کاش احسن خان اپنے کیے کی معافی مانگ لے اور اس کی محبت کو قبول کرتے ہوئے اپنی خاموش محبت کا اقرار کرلے، وہ اب بر ہی سے احسن کے کچھ کہنے کی منتظر تھی، تبھی احسن نے سائیڈ کارنر سے پانی کا گلاس اٹھا کر اس کے سامنے کردیا جسے کرن نے چھوا تک نہیں، وہ تو بس احسن کے کچھ کہنے کی منتظر تھی۔

''کرن مجھے معاف کر دیجئے کہ میں کل آنا چاہتے ہوئے بھی نہیں آ سکا... پلیز، میں بات طویل نہیں کروں گا نہ ہی تمہید باندھوں گا۔ وہ سنا ہے آپ نے ٹیلی ویژن پر کہ ''سمپل بات نو بکواس'' تو صاف بات یہ ہے کہ کرن میں آپ سے ہی کیا کسی سے بھی اس آفس کے علاوہ نہیں ملتا۔ یوں کہہ لیجئے کہ اپنے عیب کی پردہ پوشی کے لئے میں نے زندگی کی ہر رنگینی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا ہوا ہے۔ اب آپ جاننے کے لئے بے تاب ہوں گی کہ ایسے کیا عیب ہیں مجھ میں جنہیں چھپانا میری مجبوری ہے''۔ احسن نے کرن کی پھٹی آنکھوں میں کئی سوالات رقص کرتے دیکھ کر کہا، کرن کو اثبات میں سر ہلاتا دیکھ کر اس نے کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ اپنی کرسی پر سے چھلانگ مارنے والے انداز میں کھڑا ہوا اور چوکور میز کی طرف سے گھوم کر عین اس کے مقابل کھڑا ہو گیا، اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ کرنٹ کھا کر کرسی سے کھڑی ہو گئی، پیروں تلے سے زمین کھسک جانا یا آسمان سر پر گر جانا شاید اس وقت کرن کے لئے بہت چھوٹے بے معنی جملے تھے، وہ کچھ ایسی کیفیت میں تھی کہ خود اندازہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اُس کے تاثرات کو کیا نام دیا جائے، وہ بس اپنے سامنے ایک انتہائی پرکشش، گندمی رنگت، جاذب نظر اور چوڑے سینے والے آدمی کو دیکھ رہی تھی جس کا دھڑ تو انتہائی وجیہہ تھا مگر ٹانگیں، جسم کے اعتبار سے انتہا سے زیادہ چھوٹی اور پتلی، وہ بیٹھا ہوا جتنا وجیہہ اور خوبصورت تھا کھڑا ہو کر انتہائی عجیب لگ رہا تھا، چوڑے کندھوں پر بلو سوٹ، ٹائی اور کسی چار سال کے بچے کی طرح ٹانگوں پر بلیک چھوٹی سی پینٹ... یا اللہ... وہ چکرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ الفاظ کہیں اندر حلق میں پھنس گئے تھے، احسن خان کا وجود اور اس کے سامنے اس کی سچی پاکیزہ محبت سوالیہ نشان بنے کھڑے تھے، وہ کرسی کو تھام کر بمشکل کھڑی تھی، کچھ کہتی اس سے پہلے ہی احسن خان واپس اپنی نشست کی جانب بڑھ گیا اور اچھلنے کے انداز میں اس پر بیٹھ گیا، کرسی اس اعتبار سے بنائی گئی تھی جو کہ خاص اسپیشل لوگوں کے استعمال میں آتی ہے اور یہ اونچی کرسی احسن کے عیب کو پس پردہ رکھنے میں اہم کردار ادا کر رہی تھی، کرن تو بس بت بنی اسے دیکھ رہی تھی، حیرانی پریشانی، بے چارگی ایسے کئی تاثرات اس کے چہرے سے عیاں تھے، وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دھپ سے کرسی پر بیٹھ گئی ابھی احسن نے بے چارگی کی کیفیت میں بجھی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''مجھے پولیو ہو گیا تھا بچپن میں، نہ وقت پر علاج ہو سکا نہ ٹریٹمنٹ، کچھ ڈاکٹرز نے سوکھے کی بیماری کہا، کچھ نے الگ الگ نام دیئے اور آخر کار مرض کی تشخیص پولیو کے نام سے ہوئی۔ یقین کرو کرن! میں اپنے آپ کو شروع میں ہی Reveal (بے نقاب) کر دیتا مگر پتہ نہیں زندگی میں پہلی بار... تمہارے سامنے آنے میں مجھے شرمندگی محسوس ہوئی اور انہی وجوہات کی بنا پر میں تم سے گریز کرنے لگا، بہت کوشش کی کہ تمہیں بتا دوں مگر ہمت ہی نہیں ہوئی۔ میرے پاس دنیا کی ہر نعمت ہے مگر اس کے باوجود میں قدرت کی بہت بڑی نعمت سے محروم ہوں... مگر میں بہت شکر گزار ہوں اپنے رب کا جس نے ایک نعمت سے محروم رکھا تو بے انتہا نعمتوں سے نواز دیا، آج میں اتنا پڑھ لکھ کر کسی مقام پر ہوں، تو یہ میرے رب کی مہربانی ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ یہ بات تمہارے سامنے آئے، مگر تم یوں اچانک سے سامنے آ گئیں تو میں مجبور ہو گیا کہ تمہیں اپنے حالات سے آگاہ کروں کہ میں کس قدر لاچار اور مجبور ہوں''۔ وہ کرن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا اور اپنے بے قصور ہونے کا اسے احساس دلا رہا تھا۔

''کرن میں نے ساری زندگی لوگوں کے منہ سے خود کو کارٹون، بونا اور مختلف اقسام کے ناموں سے پکارتے سنا ہے، اللہ پاک نے وہ زبانیں بھی بند کر دیں جب یو کے سے ایم بی اے کر کے میں پاکستان آیا اور خود کے بزنس کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ میں ڈرتا تھا کہ کہیں تم جو مجھ سے امپریس ہو رہی ہو کہیں تمہارے خیالات بھی دوسرے لوگوں کی طرح نہ بدل جائیں، تمہارا میری طرف اٹریکٹ ہونا مجھے... مجھے اس قدر اچھا لگتا تھا کہ میں مسلسل تمہیں دھوکے میں رکھتا رہا، مگر آج سچ اس طرح تمہارے سامنے آئے گا میں نے سوچا نہیں تھا۔ پلیز ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا''۔ احسن نے بے چارگی سے کہتے ہوئے جانچنے والی نظروں سے اسے دیکھا جو بت بنی اسے تکے جا رہی تھی، دماغ میں ایک ہلچل سی تھی، ایک طوفان برپا تھا جسے تھم جانے میں شاید بہت وقت درکار تھا، وہ کہنا چاہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہنے سے قاصر تھی۔ احسن منتظر تھا کہ شاید وہ کچھ بولے، کچھ تو کہے، پر وہ بس خاموشی کا سہارا لے کر اپنی تمام تر حیرت اور تاثرات چھپانے کی کوشش کر رہی تھی، احسن اس طویل خاموشی سے بے چین و بے قرار تھا۔

''پلیز کرن... پلیز کچھ تو کہیے، خدارا آپ کا یوں چپ رہنا مجھے بہت کرب سے دوچار کر رہا ہے، کچھ تو بولیے''۔

''کرب سے دوچار کر رہا ہے؟ کرب سے؟'' وہ ایک دم پھٹ پڑی، دونوں ہتھیلیاں میز پر جماتے ہوئے بولی۔

''کیا اس تکلیف کا اندازہ ہے آپ کو جو اس وقت میں محسوس کر رہی ہوں؟ آپ نے دھوکا دیا ہے مجھے مسٹر احسن... آپ نے اپنی شرمندگی کو پوشیدہ رکھنے کے عوض میری محبت اور احساسات سے کھیلا ہے... یو آر آ پلیئر... یو آر سچ آ پلیئر''۔ کرن نے تالی بجاتے ہوئے نخوت سے کہا، سامنے موجود احسن خان پیچ و تاب کھا کے رہ گیا۔

''آپ نے جان کر اپنی کمزوری مجھ سے چھپائے رکھی اور اپنی خوبرو پرسنیلٹی اور رعب، ٹیلنٹ کا فائدہ اٹھا کر مجھ سے تعلقات بڑھاتے رہے، آپ سب جانتے تھے، آپ کو یقین تھا میری وفاداری اور محبت پر، تبھی... اوہ مائی گاڈ... وہاٹ آ ٹائمنگ...'' کرن نے سر تھامتے ہوئے کہا، غصے سے الفاظ خود بخود لبوں سے ادا ہو رہے تھے۔

''اور آج آپ نے محسوس کیا کہ لوہا گرم ہے تو فوراً آپ نے اس پر چوٹ لگا دی، میں اذیت سے دوچار ہو کر یہاں آئی اور آپ نے خود کو میرے سامنے بے نقاب کر دیا تا کہ میرے دل میں محبت کی جگہ ہمدردی کے جذبات پیدا ہو جائیں... ہیں ناں؟ یو... آر... سچ... آ... پلیئر''۔ کرن نے طنزیہ داد دیتے ہوئے کہا، احسن کے کانوں میں کرن کا تجزیہ گرم سیخیں ڈالنے جیسا تھا، وہ پہلو بدل کے رہ گیا۔ کرن اچانک سے کھڑی ہو گئی اور بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالتے ہوئے اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی اور کہا۔

''میں جا رہی ہوں احسن خان! یہ دھوکا میں ساری زندگی یاد رکھوں گی''۔ وہ کہتے ہوئے رکی نہیں، احسن طلبگار نظروں سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔ ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی رشتوں نے اسے تکلیف اور ہتک ہی دی تھی، اس نے مایوسی اور افسوس سے اپنے سوکھے ہوئے لاغر پیروں کی جانب دیکھا اور اللہ کے حضور شکوہ کرنے سے مکمل خود کو باز رکھنے کی سعی کی اور اس صورتحال میں بھی وہ اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے افطاری کے لئے کھڑا ہو گیا۔

☆.........☆.........☆

کرن کے پاپا مصطفیٰ احمد اپنی بیٹی کے اکھڑے رویّے کو مسلسل محسوس کر رہے تھے، وہ جانتے تھے کہ

کرن کا آج کل اس طرح غصے میں رہنا، یقیناً کوئی اہم بات ہوگی، وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس سے کئی بار کرن کے اس رویئے کا سبب جاننے کی کوشش کر چکے تھے، مگر کرن ان کو ہمیشہ کی طرح مسکرا کر، جھوٹی تسلی دے کر مطمئن نہیں کر پائی تھی۔

عید میں چند روز باقی تھے، آرڈر مکمل کرنے کا کام زوروں پر تھا، کرن ٹوٹے دل اور بوجھل دماغ کے ساتھ کام کو پورا کرنے میں مصروف رہتی تھی، احسن خان کے آفس سے آفیشل کالز بھی وہ اب اٹینڈ نہیں کرتی تھی، ان تمام تر باتوں کے باوجود اس کے دل میں کہیں چھپی ایک خواہش تھی کہ احسن خان کوئی کال یا میسج کرے، خود کو آخر ڈیفائن تو کرے، مگر نہ احسن خان کا کوئی میسج آیا نہ کال۔

عید میں ایک ہفتہ باقی تھا جب پاپا نے زاویار کے آنے کی اطلاع دی، زاویار مصطفیٰ احمد کے مرحوم دوست کا بیٹا تھا جو کہ دبئی میں ڈائمنڈ کا مرچنٹ تھا، وہ پاکستان آفیشل کام کے سلسلے میں آتا جاتا رہتا تھا، وہ جب بھی آتا اس کا قیام کرن کے گھر میں ہی ہوتا، وہ دل ہی دل میں کرن کو پسند کرتا تھا، وہ تھی ہی اتنی سوبر اور کیوٹ کہ ہر کوئی جلد ہی اس کے آگے دل ہار جاتا تھا، کرن کی اس سے کافی ہم آہنگی تھی، اسے زاویار کی آنکھوں میں اپنے لئے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر صاف نظر آتا تھا، زاویار کا مزاحیہ انداز، ہر وقت ہنستے ہنساتے رہنا، موج مستی کرنا اسے اچھا تو لگتا تھا مگر اس میں اسے اپنا آئیڈیل نظر نہیں آتا تھا، اور یہی وجہ تھی کہ وہ زاویار کے بہت زیادہ قریب رہنا نہیں چاہتی تھی کہ کہیں وہ کچھ غلط نہ سمجھ لے، دوسری طرف اس کے پاپا دل ہی دل میں زاویار جیسے اسمارٹ امیر و کبیر انسان کو اپنا داماد گردان چکے تھے، ان کی نظر میں زاویار، کرن کے لئے پرفیکٹ جیون ساتھی تھا۔

''میڈم! سنا ہے آج کل کمپنی کے ورکرز کی بہت درگت بنا رکھی ہے آپ نے، اتنی محنت اگر مجھ غریب پر کر لیتیں تو آج آسمان سے چاند تارے توڑ کے لے آتا آپ کے لئے''۔ وہ اپنے کمرے میں فائلز کی ورق گردانی میں مصروف تھی تبھی زاویار ناک کر کے اندر آیا اور ہاتھ باندھتے ہوئے اسے چھیڑتے ہوئے کہا، کرن نے چونک کر سر اٹھایا اور فائل بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''جناب... لگتا ہے ڈائریکٹ ''مسٹر بین'' دیکھتے ہوئے آ رہے ہو جبھی آتے ہی مسخرا پن شروع کر دیا... ہم م م''۔ کرن کا مسکراتے ہوئے جواب دینا اسے ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

''ہاہاہا... جناب تصحیح کر لیجیے، مسٹر بین نہیں دیکھی... ففٹی شیڈز آف گرے'' دیکھی تھی جبھی تو اتنا رومانٹک جملہ کہا... چاند... تارے این آل''۔ زاویار نے آنکھ مارتے ہوئے جواب دیا، کرن نے مصنوعی برہمی سے اسے دیکھا، وہ اور ہنسنے لگا۔

''اب کیا یوں ہی ایسے فائلوں میں سر دیئے بیٹھی رہو گی کیا؟ اتنے دنوں بعد آیا ہوں میں، مجھے انٹرٹین کرو، کچھ خاطر واطر کرو بھئی میری... ہم آج ہیں... کل ہوں نہ ہوں... چلو سارے کام وائنڈ اپ کرو اور میرے ساتھ چلو، عید کی شاپنگ کرواتا ہوں تمہیں، کیا یاد کرو گی تم''۔

''نو، مجھے نہیں کرنی کوئی شاپنگ، میرا موڈ نہیں ہے زاویار، پلیز برا مت ماننا، ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ''۔ وہ نظریں چراتی ہوئی منع کرتے بولی، زاویار عین مقابل آ کر کھڑا ہو گیا اور زور دیتے ہوئے بولا۔

''ایک منٹ میں کھڑی ہو جاؤ اور یہ جو آج کل رونی صورت بنا رکھی ہے ناں تم نے اسے ٹھیک کرو... ہے (hey) کہیں تمہاری اس رونی صورت کے پیچھے کوئی راز واز تو نہیں ہے؟''

''راز... کیسا راز؟ پاگل ہو تم تو''۔ وہ بولی۔

''جی نہیں، تم کچھ تو چھپا رہی ہو مجھ سے۔ انکل

نے بھی بتایا آج کل تمہارا موڈ خراب رہتا ہے، کوئی خاص وجوہات... کچھ ہوا ہے کیا لائف میں، سب نارمل ہے ناں؟'' اس نے کرن کی جھکی نظروں کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے پوچھا، وہ مسلسل چپ تھی، دل ودماغ پر بس احسن خان سوار تھا، اس کا احساس محسوس ہوتا تو چھن سے آنکھوں کے سامنے اُس کا ادھورا سراپا گھوم جاتا، احسن کی آواز کانوں میں گونجتی تو ساتھ ساتھ اس دھوکے کی بھی یاد دلاتی۔

''اے... تیرا دھیان کدھر ہے؟ یہ تیرا ہیرو ادھر ہے''۔ زاویار نے ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور بالوں کو پیچھے کی طرف کلپ سے قید کرتے ہوئے بولی۔

''تم ایسے تو جان چھوڑو گے نہیں، چلو کہاں چلنا ہے''۔

''وہیں... جہاں کوئی آتا جاتا نہیں''۔ زاویار نے مسکراتے ہوئے گنگنا کر اسے چھیڑا، وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

''اف کبھی سیریس مت ہونا، یہ بتاؤ کہ دولت کھانے پینے کے علاوہ اور اڑانے کے علاوہ بھی کچھ اور سوجھتا ہے تمہیں؟ یا بس اسی میں زندگی گزر رہی ہے''۔ کرن نے پیچھے آتے ہوئے زاویار سے کہا۔

''ہاں ہاں... سوچتا ہوں زندگی میں کچھ کمی سی ہے، اکیلے پیسہ اڑانے میں مزا نہیں آرہا ہے، تم راضی ہو جاؤ تو مل کر یہ کمی بھی پوری کردیں''۔

''ربش... پلیز اب یہ ٹاپک مت چھیڑنا، آئی ایم ناٹ انٹرسٹڈ''۔ کرن نے زاویار کو اس قسم کی باتیں کرنے سے روکتے ہوئے پہلے ہی کہہ دیا، وہ دونوں تیزی سے کارپورچ میں موجود گاڑی کی طرف بڑھ گئے، وہ زاویار کے ساتھ کراچی کے مہنگے ترین مال میں گھومتی رہی، اس کا دھیان کسی چیز میں بھی نہیں تھا، وہ بس زاویار کی خوشی کے لئے اس کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھی، دل تھا کہ زاویار کی خوبصورت سنگت میں بھی احسن خان کے خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا، اس کی یاد کی کسک اسے سارے بدن میں محسوس ہو رہی تھی، زاویار مین شاپ میں اپنی شاپنگ میں مصروف تھا اور وہ باہر کھڑی سارے مال کا جائزہ لے رہی تھی، تبھی اچانک اس کی نظر ایک خوبصورت جوڑے پر پڑی، ایک آدمی اپنی معذور ویل چیئر پر موجود بیوی کو لئے ہنستا مسکراتا شاپنگ میں مصروف تھا، ان دونوں کی خوش گپیوں کی آوازیں صاف محسوس ہو رہی تھیں، اور باتوں سے ان کے میاں بیوی ہونے کا اندازہ ہو رہا تھا، وہ جوڑا انتہائی مطمئن انداز میں ادھر سے اُدھر شاپنگ کررہا تھا، شوہر مسلسل ہاتھوں میں بیگز تھامے اپنی شریک حیات کا دل بہلانے کے ساتھ ساتھ اس کا انتہائی خیال رکھ رہا تھا۔

کرن کے قدم خود بخود ان کی جانب اٹھ گئے، وہ غیر شعوری طور پر پیچھا کرتے ہوئے ان کی باتیں سننے لگی، تبھی اچانک ایک معروف چینل کی ٹیم جو کہ آج کل مختلف مالز میں گھوم کر لوگوں سے لائیو ان کی رائے لیتی ہے، وہاں پہنچ گئی اور اتفاق سے اینکر اسی جوڑے سے بات چیت کرنے لگا، ان دونوں میاں بیوی کی آواز مائیک پر پورے مال میں گونجنے لگی، اینکر نے عید کے حوالے سے بات کی اور ایک سوال کے جواب میں اس معذور عورت کے شوہر نے کچھ کہا، اس کی ہر بات میں اپنی شریک حیات کے لئے محبت کا عنصر نمایاں تھا، کرن ان دونوں سے بہت متاثر ہوئی، وہ عورت ویل چیئر پر موجود تھی اس کے باوجود آج کل کے دور میں اس طرح ایک ایسی عورت کے ساتھ زندگی گزارنا جو خود اپنے پیروں پر چل نہیں سکتی بہت بڑی بات تھی، کرن تاسف سے اس عورت کو دیکھتی رہی تبھی پیچھے سے زاویار نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پکارا۔

''میڈم! آپ شاید یہاں میرے ساتھ آئی تھیں اور مجھے ہی اکیلا چھوڑ کر آپ غائب ہو گئیں''۔

''سوری وہ بس میں ایسے ہی گھومتے گھومتے ادھر آ گئی... تم یہ بتاؤ کہ کیا کیا خریدا؟'' کرن نے جلدی سے بات بناتے ہوئے اسے مطمئن کرتے ہوئے پوچھا۔

''بہت کچھ خریدا اپنے لئے بھی ... اور میڈم... تمہارے لئے بھی، میں تو تھک گیا، اب بھوک سے برا حال ہے، چلو فوڈ کورٹ چلتے ہیں اور کچھ اچھا سا آرڈر کرتے ہیں''۔ زاویار نے پیٹ پکڑتے ہوئے کہا تبھی کرن کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''شرم کرو، رمضان کے مہینے میں کھانے کی بات کرتے ہو، روزے داروں کا نہیں تو رمضان جیسے بابرکت مہینے کا تو خیال کرو''۔ کرن کہنے کے بعد خود ہی نظریں چرانے لگی، اپنی کہی گئی بات کے ساتھ ہی احسن خان کا خیال اس کے دماغ میں گھومنے لگا، وہ جتنا احسن کے خیالوں سے دور بھاگنا چاہتی تھی اتنا ہی حالات اسے احسن خان کے خیال سے قریب کر دیتے تھے، وہ ایک دم چڑ سی گئی اور زبردستی زاویار کو لے کر گھر آ گئی، زاویار بھی اس کے اس اچانک رویئے سے کنفیوز ہو گیا تھا، یادیں خوبصورت ہوں تو دن میں سونے نہیں دیتیں اور اگر تلخ ہوں تو راتیں کالی کر دیتی ہیں۔

☆..........☆..........☆

زاویار کے اچانک پرپوزل سے وہ پریشان سی تھی کہ احسن خان کی چاند رات سے ایک دن پہلے آنے والی کال سے بھی بھونچکا رہ گئی، احسن خان اس سے ملنا چاہتا تھا، کرن نا چاہتے ہوئے بھی ملنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ احسن کی انوی ٹیشن گویا اس کے لئے حیران کن تھی، احسن سے محبت اپنی جگہ تھی اور عزت و احترام کا رشتہ الگ قائم تھا، وہ احسن سے بدظن تھی مگر اس سے نفرت نہیں کر سکی تھی، اس نے سچے دل سے احسن سے محبت کی تھی اور محبت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں سب سے بڑی رکاوٹ احسن خان کا ادھورا پن تھا، کسی ادھورے آدمی کے ساتھ زندگی گزارنا کوئی آسان کام نہیں تھا، زندگی کا سب سے کٹھن کام تھا۔ دوسری طرف زاویار تھا، ایک مکمل صحت مند انسان، اسمارٹ، ایجوکیٹڈ، امیر کبیر، اس کے دماغ میں مسلسل جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ وہ احسن سے ملنے جا رہی تھی، اس کی واضح وجہ یہی تھی کہ وہ ابھی بھی دل سے اسے چاہتی تھی۔

احسن مشہور فائیو اسٹار ہوٹل کے پرسکون ماحول میں اس کا منتظر تھا، آج وہ ویل چیئر پر موجود تھا، ہمیشہ کی طرح اس کا چہرہ نور سے دمک رہا تھا، اس پر خوبصورت گریس فل ڈریسنگ اسے سب میں ممتاز کر رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے سلام کرتی چیئر پر بیٹھ گئی، وہ کرن کو سامنے دیکھ کر کھل اٹھا تھا، دل تھا کہ بے تاب تھا اسے یقین دلانے کو، اس کی غلط فہمی دور کرنے کو، وہ جانتا تھا کہ کرن اس سے واقعی سچی محبت کرتی ہے تبھی وہ اس کے سامنے موجود ہے۔ اس نے کچھ لمحے خاموشی کی نذر کر دیئے پھر ہمت کر کے کرن کو آنے کے لئے شکریہ ادا کرنے لگا۔

''شکریہ کی بات نہیں ہے احسن صاحب! میرے آنے کا مقصد شاید آپ کو ایک اور موقع دینا تھا، اسی لئے چلی آئی۔ آپ کہیے اتنے دنوں بعد کیسے یاد کیا؟'' کرن بولی۔

''میں سمجھ سکتا ہوں کرن! ہماری آخری ملاقات بہت تلخ تھی، اس کی تلخی شاید تمہیں آج بھی محسوس ہوتی ہو گی، سچ کہوں تو تم نے اس دن مجھے موردالزام ٹھہرایا، مجھے پلیئر کا لقب دیا، بخدا اللہ جانتا ہے کہ میں نے کسی خاص مقصد کے تحت تم سے اپنی بیماری کے بارے میں نہیں چھپایا، ارے میں نے تو

بس اپنی کمزوری کو چھپانے کی سعی کی اور بس... اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں تمہیں تمہاری خوبیوں کی وجہ سے پسند کرنے لگا تھا اور تمہاری طرف سے بھی پسندیدگی مجھے محسوس ہو چکی تھی، یقین جانو کہ کسی کا اتنا محبت کرنا پسند کرنا کسے اچھا نہیں لگتا، بس یہی وجہ تھی کہ مجھے تمہارا خود سے اٹریکٹ ہونا بہت اچھا لگتا تھا، تمہاری محبت کہیں نفرت یا حقارت میں نہ بدل جائے اس بات کے خوف نے مجھے تم سے اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لئے مجبور کر دیا... ورنہ میں نے آج تک کبھی کسی کے سامنے شرمندگی محسوس نہیں کی، میں نے 32 سال اپنے اس وجود کے ساتھ گزارے ہیں، میں تو عادی ہوں مگر میں جھوٹا فریبی نہیں ہوں۔ پلیز میری سچائی پر یقین کرو کرن، پلیز''۔احسن کی آنکھوں میں سچائی اور گھمبیر آواز میں محبت کی رمق اسے صاف محسوس ہو رہی تھی، وہ خاموشی سے اس کی آواز کو کانوں سے اپنے دل میں اترتا محسوس کر رہی تھی، دل میں ایک عجیب سا احساس ہچکولے لے رہا تھا، محبت جو اتنے دنوں میں دب گئی تھی آج خوب ابھر کے آئی تھی، اسے احسن کے چہرے میں کچھ روز پہلے مال میں نظر آنے والا جوڑا نظر آنے لگا، کیا دنیا میں ایسے کپلز نہیں ہیں جو ایک دوسرے کی کمزوریوں میں ایک دوسرے کا سہارا ہوں، کیا بیماریاں، معذوری آنے سے پہلے دستک دے کر آتی ہیں؟ کیا میں اس ادھورے انسان کی زندگی میں آ کر اس کا سہارا نہیں بن سکتی؟ اس نے ایسے کئی سوال اپنے آپ سے کر ڈالے، دوسری طرف زاویار ایک مکمل انسان اسے اپنانے کے لئے بے تاب ہوا جا رہا تھا مگر اسے ایک سے ایک لڑکی مل سکتی تھی مگر کیا احسن خان کے نصیب میں کوئی مکمل لڑکی نہیں ہو سکتی؟ اس کے دماغ میں مسلسل سوالات کی جنگ جاری تھی، وہ کئی لمحوں تک احسن کی آنکھوں میں دیکھتی رہی، اور پھر پل بھر میں ہی گویا اس نے فیصلہ کر لیا، اس نے بے ساختہ منتظر احسن کی طرف دیکھتے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''احسن خان... کیا آپ مجھ سے شادی کریں گے؟''

''وہاٹ؟ کرن... آپ کیا کہہ رہی ہیں، یوں اچانک سے''۔احسن تو بھونچکا رہ گیا کرن کے اس غیر متوقع سوال سے۔

''بہت آسان سا سوال پوچھا ہے میں نے احسن آپ سے.. صرف ہاں یا ناں میں جواب دیجئے پلیز''۔کرن نے پوچھا۔

''کرن... کرن آپ سے کون بے وقوف شادی نہیں کرنا چاہے گا، مگر جانتے بوجھتے میں آپ کی زندگی اجیرن نہیں کرنا چاہتا، ایک ادھورے انسان کے ساتھ زندگی گزارنا کوئی آسان نہیں ہے، اگر آپ بھول گئی ہیں تو آپ کو اپنے لاغر پیروں کا نظارہ کر کے یاد دلاؤں کہ میں کیا ہوں؟ میں تو چند منٹ سے زیادہ چل بھی نہیں پاتا کہ میرے پیر میرے وجود کا وزن برداشت نہیں کر پاتے، آپ کیسے ساری زندگی برداشت کر پائیں گی مجھے... سوری میں آپ کی زندگی خراب نہیں کر سکتا''۔احسن نے انتہائی سنجیدگی سے اسے سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔

''میں نے آپ سے محبت اس وقت کی تھی جب میں آپ کی بیماری سے واقف نہیں تھی اور شدت سے محبت اب بھی کرتی ہوں جبکہ میں آپ سے واقف ہو چکی ہوں۔ میں نے آپ سے شادی کا فیصلہ انتہائی سوچ سمجھ کر کیا ہے، پلیز میری محبت کو ٹھکرا کر مجھے ذلیل مت کریں، میں مکمل سہی لیکن میرے اندر بہت ادھورا پن ہے، میرے وجود کے اکیلے پن کو صرف آپ پورا کر سکتے ہیں احسن خان، آپ کا ساتھ، آپ کی محبت میری دنیا اور آخرت دونوں سنوار دے گا، آپ کی سنگت میری زندگی میں انتہائی مثبت تبدیلیاں لے کر آئے گی، میری

محبت سے انکار مت کریں''۔ وہ سچے دل سے اسے یقین دلا رہی تھی، وہ پھٹی آنکھوں سے کرن کو گھور رہا تھا، وہ ہرگز بھی اس کی زندگی خراب نہیں کرنا چاہتا تھا، اس نے اسی لئے کرن کو ڈنر پر مدعو کیا تھا کہ وہ ساری مس انڈرسٹینڈنگ دور کر سکے، مگر اس کو اپنانے کا خیال اُس کے دماغ میں بھی نہیں آیا تھا، وہ سمجھ رہا تھا کہ کرن خود پیچھے ہٹ جائے گی مگر اس کا یوں اچانک سے شادی کا پیغام دینا بہت حیران کن تھا، وہ اب مزید اس کے ساتھ محبت سے کلام نہیں کر سکتا تھا تبھی اس نے درشتی سے کہا۔

''ہوش کے ناخن لیجئے، کوئی آسان نہیں ہے کسی ادھورے انسان کو اپنانا، دنیا والے طعنے دیتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں، آپ جیسی لڑکی نہیں سہہ سکتی... ویسے بھی میں اپنے ہی جیسی کسی لڑکی سے شادی کروں گا تاکہ ہماری زندگی میں جھگڑوں اور فساد کا کوئی امکان ہی نہیں رہے''۔

''اتنا کمزور سمجھ رکھا ہے کیا مجھے؟ میں ڈرتی ہوں کیا دنیا والوں سے؟ یہ دنیا ایک تماشہ ہے، اس کا تو کام ہی مذاق بنانا ہے... مجھے کوئی کم عمر کالج گرل سمجھنے کی غلطی مت کیجئے گا کہ وقتی دل لگی کی اور اپنے رستے ہو لئے، شادی ہو گی میری تو بس آپ سے... ورنہ میں آپ کا انتظار ساری عمر کرتی رہوں گی''۔

''ٹھیک ہے کرتی رہیے آپ اپنی من مانی، مگر گھر جا کر ذرا اپنے پاپا کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا مت بھولئے گا، ٹھیک طرح سے آپ کے دماغ درست کریں گے وہ''۔ احسن کہتے ہوئے ریموٹ کنٹرول سے اپنی ویل چیئر کو موو کرتے ہوئے باہر نکل گیا، وہ منتشر دماغ کے ساتھ اپنی گاڑی کی طرف گامزن تھا، اسے دیکھتے ہی دور سے ڈرائیور نے دروازہ کھول دیا، وہ اتنا الجھا ہوا تھا کہ جلد بازی میں سڑک عبور کرتے ہوئے نہ دیکھ سکا کہ ایک گاڑی بہت تیزی سے اس کی جانب آ رہی ہے، رات کے پہر کم روشنی میں وہ اندازہ نہیں کر پایا، انتہائی خوفناک ایکسیڈنٹ ہوتا اگر کسی نے اسے بچانے کے لئے دھکا نہیں دیا ہوتا، کرن عین وقت پر وہاں پہنچ گئی اور اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس نے احسن خان کو تو دھکیل دیا مگر خود بری طرح تیز رفتار گاڑی کی زد میں آ گئی۔

☆......☆......☆

''دیکھ لیجئے آپ کو بچانے کے چکر میں کتنی ہڈیاں تڑوا بیٹھی ہوں میں... آہ... اتنی تکلیف بھی ہے، کیا اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا میری محبت پر؟'' وہ ہاسپٹل کے روم میں پٹیوں میں جکڑی سامنے موجود پانی سے لبریز آنکھیں لئے احسن خان سے مسکراتے ہوئے استفسار کرنے لگی، احسن خان ٹوٹ چکا تھا، اس کی محبت کے آگے ہار مانتے ہوئے اس نے کہا۔

''میرے جسم کا ایک ایک قطرہ خون کا لے لو مگر جلدی ٹھیک ہو جاؤ، مجھے تمہاری محبت پر اس وقت بھی یقین تھا، آج بھی ہے... میری زندگی، میری جان مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے، میرا ساتھ کبھی مت چھوڑنا''۔ احسن خان نے گھمبیر آواز میں اس کے نرم و نازک خوبصورت ہاتھوں کو تھامتے ہوئے کہا، احسن خان کا اتنا رومانوی انداز میں مخاطب کرنا اسے گدگدا گیا، وہ بس جلد ٹھیک ہونے کی دعا کرنے لگی اور اپنے ہاتھوں سے احسن کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا، تبھی نرس نے اچانک سے آ کر چاند رات کی مبارکباد دی، طلوع سحر ان کی زندگی کے لئے عید کی ڈھیر ساری خوشیاں لانے والی تھی، واقعی جو باطن سے مخلص ہو اس کا ہمیشہ خدا ہوتا ہے اور خدا نے احسن خان کی نئی زندگی کے لئے کرن کا ساتھ رقم کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

نظیر فاطمہ

عید نامے خوشی کا

''اماں! میں آپ کو بتا رہی ہوں اس دفعہ عید پر میں نے پانچ ہزار والا ڈیزائنر جوڑا لینا ہے۔'' زرمین نے حساب کتاب میں الجھی اماں کو مخاطب کیا۔ وہ جو پہلے ہی زیادہ اخراجات اور کم رقم کے چکر میں الجھی ہوئی تھیں۔ زرمین کے اس اعلان پر تپ ہی گئیں۔

''کیوں؟ اس دفعہ تمہارے ابا گورنر بن گئے ہیں جو تمہیں امیروں والے شوق چڑھ رہے ہیں۔'' انہوں نے زرمین کو گھورا۔

''میں آپ سے پیسے نہیں مانگ رہی۔ میں نے پورے چھ مہینوں سے اپنے ٹیوشن کے پیسے جمع کیے ہیں۔ اب میرے پاس اتنے پیسے ہو گئے ہیں کہ میں اپنی خواہش پوری کر سکوں۔'' زرمین نے قدرے لاپرواہی سے کہا۔

''زرمین! تم گھر میں سب سے بڑی ہو اس طرح کی فضول خرچیاں کر کے اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں کے لیے کیا مثال قائم کر رہی ہو؟'' اماں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''کیا ہے اماں! میں کون سا خدانخواستہ کوئی غلط کام کرنے جا رہی ہوں۔ اپنی ایک معمولی سی خواہش پوری کرنا چاہ رہی ہوں اور آپ یوں غصے ہو رہی ہیں جیسے میں نے کوئی انہونی خواہش کر دی ہے۔'' زرمین کو غصہ آ گیا۔

''انسان کو اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں۔ ہم جیسے سفید پوش لوگوں کے لیے اس طرح کی خواہشیں انہونی ہی ہوتی ہیں۔'' اماں اپنا پرس تھام کر اٹھ گئیں۔

''مجھے نہیں پتا...... بس میں نے کہہ دیا تو کہہ دیا۔ حد ہی ہو گئی ہے۔ یہ سفید پوشی تو اسی طرح رہنی ہے۔ اب ہم کیا اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے لیے ترستے ہوئے مر جائیں۔'' زرمین تلخ ہوئی۔

''اب بس کرو۔ کتنی دفعہ کہا ہے کہ ناشکری کی ایسی باتیں مت کیا کرو۔ کس چیز کی کمی ہے تمہارے پاس، عزت، سکون، بہت لوگوں سے بہتر کھانا پینا، پہننا اوڑھنا اور سب سے بڑھ کر یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہی ہو اور کیا چاہیے تمہیں؟ کبھی ان نعمتوں کو بھی گن لیا کرو۔ اپنے اردگرد نظر ڈالو لوگ کیسی مشکل اور محروم زندگیاں گزار رہے ہیں۔'' ناشکری کی باتیں اماں کو یونہی تپا دیتی تھیں۔ زرمین وہاں سے اٹھ گئی مگر وہ دل میں تہیہ کر چکی تھی کہ وہ اپنی یونیورسٹی کی دوست ہانیہ کے ساتھ جا کر عید کی شاپنگ کرے گی۔

☆......☆

زرمین کا تعلق ایک سفید پوش گھرانے سے تھا۔ زرمین کے ابو درمیانے درجے کے سرکاری ملازم تھے۔ اماں کی سلیقہ شعاری نے بھرم قائم رکھا ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی کی بس ایک ہی خواہش تھی کہ ان کے بچے پڑھ لکھ کر اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں۔ زرمین سب سے بڑی تھی جو یونیورسٹی سے ایم ایس سی فزکس کر رہی تھی۔ اس سے چار سال چھوٹا احمر جو ایف



ایس سی میں تھا اور سب سے چھوٹا عامر جو ابھی آٹھویں جماعت میں تھا۔ آج کل کے دور میں بچوں کو پڑھانا لکھانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ دونوں میاں بیوی اپنی کئی ضرورتوں کو پس پشت ڈال کر بچوں کو تعلیم دلوا رہے تھے۔ اماں نے اپنے بچوں کی تربیت بھی قدرے سخت انداز میں کی تھی۔ ان کی جائز ضروریات کو بھی وہ ایک حد میں رہ کر پورا کرتی تھیں۔ بچے بھی صابر شاکر تھے۔ انہیں اپنے ماں باپ کی قربانیوں اور محنت کا ادراک تھا۔ پڑھنے میں تینوں اچھے تھے۔ زمین تو پچھلے دو تین سال سے گھر میں میٹرک کے بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اپنے زیادہ تر تعلیمی اخراجات خود ہی پورے کر رہی تھی۔ وہ بہت محنت اور توجہ سے پڑھاتی تھی سو اس کے پاس اچھی خاصی تعداد میں بچے آتے تھے اور اس کو اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ اس کی فیس اور آنے جانے کا کرایہ آسانی سے نکل جاتا تھا۔ وہ اپنی کمائی کو بڑی احتیاط سے خرچ کرتی تھی۔ اماں کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اپنا خرچہ پورا کر لیتی ہے اس لیے انہوں نے اس سے کبھی بھی پیسوں کا تقاضا نہیں کیا تھا۔ اب احمر نے بھی پڑھنے کے ساتھ ساتھ شام کو ایک اکیڈمی میں پڑھانا شروع کر دیا تھا۔

☆......☆

بی ایس سی تک سب ٹھیک تھا۔ زمین اپنے حالات پر راضی برضا تھی مگر یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کے بعد اسے اپنے حالات سے شکایات رہنے لگی تھی۔ جب وہ لڑکیوں کو بے فکری سے نئے سے نئے جوڑے زیب تن کیے دیکھتی تو اسے اپنے معمولی لباس (جو اتنا بھی معمولی نہیں ہوتا تھا) کا شدت سے احساس ہوتا جو اماں اکثر کٹ پیس والی دکان سے لاتیں اور بہت نفاست اور صفائی سے خود سلائی کرتی تھیں۔ ہر روز لڑکیاں کینٹین میں بیٹھ کر سینکڑوں روپے اڑا دیتیں تو وہ گھر سے لائے ہوئے لنچ کو دیکھ کر رہ جاتی اور بعض اوقات تو وہ لنچ باکس جوں کا توں واپس گھر آجاتا۔ اماں کے پوچھنے پر ''بھوک نہیں لگی'' کہہ کر ٹال دیتی۔ اماں اس کے بدلتے انداز نوٹ کر رہی تھیں مگر فی الحال خاموش تھیں۔

☆......☆

رمضان شروع ہو چکا تھا۔ ہر کوئی روزوں کی مخصوص مصروفیت میں گم تھا۔ پندرہ روزے گزر چکے تھے۔ زمین کا ارادہ تھا کہ اس ہفتے کو وہ یونیورسٹی کے بعد اپنی دوست کے ساتھ جا کر عید کی خریداری کر لے گی۔ جوڑا خریدنے کے بعد سلنا بھی تھا۔ اماں تو ان کے عید کے کپڑے رمضان سے پہلے ہی سی کر رکھ دیتی تھیں کہ رمضان میں روزے کے ساتھ ان سے زیادہ مشقت نہیں ہوتی تھی۔ زمین نے یہ جوڑا خرید کر اماں سے سلوانا بھی تھا۔ زمین اپنی جمع پونجی نکال کر بیٹھک میں چلی گئی تاکہ رقم گن کر اندازہ لگا سکے کہ اس میں کیا کچھ آجائے گا۔ اس نے ساری رقم گنی تو تقریباً ساڑھے چھ ہزار روپے تھے۔ وہ خوش ہو گئی کہ پانچ ہزار میں جوڑا لینے کے بعد وہ اچھے سے مہنگے جوتے بھی خرید لے گی۔ وہ رقم اپنے والٹ میں رکھ مطمئن ہو کر وہیں صوفے پر لیٹ گئی۔ بیٹھک کی گلی کی طرف والی کھڑکی کا شیشہ کھلا تھا اور صوفہ بالکل کھڑکی کے پاس ہی تھا۔

''بھائی! امی کہہ رہی تھیں کہ اس دفعہ ہمیں عید پر نئے کپڑے نہیں ملیں گے۔'' یہ آواز مقدس کی تھی جو اپنے امی ابو اور ایک بھائی کے ساتھ سامنے والے گھر میں کرائے پر رہائش پذیر تھی۔ باپ مزدور تھا اور ماں لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھی۔ خوددار لوگ تھے۔ محنت کرتے تھے مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے تھے۔ دونوں کی آمدنی میں سے گھر کا کرایہ، بل اور بچوں کے اسکول کے اخراجات نکال کر بڑی مشکل سے گزارا ہوتا تھا۔ مقدس کی عمر کوئی چھ سات سال تھی۔ اس کا بھائی اس سے بڑا تھا۔ پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ عصر کے بعد گلی میں سایہ ہو

جاتا تھا۔ وہ دونوں بہن بھائی اکثر ان کی بیٹھک کی کھڑکی کے عین نیچے گلی میں بنے اسٹیپس پر بیٹھے ہوتے تھے۔ جیسے ہی مقدس کی آواز ہوا کے دوش پر اڑتی ہوئی زرمین کے کانوں میں پڑی وہ اٹھی اور کھڑکی کے مزید قریب ہو کر بیٹھ گئی۔

"کوئی بات نہیں مقدس! ہم عید پر پرانے کپڑے ہی پہن لیں گے۔" مقدس کے بھائی نے اسے بہلا سا دیا۔

"پر بھائی! میری ساری سہیلیوں نے نئے کپڑے بنائے ہیں۔" بھائی کا دلاسا ناکام ہو گیا تھا۔

"چلو ہم اللہ سے دعا کریں گے کہ وہ ہمیں عید پر نئے کپڑے دے دے۔" مقدس کے بھائی کی آواز آئی۔

"بھائی! میں تو اتنے دنوں سے اللہ سے دعا مانگ رہی ہوں مگر ابھی تک اس نے کچھ بھی نہیں دیا۔" مقدس کی آواز میں مایوسی گھلی ہوئی تھی۔ زرمین کے دل پر گھونسا سا پڑا۔

"ہم دونوں مل کر مانگیں گے تو وہ دے دے گا۔" مقدس کے بھائی کو حالات نے وقت سے پہلے سمجھوتا کرنا اور اپنی چھوٹی بہن کو بہلانا سکھا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے بھائی ہم دونوں مانگیں گے مگر اللہ سے کہنا عید سے پہلے کپڑے دے دی، ورنہ کر دے ورنہ ہمیں عید پرانے کپڑوں میں کرنا پڑے گی۔" مقدس کی آواز میں اب کے امید کی آمیزش تھی۔

دونوں شاید وہاں سے اٹھ گئے تھے کہ ان کی آواز آنا بند ہو گئی تھی۔ معصوم بچوں کی باتیں سن کر زرمین کے دل میں کشمکش شروع ہوئی۔

"اللہ نے یہ آوازیں تمہیں کسی مقصد کے تحت سنوائی ہیں تو اب تمہیں ان کے لیے کچھ کرنا ہے۔" زرمین کے اندر سے آواز آئی۔

"یہ تو یہاں کے ہر گھر کی کہانی ہے۔ سب کے لیے کچھ کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ میرے پاس فالتو پیسے نہیں ہیں میری تو اپنی چیزیں اتنی مشکل سے آئیں گی۔" دل نے اسے اپنی خواہش پوری کر لینے کا سبق پڑھایا۔

"سب کے لیے کرنے کو کوئی کہہ بھی نہیں رہا، تمہیں صرف جن کے بارے میں آگاہی دی گئی ہے صرف ان کے لیے کچھ کرو۔" اندر کی آواز زیادہ شدید ہو گئی مگر زرمین اس آواز کو دبا کر وہاں سے اٹھ گئی۔

☆......☆

زرمین اس بڑی سی دکان میں اپنے لیے جوڑا پسند کر رہی تھی۔ اس کی دوست ساتھ تھی۔ مختلف جوڑے دیکھتے دیکھتے زرمین کو ڈمی پر ڈسپلے پر ایک جوڑا بہت بھایا۔ وہ بے ساختہ اس کی طرف بڑھی۔ زرمین نے اس کا پرائس ٹیگ دیکھا اس پر چار ہزار نو سو ننانوے روپے درج تھا۔ وہ بہت خوش ہوئی کہ جو جوڑا اسے پسند آیا ہے اس کی قیمت اتنی ہی ہے جتنی وہ گھر سے سوچ کر آئی تھی۔ ابھی پرائس ٹیگ اس کے ہاتھ میں ہی تھا کہ مقدس کی مایوس سی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ پرائس ٹیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کے اندر عجیب سا شور مچ گیا۔

"چلو ہانیہ چلتے ہیں۔" وہ ایکدم اپنی دوست کی طرف مڑی۔

"ارے! مگر تم جوڑا تو خرید لو۔" ہانیہ اس کے انداز پر حیران ہوئی۔

"نہیں رہنے دو، تم چلو۔" زرمین نے اس کا بازو تھاما۔

"اگر سوٹ کی قیمت زیادہ ہے تو بیسمنٹ میں ہماری ڈیزائنرز ریپلیکا (ڈیزائنرز کی ایک نمبر کاپی) کی دکان بھی ہے وہاں سے یہی سوٹ آپ کو دو ہزار میں مل جائے گا۔" دکاندار نے ان کو خالی ہاتھ واپس جاتے دیکھ کر کہا۔

"چلو دیکھ لیتے ہیں۔" ہانیہ، زرمین کو لے کر دکان سے باہر نکل گئی۔

☆......☆

شام چھ بجے کے قریب زرمین ڈھیر سارے

شاپنگ بیگ ہاتھوں میں پکڑے گھر میں داخل ہوئی۔ اماں پنکھے کے سامنے بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

''کر آئی ہو فضول خرچی؟ اچھا بھلا میں نے تمہارے لیے عید کا جوڑا سی کر رکھا ہوا ہے۔'' اماں نے قدرے ناگواری سے کہا۔

زمین نے سارے بیگ فرش پر رکھے اور اماں کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''اماں! میں آپ کی بیٹی ہوں تو پھر بھلا میں فضول خرچی کیسے کر سکتی ہوں۔'' زمین نے لاڈ سے اماں کی طرف دیکھا اور اماں نے طنز سے اس کے لائے ہوئے شاپنگ بیگز کو۔

''اماں! ناراض نہ ہوں۔ یہ دیکھیں میں کیا لائی ہوں؟'' زمین نے اٹھ کر سارے بیگز اٹھا کر چارپائی پر رکھے۔

''اس نے جو خریدنا تھا خرید لیا ہے۔ اب میں اس کو ڈانٹ بھی لوں گی تو کیا فائدہ ہوگا اس کا دل ہی خراب ہوگا۔'' اماں نے دل ہی دل میں کہا اور تسبیح مکمل کر کے اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''اماں! آپ صحیح کہتی ہیں میں واقعی بہت ناشکری ہوں۔'' زمین نے ایک شاپنگ بیگ میں سے کچھ چیزیں نکالتے ہوئے کہا۔

''اب اتنی بھی ناشکری نہیں ہو۔'' اماں کو اپنی بیٹی پر پیار آ گیا جو بہت محنتی اور حساس تھی۔ بس کبھی کبھی تنگ کرتی تھی۔

''اماں! میرے پاس ساڑھے چھ ہزار روپے تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ ایک پانچ ہزار والا جوڑا اور ہزار روپے کا جوتا خریدوں گی۔ کل میں نے مقدس اور اس کے بھائی کی باتیں سنی تھیں کہ ان کو اس دفعہ عید پر نئے کپڑے نہیں ملیں گے۔ مجھے ان پر بہت ترس آیا مگر میں خود غرضی سے صرف اپنی خواہش پوری کرنے کے ارادے پر جمی رہی مگر جیسے ہی میں نے اپنے لیے جوڑا پسند کیا تو اچانک میرے کانوں میں دونوں بہن بھائیوں کی باتیں گونجنے لگیں اور میرا ضمیر مجھے ملامت کرنے لگا۔ میں ایک فیصلہ کر کے جوڑا خریدے بغیر واپس آنے لگی تو دکاندار نے بتایا کہ یہی والا جوڑا دو ہزار میں مل سکتا ہے تو میں نے اپنے لیے دو ہزار کا یہ جوڑا خریدا۔ جوتا نہیں خریدا کہ پچھلے سال عید پر جو فینسی جوتا خریدا تھا وہی پہن لوں گی۔'' زمین نے جوڑا اماں کی گود میں رکھا۔ جوڑا واقعی خوب صورت تھا۔ اماں کو پسند آیا۔

''باقی جو ساڑھے چار ہزار روپے بچے ان سے میں نے مقدس، اس کے بھائی، امی اور ابو کے لیے مناسب سے جوڑے خرید لیے۔ ساتھ مقدس کے لیے ڈھائی سو روپے کی یہ فینسی چپل بھی۔'' زمین نے ساری چیزیں نکال کر اماں کے سامنے رکھیں۔ اس کے چہرے پر خوشی کی چمک پھوٹ رہی تھی۔ اماں نے ایک نظر اسے دیکھا ان کی آنکھوں میں نمی سی تھی۔

''شاباش میری بچی! یہ تم نے بہت بڑی نیکی کی ہے۔ مقدس کی ماں ادھار کے لیے کل میرے پاس آئی تھی مگر میرا ہاتھ خود تنگ تھا۔ سو چاہتے ہوئے بھی اس کی مدد نہ کر سکی۔ دیکھو اللہ نے تمہیں ان کی ضرورت پوری کرنے کا وسیلہ بنا دیا۔'' اماں کو یہ ساری چیزیں دیکھ کر بہت خوشی بھی ہوئی تھی اور اطمینان بھی۔

''بیٹا! جس دل میں اللہ کے بندوں کی محبت اور خدمت کا جذبہ ہو، اس پر اللہ اپنی خاص رحمتیں نازل کرتا ہے۔ تم جاؤ یہ چیزیں مقدس کے گھر دے آؤ۔ وہ لوگ خوش ہو جائیں گے۔'' اماں نے اسے اٹھایا اور خود اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔ زمین وہ چیزیں اٹھائے خوشی خوشی گھر سے باہر نکل گئی اس کا دل خوشی سے بھرا ہوا تھا اور اب وہ چار اور نفوس کے دل خوشیوں سے بھرنے جا رہی تھی اور کیوں نہ بھرتی کہ عید تو نام ہی خوشی کا ہے۔

☆

قرۃ العین سکندر

مونا کی عیدی

مونا بے حد اداس تھی۔ عید میں چند دن رہ گئے تھے مگر اس کی عزیز از جان ہستی اس سے ناراض تھی۔ یعنی اس کے میاں۔

یہ مونا کی شادی کے بعد پہلی عید تھی اور سب لڑکیوں کی طرح اس نے بھی بہت سے خواب اپنی پلکوں پر سجا رکھے تھے مگر شادی کے بعد پہلی پہلی لڑائی ہوئی بھی تو کب عین عید سے چند دن پہلے۔

بات صرف اتنی سی تھی کہ مونا نے سکندر سے کہا تھا کہ وہ عید کے لیے ایک شاندار سا جوڑا منتخب کرے گی کیونکہ اس کی سب سکھیاں عید کے بعد دوسرے دن اکٹھی ہونے والی تھیں۔ ثوبیہ اور امبر کی بھی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور وہ بڑھ چڑھ کر اپنے میاں کی شان میں قصیدے پڑھتی رہتی تھیں۔ جس کا اثر مونا کے ذہن پر بھی ہوا پھر یہ اب اس کی عزت کا سوال تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ عید پر ایسا تیار ہو اتنے مہنگے ملبوسات میں بجی سنوری دوستوں کے سامنے جائے کہ اس کی نرالی جھب دیکھ کر وہ سب دانتوں میں انگلیاں داب لیں۔

مگر سکندر کے معاشی حالات آج کل اچھے نہیں جا رہے تھے۔ زندگی میں عروج و زوال اور معاشی آسودگی اور تنگی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ قدم بہ قدم مونا دیکھ رہی تھی کہ چند دن سے سکندر کچھ خاموش سے ہیں۔ وجہ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ان کا بزنس میں خسارہ ہوا ہے اور اب ان کا ہاتھ بہت تنگ ہے۔ اس لیے شاید وہ اسے اس دفعہ عید کی شاپنگ بھی نہ کروا سکیں گے۔

یہ سن کر مونا نے رونا دھونا مچا دیا۔ اس کے نین کٹوروں میں طغیانی نے سکندر کے دل میں ہلچل مچا دی تھی۔ اسے بھی دکھ تھا کہ وہ اپنی شریک حیات کی اتنی سی آرزو بھی پوری نہیں کر پا رہا ہے وہ چاہ کر بھی مونا کی اس آرزو کو شرمندہ تعبیر نہیں کر سکتا تھا۔

مونا کا آزردہ سا وجود اس کو کچوکے لگا رہا تھا۔ مونا کی ساس یہ سب دیکھ رہی تھیں اور سمجھ بھی رہی تھیں۔ انہوں نے اس مسئلے کا حل سوچا اور پھر اس پر عمل بھی کر ڈالا۔ چاند رات کو انہوں نے سکندر اور مونا کو بلایا اپنے پاس بٹھایا اور ایک بڑا سا شاپر مونا کے سامنے اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' مونا تحیر میں تھی۔

''میرے بچوں کی پریشانی بھی میری پریشانی ہے بیٹا میں نے چند پیسے جوڑے تھے اس سے یہ سب لائی ہوں۔'' ساس بولیں۔

شاپر میں بے حد نفیس کامدار سوٹ تھے۔ میچنگ جیولری اور ساتھ میں چوڑیوں کا سیٹ اور میچنگ سینڈل۔ مونا کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں اور سکندر کے چہرے پر خوشی رقصاں تھی۔ اس کی امی نے اس کی پریشانی دور کر دی تھی۔

''بیٹا! ایک بات یاد رکھنا جلد یا بدیر حالات بدل جاتے ہیں، بس تم ساتھ نبھاؤ۔ تنگی میں بھی اور خوش حالی میں بھی۔'' ساس کی بات پر مونا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ مونا کی عیدی واقعی سب سے لاجواب تھی۔

......☆......



گیتی آرزاء

جو بچ ہیں سنگ سمیٹ لو

''اماں، پاپا دیکھیں یہ ہمارا عید کا جوڑا کیسا لگ رہا ہے۔ اور یہ اس کے ساتھ کی میچنگ کی سینڈل اور چوڑیاں۔''

''اور یہ اماں آپ کے لیے اور پاپا یہ آپ کے لیے۔''

ثمینہ کے اسٹاپ ہوتے ہی نیلم نے شاپنگ بیگ سے دو جوڑوں کے ڈبے نکال کر ان کے سامنے کر دیے۔

''ارے واہ بھئی ہماری بیٹی ہمارے لیے بھی عید کا جوڑا لائی ہے، واہ بہت شاندار۔ بہت عمدہ۔'' پاپا نے حسب عادت تعریفوں کے پل باندھتے ہوئے دونوں بیٹیوں پر شفقت اور محبت سے بھرپور نگاہ ڈالی۔

''اور اماں! آپ کو اچھا لگا جوڑا؟'' نیلم نے پیار سے اماں کے گلے میں باہیں ڈالتے ہوئے پوچھا تو وہ آہستگی سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولیں۔

''ارے بیٹا! کیوں نہیں اچھا لگے گا بہت پیارا ہے بہت خوب صورت۔ مگر میری جان ہمارے جوڑے پر اتنا پیسہ پھینکنے کی کیا ضرورت تھی ہم کوئی بچے تھوڑی ہیں کہ عید پر جوڑے بنائیں۔ عید تو بیٹا بچوں کی ہوتی ہے بوڑھوں کی تھوڑی۔''

''ہاں بیٹا! کیا ضرورت تھی ہم بوڑھوں پر ہزاروں روپیہ پھینکنے کی۔'' پاپا فوراً اماں کی تائید میں بول اٹھے۔

''ارے واہ، یہ کیا بات ہوئی پورے مہینے روزے آپ لوگ رکھیں، رمضان کا اہتمام احترام آپ لوگ کریں اور آپ ہی لوگ عید نہ منائیں!''

نیلم ناراضی سے روٹھے روٹھے انداز میں انہیں دیکھتی تو اماں پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہتیں۔ ''بہت باتیں بنانی آ گئی ہیں تجھے۔''

''اماں کہاں ہیں آپ؟ کہاں چلی گئی مجھے چھوڑ کر دیکھیں آپ کی بیٹی کتنی اکیلی ہو گئی ہے۔ اماں آ جائیے ناں۔''

''نیلی اٹھو بھئی! پاپا تمہیں کئی بار پوچھ چکے ہیں۔''

وہ آنسوؤں سے تر چہرہ تکیے میں چھپائے سسک رہی تھی کہ ثمینہ کی گرجدار آواز نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا۔

''اچھا!'' جواب میں اس نے دھیرے سے کہا اور پھر تکیے میں سر ڈال کر سسک پڑی۔

آج پورا ایک سال ہو گیا تھا اسے ماں سے بچھڑے ہوئے۔ ابھی پچھلے سال کی تو بات ہے وہ اپنی ماں کے سنگ عید کی خوشیاں سمیٹ رہی تھی اور آج ان کے بغیر ان کی یاد میں پڑی سسک رہی تھی۔ اماں کے ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ ایک ایک عید کی خوشیاں اس کی آنکھوں میں فلم کی طرح گھوم رہی تھیں۔

''نیلی! نیلی بیٹا اب اٹھ بھی جاؤ۔ آج کے دن کوئی اس طرح منہ لپیٹے پڑا رہتا ہے اٹھو شاباش



جلدی سے نہا دھو کر عید کے کپڑے پہنو۔"
"کیا ہے اماں سونے دیں ناں اٹھ جاؤں گی۔"
وہ اماں کی آواز پر دوسری طرف کروٹ بدل کر پڑ جاتی۔
"ارے میری جان عید کے روز اس طرح پڑے رہنا نحوست ہوتی ہے۔ اٹھو بیٹا کپڑے بدلو، تیار ہو نیا ہو گیا ہے تیرے؟" اماں پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں تو وہ آہستگی سے ان کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔
"کیا ہو گیا ہے اماں! آپ کو کیا کروں عید ہے تو، اٹھ کر بھنگڑا ڈالوں لڈی ڈالوں یا با آواز بلند اعلان کروں آج عید ہے سب خوش ہو جاؤ تیار ہو کر ناچو گاؤ۔" وہ اماں کی بات پر حسب عادت و معمول چڑچڑاتے ہوئے کہتی اور پھر کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیتی۔
"ارے لڑکی تیار کیوں نہیں ہو رہی جا کر کپڑے بدلو، تیار ہو کوئی آ جائے گا تو کیا کہے گا۔" اماں اسے دن کے بارہ بجے بھی عید کا جوڑا بدلے بغیر پھرتے ہوئے دیکھ کر بولیں۔
"اماں! بدل لوں گی کیا کرنا ہے تیار ہو کر خوش ہونے کو دل چاہ رہا ہے تو ایسے ہی خوش ہو لیں یہ کیا کپڑے بدل کر تیار ہو کر اپنی خوشی کا اظہار کروں۔ اماں سچ پوچھیں تو مجھے تو سب دنوں میں سب سے بور دن یہ عید کا لگتا ہے کیا مزہ ہے اس میں۔ کیا خوبی ہے؟ بس عید کا جوڑا پہن کر ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاؤں یا پھر آنے جانے والوں کی خاطر مدارت میں جُت جاؤ یا پھر لمبی تان کر سو جاؤ، کیا مزہ ہے اس میں کیا خوبی ہے۔"
"چپ کر بے شرم! ٹر ٹر کرے جا رہی ہے۔ ارے کم بخت عید خوشی کا تہوار ہے اسے تو جتنا جوش و خروش سے منائیں، کم ہے اور تو اس دن کو برا بھلا کہہ رہی ہے توبہ کر خدا سے۔"
تب وہ دل ہی دل میں اپنی ہی حرکتوں پر شرمندہ ہوتے ہوئے توبہ کر لیتی۔
"نیلی...... نیلی اٹھو بھئی۔ پاپا تمہیں صبح سے کئی بار پوچھ چکے ہیں اور تم ہو کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہی ہو۔" ثمینہ نے یکدم ہی سے جھنجھوڑا تو اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ اور تکیہ دیکھ کر پریشان ہو اٹھی۔
"نیلی میری جان اس طرح نہیں کرتے اماں کی روح کو تکلیف ہو رہی ہو گی۔ تمہارے اس طرح رونے سے اماں واپس تو نہیں آ سکتی ناں، بس اللہ کی امانت تھی اس نے لے لی۔ ہم کیا کر سکتے ہیں سوائے دعا کے۔" وہ پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔
"ثمو! اماں حیات تھیں تو کتنا مزہ آتا تھا ناں عید پر۔ ہم اپنا عید کا جوڑا پہلے اماں کو دکھاتے تھے اماں کتنا خوش ہوتی تھیں ناں ہمارا جوڑا دیکھ کر اور پھر ہم دونوں بہنیں تیار ہو کر سب سے پہلے اماں پاپا کے پاس عیدی وصولنے جاتی تھیں اور...... اور یاد ہے اماں کی صبح ہوتے ہی ایک ہی رٹ ہوتی تھی۔" بیٹا! آج عید کے دن بھی ایسی پڑی رہو گی، اٹھ جاؤ تیار ہو جاؤ۔" کتنا مزہ تھا ناں ان عیدوں میں۔" وہ اپنی سوچی سوچی آنکھوں کے ساتھ وہ خوب صورت لمحے یاد کر کے مسکرا دیتی۔
"مزہ......!" ثمینہ نے طنز سے اس کی طرف دیکھا۔
"یاد ہے نیلی تم ان دنوں عید کے دن کو کتنا برا بھلا کہا کرتی تھیں۔ سال کا سب سے بور ترین دن اور اب...... اب تمہیں وہی سال کا بور ترین دن ایک خوب صورت یاد بن کر ستا رہا ہے صرف اس لیے کہ وہ اماں کے سنگ گزری خوب صورت یادگار عیدیں تھیں۔ اور تم ہمیشہ ان عیدوں کو بڑا بور، منحوس دن کہتی آ رہی تھیں لیکن ان کی اہمیت اور خوبصورتی کا اندازہ تمہیں اماں کے جانے کے بعد ہو رہا ہے۔"

ثمینہ خود بھی دکھی سی ہو گئی۔

''میری جان خوشی کی کوئی خاص شکل یا مزہ نہیں ہوتا بس اپنے مل جل کر ہنس بول رہے ہیں کھا پی رہے ہیں۔ یہی اصل زندگی، خوب صورت لمحے اور خوشی ہے۔ وہ بور عیدیں اب تمہیں ایک خوب صورت دن اور یاد بن کر تڑپا رہا ہے کیونکہ ان عیدوں میں اماں ہمارے ساتھ ہنس بول رہی تھیں۔ تم نے ہمیشہ ان خوب صورت لمحوں کی ناقدری کی سنت رسول کی نافرمانی کی شاید اسی لیے قدرت نے سزا کے طور پر ہماری ماں کو ہم سے اتنا جلدی لے لیا تاکہ تمہیں اپنی کی ہوئی غلطیوں کا احساس ہو، ان لمحوں کی خوب صورتی کا احساس ہو جو ماں کے گزریں۔''

''تم صحیح کہہ رہی ہو ثمو! خوشی کیا ہوتی ہے اس کی کوئی خاص شکل نہیں ہم اپنوں کی سنگت میں ہنس بول رہے ہیں عید منا رہے ہیں یہی سب سے بڑی خوشی اور خوبصورت لمحہ ہے۔''

نیلم نے اپنے تیزی سے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا اور پھر یکدم ہی دل بھر آنے پر ثمینہ سے لپیٹ کر سسک پڑی۔

''بس میری جان بس! چلو اٹھو شاباش پاپا تمہیں صبح سے کئی بات پوچھ چکے ہیں کہ ہماری بیٹی کہاں ہے۔ ہماری بیٹی نے ہمارے لیے آج کیا کیا پکایا ہے۔ چلو اٹھو، تیار ہو کر پاپا کو اپنا چہرہ دکھاؤ عیدی لو اور ان کے لیے مزے مزے کے عید کے پکوان بناؤ۔ اب اماں نہیں ہیں تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ ہم پاپا کو بھی بھول جائیں یا انہیں اکیلا کر دیں اب تو انہیں ہماری اور بھی ضرورت ہے اور ہمیں ان کی اب ہمیں اپنے لیے نہیں پاپا کے لیے جینا ہے پاپا کے لیے خوش ہونا ہے ان خوب صورت عیدوں کو یادگار بنانا ہے۔''

ثمینہ نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کرتے ہوئے کہا تو وہ بھی آنسو پونچھتی عید کا جوڑا اٹھا کر مسکراتی نہانے چل دی۔ وہ اپنے پاپا کے سنگ ان عیدوں کو پرجوش طریقے سے منائے گی۔ ایک یادگار خوب صورت عید کی طرح کہ ایسے منائے گی کہ پاپا بھی اماں کا غم بھول جائیں گے۔ وہ دل کو ڈھارس ملنے کے بعد باتھ روم کی طرف چل پڑی کہ یکدم ہی پاپا کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

''نیلی بیٹا! کیا پکایا ہے آپ نے اپنے پاپا کے لیے ہمیں کھلائیں گی نہیں؟''

''جی..... جی پاپا آئی ابھی لائی آپ کے لیے عید کے مزے مزے کے پکوان آپ کھائیں گے تو خوش ہو جائیں گے۔'' نیلی نے اپنے کمرے سے کھڑے کھڑے ہی مسکراتے ہوئے پاپا کی بات کا جواب دیا اور جلدی سے کپڑے اٹھا کر باتھ روم میں گھس گئی۔

واقعی ثمینہ صحیح کہتی تھی اصل خوشی تو اپنوں کی سنگت ان کا سنگ ہے اور وہی عیدیں حسین یادگار ہوتی ہیں جو اپنوں کی سنگت میں گزار دی جائیں ہمیں تو ہر عید کے دن کو اتنا پرجوش طریقے سے گزارنا اور منانا چاہیے کہ ہر لمحہ یادگار بن جائے۔ ہر لمحہ حسین ہو جائے۔ وہ اب تک کتنی بڑی بھول کرتی آ رہی تھی عید کے ہر خوب صورت دن کو عام دنوں سے زیادہ اہمیت نہ دینے والا دن بلکہ ان عام دنوں سے زیادہ بور ترین دن قرار دیتی آئی تھی مگر آج اسے احساس ہوا کہ یہ دن ہی تو زندگی کا سب سے خوب صورت اور اہم ترین یادگار دن ہوتا ہے جس میں ہم اپنے پیاروں کے سنگ مل کر ہنس بولتے ہیں خوب صورت طریقے سے اس دن کو سیلیبریٹ کرتے ہیں ہماری زندگی کا ایک حسین ترین دن لمحہ عید۔

......☆......

شازیہ مصطفیٰ عمران

مکمل ناول

عید نے دی خوشیاں اور سجن

آج تو گیٹ پھلانگنے میں اتنی تکلیف ہو رہی تھی اس لیے سیدھی ٹانگ بھی نہیں اٹھائی جا رہی تھی۔ وہ بڑی احتیاط سے گیٹ سے اترا تھا۔ آج تو اس کی کافی بچت ہو گئی تھی اس کی یہ موٹر بائیک کی ریس اس کی ہڈی پسلی بھی توڑ چکی تھی مگر وہ چوری چھپ کے اپنے یہ شوق بھی پورے کرتا تھا۔

''گھٹنے میں بہت درد ہو رہا ہے امی! پتا نہیں جاگ رہی ہوں گی یا نہیں۔'' وہ کچن میں آ گیا اور چیئر پر بیٹھ کے اپنے زخمی گھٹنے کو دیکھنے لگا۔

''آ گئے صاحبزادے۔'' ابو کی گرجدار آواز پر وہ تو اچھل ہی گیا۔

''اف باپ رے باپ۔'' جلدی سے پینٹ کا پائنچا نیچے کیا۔

''اب کون سا ریکارڈ توڑ کے گھٹنا توڑا ہے۔''

''وہ بولا میرا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔'' یوشع کو جھوٹ بولتے ہوئے بھی گھبراہٹ ہونے لگی۔

''ہائے میرا بچہ یوشع یہ خون کیسا ہے؟'' امی تو واقعی اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں وہ اس کی پینٹ پر لگے خون کو دیکھ کر گھبرا گئیں۔

''ارے امی! کچھ نہیں ہے بائیک پھسل گئی تھی تھوڑی سی رگڑ لگی ہے۔''

''بہت بکواس کرتا ہے تمہارا یہ بیٹا۔'' ابو کو تو اس کی لاپروائی پر بہت غصہ آتا تھا دس سال امریکہ میں گزار کے آیا تھا اپنی تعلیم کے سلسلے میں مگر جب سے یہاں آیا تھا سوائے لاپرواہی اور لاابالی پن کے سوا انہوں نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔ رائیڈنگ کا اتنا شوق تھا باقاعدہ وہ ریس لگاتا تھا۔

''آپ تو اسے پتا نہیں کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔''

''میں جو کہتا ہوں ٹھیک کہتا ہوں اس سے بولیے فراز سے کچھ عقل لے جو کتنی اچھی جاب کر رہا ہے اپنے باپ کے آفس میں۔'' وہ ہمیشہ فراز کی مثال دیتے تھے۔

''جو اچھے ہیں اور اچھی جاب کر رہے ہیں کرنے دیں میں برا آدمی نہیں کر سکتا اچھی جاب۔'' پتا نہیں یوشع کے دماغ میں کیا چل رہا تھا وہ بھی دوسرے کو دیکھ کر فالو نہیں کرتا تھا۔

''دیکھا کیسی زبان چلاتا ہے۔''

''آپ بھی تو ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں۔'' امی برا مان کے گویا ہوئیں۔

''میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔'' وہ جلدی سے اٹھ گیا کیونکہ اسے ڈر تھا ابو کا لیکچر نہ شروع ہو جائے وہ ویسے بھی ان سے کبھی بدتمیزی تو نہیں کرتا تھا مگر جواب دے دیتا تھا۔


عید مبارک

''سر چڑھا لیا ہے تم نے۔''

''آپ تو ہر وقت غصہ ہی کرتے ہیں۔'' وہ بھی یوشع کے پیچھے پیچھے ہی چلی گئیں۔ یوسع واش روم میں تھا وہ اس کے بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

''امی! آپ اِدھر جائیں سوئیں ناں۔'' وہ تولیہ سے بال رگڑتا ہوا نکلا تھا۔

''زخم گیلا تھا اور تم نہا لیے۔''

''ٹھیک ہے میں نے گرم پانی سے واش کر لیا ہے۔'' وہ ان کے سامنے چوٹ کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہا تھا [illegible] اپنے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاتا تھا، وہ کیا کر رہا ہے۔ ایاز بھائی سے اس کی کافی بنتی تھی۔

☆......☆

''آنٹی! چائے لے لیں۔'' وہ ڈرتی ہوئی سامنے کھڑی تھی۔ فراز کی نگاہیں اس پر تھیں بے چاری نرگس کے عتاب کا نشانہ بنتی رہتی تھی۔ توصیف احمد کے مرحوم دوست کی بیٹی تھی۔ اس کا کوئی ایسا رشتے دار بھی نہیں تھا جو وہ وہاں رہتی اس لیے توصیف احمد اسے گھر لے آئے تھے مگر نرگس کو وہ ایک آنکھ نہیں بھار ہی تھی۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی بھانجی کے لیے سوچا تھا۔

''لے جاؤ چائے میں نے تم سے مانگی تھی کیا؟'' وہ جھڑک کے بولیں مریم تو سہم کے ہی پیچھے ہوگئی۔ توصیف احمد نے اس سے چائے کا کہا تھا کیونکہ ان کے پورشن میں یوشع آیا ہوا تھا۔

''میں نے بنوائی تھی نہیں پینی تو نہیں پیو بچی کو ڈانٹ کیوں رہی ہو۔'' توصیف کو مریم کی حواس باختہ صورت پر ترس ہی آنے لگا۔

''ارے چائے آپ یہاں رکھیں اور اندر جائیے۔'' یوشع نے جیسے اس کی مشکل آسان کر دی۔

''تم بھی زیادہ اس کی سائیڈ نہیں لیا کرو۔''

''امی! آپ بھی تو مریم کو بخش دیا کریں۔'' فراز کو جانے کیوں مریم کی اتنی بے عزتی ناگوار گزرتی تھی۔

''تم باپ بیٹے مجھے زہر دے کے مار دو کیونکہ تم دونوں کو وہ غیر عزیز ہے میرا کوئی خیال نہیں۔''

''چچی جان! آپ خواہ مخواہ اپنا دل چھوٹا کر رہی ہیں سب سے پہلے آپ ہیں۔ بعد میں یہ لڑکی۔'' یوشع ان کا ذہن صاف کرتا رہتا تھا۔

''کان کھول کے سن لیں یہ دونوں باپ بیٹے اس لڑکی کو میں کبھی بھی اپنی بہو نہیں بناؤں گی۔''

فراز نے حیرانگی سے ان کے اتنے برہم اور بھڑکتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ کیونکہ فراز کے دماغ میں تو ایسا کچھ نہیں تھا پھر نرگس نے ایسا کیوں کہا۔

''نرگس اس وقت تم فضول بات کر رہی ہو۔'' توصیف احمد نے ابھی فراز سے ایسا کچھ ذکر نہیں کیا تھا۔ البتہ یوشع نے پہلو ضرور بدلا تھا ابھی تو اس نے مریم کے بارے میں سوچا ہی تھا مگر چچا جان نے یہ کیا پلاننگ شروع کر دی۔

''ٹھیک ہے میں فضول بات کر رہی ہوں تو پھر مجھے کیوں کہا تھا۔''

''میں نے تو اس لیے کہا تھا کہ تم کرن سے بھی راضی نہیں ہو کہ فراز کی شادی ہو جب کہ میں نے اپنے مرحوم بھائی سے کہہ دیا تھا کرن میری بہو بنے گی۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

فراز ان دونوں کی بحث اور جھگڑے سے بے زار ہو کے اٹھ گیا یوشع نے اسے جاتے ہوئے کہا پھر وہ بھی اس کی تقلید میں اٹھ گیا۔
"تمہیں کیا ہوا۔" یوشع نے پوچھا۔
فراز لان میں کھلنے والی کھڑکی میں کھڑا تھا۔ چہرہ اس کا بھی غصے سے تپ رہا تھا۔
"یار! امی اور ابو کی یہ بحث......! میں پریشان ہو گیا ہوں زندگی میری ہے میری مرضی تو کوئی پوچھ ہی نہیں رہا۔"
"تمہاری مرضی مجھے پتا ہے کرن ہے اور چچی جان اس پر بھی راضی نہیں ہیں۔" یوشع اپنی چچی کی ضدی شخصیت سے اچھی طرح واقف تھا۔
"میں کرن کے علاوہ کسی سے نہیں کروں گا بھلے ساری زندگی شادی نہیں کروں۔"
"اچھا اچھا زیادہ اداس نہیں ہو کچھ تو کرنا پڑے گا۔"
"کیا؟" وہ سمجھا نہیں۔
"یہ مریم بھی گڑبڑ ہے کیونکہ چچی جان اس سے بھی نہیں چاہتی ہیں۔"
"امی کو اپنی کرنی ہے میری شادی اور میں اس بدتمیز اور نک چڑھی زویا سے شادی کبھی نہیں کروں گا۔"
"اچھا سن تو کرن کو لے کے گھر سے بھاگ سکتا ہے؟" یوشع کے دماغ میں تو نئے سے نئے آئیڈیے بھی آتے تھے۔
"کیا ہے یار پٹوانے کی بات کرتے ہو۔" وہ یوشع کے اتنے آرام سے کہنے پر حیران بھی تھا۔
"جب تک تو خود کوئی قدم نہیں اٹھائے گا چچی جان ایسے ہی کریں گی۔"
"ہوں۔" فراز بھی گہری سوچ میں پڑ گیا۔ مریم ان دونوں کو ہال کمرے میں دیکھ کے جھجک کے رک گئی یوشع کی گہری نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا تھا۔ نرم و نازک سرخ و سپید سی سادہ انداز میں رہنے والی عام لڑکیوں سے کتنی مختلف تھی۔
"سنو لڑکی میری چائے ادھر لے آؤ۔"
"یار کیا اس کو تنگ کر رہا ہے چائے امی کے کمرے میں ہے یہ چائے گی تو وہ پھر چیخیں گی مریم تم جاؤ۔" فراز نے اسے بھیج دیا اس نے نوٹ کیا تھا یوشع کے سامنے وہ بہت زیادہ گھبراتی تھی۔

☆......☆

"یوشع! زندگی کو سیریس لے لو یار سال ہو گیا ہے تمہیں آئے ہوئے کچھ تو کوئی کام کرو۔" ایاز نے اسے آج روک ہی لیا جو ناشتہ کر کے اخبار کے مطالعے میں منہمک تھا۔
"بھائی جان! کہیں ایسا نہیں میں مفت کی روٹیاں توڑتا ہوا آپ کو لگ رہا ہوں۔"
"زیادہ بکواس کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے ڈانٹ کے ساتھ اسے گھور کے دیکھا۔
"اس سے بات کرنا اپنا سر پیٹنے کے مترادف ہے آوارہ پھرتا رہتا ہے۔"
"ہاں کہہ دیں کوٹھوں پر بھی جاتا ہے۔ پیتا پلاتا بھی ہے۔" یوشع، ریاض احمد کے بولنے پر تنگ کے گویا ہوا۔
"دیکھا کیسی بکواس کرتا ہے۔"
"ابو اس کا ایک ہی حل ہے۔" سویرا بھابی ڈائننگ ٹیبل سے برتن سمیٹنے آئیں تو انہوں نے بھی اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا۔

''ہاں دیجیے آپ بھی حل۔'' وہ ہنسا۔
''آپ لوگ اس کی شادی کردیں۔''
''شادی اس کی.....! پیروں پر تو کھڑا ہو جائے۔'' ریاض احمد نے فہمائشی نگاہوں سے اسے دیکھا۔
''پہلے جن کے رشتے لگے ہوئے ہیں ان کے نمٹائیے مجھ پر سر کھپانا بے کار ہے۔'' وہ اٹھنے لگا۔
''یوشع! میں آخری وارننگ دے رہا ہوں۔ کچھ سوچ لو ورنہ پھر تمہارا یہی حل ہوگا شادی۔'' ریاض احمد نے یکدم ہی فیصلہ بھی دے دیا۔ ریحانہ تو اچھل ہی گئیں۔
''آپ کیا میرے بچے کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔'' وہ روہانسی ہو گئیں۔
''دل کرتا ہے تمہارے بچے کو گھر سے نکال دوں مگر ایسا بھی نہیں کر سکتا۔'' انہوں نے غصے سے کہا۔
یوشع اندر ہی اندر مسکرا رہا تھا اس نے ابھی تک اپنے ارادوں کا پتا نہیں دیا تھا۔ اس نے گلاس فیکٹری لگائی تھی امریکہ میں بھی اس نے خاصا کمایا تھا اچھی خاصی کثیر رقم تھی اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا اچانک سے ایک دن وہ سب کو سرپرائز دینے والا تھا۔ ریاض احمد کو تنگ کرنے میں اسے شاید مزا آتا تھا۔
''کچھ تو خیال کیا کریں دو ہی تو ہمارے بیٹے ہیں۔''
''ویسے بابا! اسلام میں چار کی گنجائش ہے۔ آپ ماشاءاللہ فٹ فاٹ ہیں دوسری بھی شادی کر سکتے ہیں۔''
''نامعقول باپ کو مشورے دے رہا ہے۔'' وہ تو جھینپ کے بھڑک اٹھے۔
ایاز اور سویرا ہنسنے لگے۔ ریحانہ نے یوشع کی پشت پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔
''کیوں تیری ماں مر گئی ہے جو باپ کو مشورے دے رہا ہے۔''
''وہ وہ امی میں تو۔'' اس کا کان ریحانہ کے ہاتھ میں تھا۔
یوشع ایسی باتیں کر کے بات کو ٹال دیتا تھا۔ اتنے میں نرگس کے شور پر وہ سب چونک گئے۔
''جائیے بے چاری مریم عتاب کا نشانہ بن رہی ہوگی۔'' وہ سب سے پہلے اٹھا تھا۔ کیونکہ مریم میں اس کی جان تھی۔

☆......☆

''السلام علیکم چچی۔'' اس نے بڑے پرجوش انداز میں فرشی سلام کیا۔
''وعلیکم السلام جیتے رہو کیسے ہو تمہارے گھٹنے کا زخم ٹھیک ہوا۔'' سمیرا نے بڑی محبت اور اپنائیت سے پوچھا وہ ویسے بھی اس سے بہت محبت کرتی تھیں۔
''جی زخم تو ابو کی ڈانٹ ڈپٹ سے جلدی ٹھیک ہو گیا آپ بتائیے کیا مصروفیت ہے۔'' اس نے سمیرا کو سلائی کرتے ہوئے دیکھ تو لیا تھا پھر بھی پوچھ رہا تھا۔
''ارے بیٹا! کیا مصروفیت ہوتی ہے یہ سلائی کے کپڑے تھے سوچا کہ شب برأت سے پہلے پورا کر دوں پھر عید کے کپڑے بھی لوگ دیں گے۔'' انہوں نے مشین کو کور سے ڈھکا اور کپڑوں کے شاپر تخت کے نیچے کرنے لگیں۔
''کرن اور فرح کدھر ہیں۔''
''کرن تو ابھی یہیں تھی سلائی کر رہی تھی اٹھ کے کچن میں گئی ہوگی۔ فرح کالج سے آئی تھی شاید اندر ہوگی۔'' انہوں نے تفصیل سے بتایا۔

"چچی! آپ سب میں آ کے کیوں نہیں بیٹھتی ہیں؟"

"بیٹا تم جانتے تو ہو چھوٹی بھابی کتنی طنزیہ باتیں کرتی ہیں اور کرن بھی منع کرتی ہے۔"

"اس طرح تو آپ ڈر کے بیٹھ رہی ہیں کرن اور فراز ایک دوسرے سے منسوب ہیں شادی تو کرنی ہے۔"

"شادی پتا نہیں میری بچیوں کا کیا نصیب ہے باپ بھی جلدی چلا گیا میں کیسے کروں۔"

"آپ ایسی بات میرے سامنے کر رہی ہیں اور اگر امی اور ابو کے سامنے کی تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔"

یوشع نے ان کے افسردہ چہرے کو دیکھا آنکھوں میں بھی ان کے پانی اتر آیا تھا۔ ریاض احمد اور ریحانہ ان کا کتنا ساتھ دیتے تھے ہر طرح سے خیال رکھتے تھے ورنہ نرگس تو سیف احمد [illegible] تھیں اور فراز سے کرن کا رشتہ طے تھا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ بیاں ہو۔

"بڑے بھیا اور بھابی کے تو مجھ پر احسانات ہیں۔"

"چچی! اپنے لوگ اپنوں پر احسان نہیں کرتے ہیں بلکہ یہ ان کا پیار اور محبت ہوتا ہے۔" اس نے جھٹ ان کی بات پر کہا۔

"ہم لوگ تو پیار و محبت کے بھی قابل نہیں۔" انہوں نے آنکھوں کی نمی آنچل سے صاف کی۔

گھر کا ایک حصہ ان ماں بیٹیوں کو دیا تھا یہ بھی سمیرا نے کہا تھا کہ وہ اپنا کھانا پینا الگ رکھیں گی وہ نہیں چاہتیں کہ میری بچیاں اور میں کسی پر بوجھ بنیں ایسا بھی انہوں نے نرگس کی عادت کی وجہ سے کہا تھا۔

"ارے میں بھی کیا لے کے بیٹھ گئی کرن کہاں گئیں۔"

اتنے میں کرن کولڈ ڈرنک اور کچھ لوازمات لے کر آ گئی۔

"میں نے یوشع بھائی کو پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔" اس نے پاس پڑے تخت پر ٹرے رکھی۔

"واؤ سینڈوچ یار فراز کتنا لکی ہے جو تم جیسی لڑکی اس کی بیوی بنے گی۔" وہ خوش ہوتے دل میں دعا بھی دینے لگا کرن جھینپ گئی سمیرا مسکرانے لگیں۔

"فراز کو بلا لوں۔" کرن لب کچل کے مسکراہٹ روک رہی تھی مگر فراز کے نام پر وہ بلش کر گئی تھی۔

☆......☆

"امی! میرے اتنے کپڑوں کا ڈھیر جمع ہو گیا اور کمرا بھی اتنا گندہ ہو رہا ہے کم از کم میرے کمرے کی صفائی ہی کرا دیں۔" وہ جھنجھلا کے بولا۔

مریم، ریحانہ کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی حالانکہ ریحانہ منع بھی کرتی تھیں مگر اس نے یہاں آ کے گھر کے کاموں میں اپنا دھیان لگا لیا تھا۔

"کسی ملازمہ کے ہاتھ کی تم پسند نہیں کرتے ہو اور مجھ سے ہوتا نہیں ہے۔" وہ بیڈ شیٹ کو درست کرنے لگیں۔

یوشع کی پرشوخ نگاہیں اس پر تھیں جو بلیک لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں گھبرائی گھبرائی ہو رہی تھی۔ جب بھی وہ اس کے سامنے آتا تھا اس سے کام بھی بگڑ جاتے تھے۔

"ان محترمہ سے کروا دیں۔"

"یہ تمہاری نوکر نہیں ہے اور میں اسے بھی منع کرتی ہوں۔ زبردستی کاموں میں لگی رہتی ہے۔" وہ صاف منع کرنے لگیں۔

"امی! میں کوئی انہیں نوکر سمجھ بھی نہیں رہا اس لیے کہہ رہا ہوں کہ یہ ذرا اچھی طرح کر دیتی ہیں۔" یوشع نے

جھٹ بات بنائی۔
''تائی امی! میں کردوں گی۔''
''یہ تم تائی امی کس خوشی میں کہہ رہی ہو۔'' اس نے مریم کے بولنے پر اعتراض اٹھایا۔
''ارے کیا ہوا ابو لنے دو توصیف کے بچے مجھے تائی امی کہتے ہیں اس لیے یہ بھی کہہ دیتی ہے۔'' انہوں نے وضاحت دی۔
''امی! آپ اس کی اتنی حمایت کیوں لیتی ہیں؟'' مریم نے صوفے پر کشنز جماتے ہوئے اسے دیکھا جیسے یہ بات نا گوار گزری ہو۔
''تم مجھے اتنا گھورتی کیوں ہو؟'' الٹا وہ تو شروع ہو گیا۔
''مم...... میں نہیں تو۔'' وہ گڑبڑا گئی۔
''اف...... توبہ ہے یوشع! کیوں لڑکی کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑ جاتے ہو۔'' وہ بے زاری سے گویا ہوئیں۔
''اچھا آپ انہیں میرے کمرے میں بھیج دیں۔ صفائی کے لیے میں تو جا رہا ہوں شام تک آؤں گا۔'' اس نے بتایا۔
''آج بھی میٹنگ ہے۔'' وہ پوچھنے لگیں۔
''دعا کریں ہماری باہر ممالک سے بھی ڈیلنگ ہو جائے۔'' اس نے ان سے دعا کرنے کو کہا۔
''میری دعائیں ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں۔'' انہوں نے اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھا۔
''پلیز آپ ابو کو سنبھال لیجیے گا۔ وہ پھر وہی روز کا لیکچر دیں گے۔''
''تم انہیں سچ کیوں نہیں بتا دیتے۔''
''ابھی نہیں، اچانک سے بتاؤں گا۔ اچھا میں چلتا ہوں۔'' وہ ان کے گلے لگ کے چلا گیا۔
مریم نے ان دونوں کی مبہم سی گفتگو بھی سنی۔
''مریم! ذرا اس کے کمرے کو بھی دیکھ لو میں آتی ہوں اس کے میلے کپڑے بھی نکالتی ہوں۔''
''جی اچھا۔'' وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔
یوشع کے سامنے جاتے ہوئے اس کے پسینے چھوٹ جاتے تھے کیوں کہ وہ بے دھڑک اور منہ پھٹ جو بہت تھا۔
وہ ڈرتے جھجکتے ہوئے اس کے روم کے کھلے دروازے سے اطراف میں نگاہ دوڑاتی ہوئی اندر آ گئی۔ ابھی وہ اپنے دائیں طرف دیکھتی دروازہ بند ہو گیا۔ یوشع کو سامنے دیکھ کر اس کی چیخ نکلی اور آنکھیں بھی دہشت زدہ ہو گئیں اس کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔
''تم آخر مجھے دیکھ کر اتنا ڈرتی کیوں ہو۔'' وہ اس کے حواس باختہ چہرے کو اپنی گہری نگاہوں سے اپنے اندر جذب کرنے لگا۔
''نن...... نہیں تو۔'' اپنی آواز میں مضبوطی لانے کی ناکام کوشش کی۔
''دیکھو! اگر اسی طرح ڈرتی رہو گی تو لوگ تمہارا فائدہ اٹھانے لگیں گے۔''
''ڈرنا تو پڑتا ہی ہے یہاں میں آپ سب پر بوجھ کی طرح پڑی ہوں آنٹی، مجھے بالکل پسند نہیں کرتی ہیں اگر میرے ساتھ ایسے حالات نہیں ہوتے میں انکل کی بات کبھی نہیں مانتی مجھے مجبوراً یہاں آنا پڑا۔'' وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔
''تمہیں کوئی بوجھ تو نہیں سمجھتا چچی جان وہ تو فراز کی منگیتر کرن کو بھی کب پسند کرتی ہیں۔'' یوشع اس کے خوب

صورت سراپے کے پیچ و خم میں خود کو الجھتا ہوا محسوس کر رہا تھا اسے یہ لڑکی اول روز سے ہی پسند آئی تھی۔
''خیر یہ باتیں چھوڑیے مجھے آپ کام کرنے دیں۔'' اسے یہ بھی ڈر ہوا کہ اس لمحے یوشع کی امی آ گئیں تو وہ بھی پتا نہیں کیا کچھ سوچ لیں۔
''تم مجھ سے نگاہ کیوں چرانے لگتی ہو؟'' وہ اس کے بالکل سامنے آ گیا مریم نے بلیک لان کا دوپٹہ شانوں اور سر پر ٹھیک کیا۔
''تم لڑکیاں بھی کتنی عجیب ہوتی ہو یا پھر تم جیسی سیدھی اور بے وقوف لڑکیاں اپنا آپ چھپاتی پھرتی ہیں۔ پھر ایک دن اچانک
''پلیز مجھے کام کرنے دیں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کے اس کے بکھرے کپڑے سمیٹنے لگی۔ یوشع نے قہقہہ ہی لگایا اور پھر باہر نکل گیا۔

☆......☆

''توصیف! کب تک کا ارادہ ہے تمہارا فراز کی شادی کا؟'' ریاض احمد نے آج خود ہی بات نکالی تھی۔ کیونکہ نرگس تو اس پر آ ہی نہیں رہی تھیں۔
''بھائی صاحب! میں تو تیار ہوں۔''
''میرا ابھی ارادہ نہیں ہے فراز کی شادی کا۔'' نرگس نے صاف جواب دیا۔
سب نے ہی حیرانگی سے سر اٹھایا کیونکہ نرگس خاصی تیکھی مزاج کی تھیں۔
''نرگس، فراز اپنی جاب بھی شروع کر چکا ہے۔ اب کیا قباحت ہے۔'' ریحانہ نے مداخلت کی۔
''بھائی ضروری ہے بچپن کے رشتے کیے جائیں میرا ارادہ اپنی بھانجی سے ہے۔''
''نرگس یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' توصیف کو اس کی یہ بات پسند نہیں آئی۔
اندر بزرگ حضرات کی میٹنگ ہو رہی تھی مگر یوشع کو زیادہ تجسس تھا اور ساتھ میں فراز بھی کھڑا باہر سن رہا تھا۔
''یار! امی یہ کیا کرنے والی ہیں۔'' فراز نے دہائی دی۔
''ابھی چپ تو کر۔'' یوشع نے اسے چپ کرایا کیونکہ اس کے کان کوریڈور میں کھلتی کھڑکی سے آتی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔
''میں اپنے بیٹے کی شادی اپنی مرضی سے کروں گی۔''
''یہ ناممکن ہے ذوہیب کے سامنے یہ رشتہ جوڑا تھا اس کے مرنے کے بعد توڑ دیا جائے ناممکن ہے۔'' ریاض احمد تیز لہجے میں آ گئے۔
''بھائی صاحب فراز کی بھی مرضی نہیں ہے۔'' نرگس گھبرا گئیں۔
توصیف کو نرگس کی ہٹ دھرمی پر بہت غصہ آ رہا تھا۔
''فراز میرا بیٹا ہے میری مرضی میں کسی سے بھی کروں۔''
''ٹھیک ہے یہ تمہارا فیصلہ ہے میرا فیصلہ بھی سن لو کرن کی شادی یوشع سے ہوگی۔''
''ارے نہیں یہ کیا کہہ رہے ہیں ابو۔'' یوشع تو اچھل ہی گیا۔
اور فراز اسے لگا کہ اس کی دنیا ہی لٹ گئی ہو وہ اندر جا ہی رہا تھا کہ یوشع نے اسے کالر سے پکڑ کے گھسیٹ لیا۔

"مروائے گا کیا؟"

"یار تایا ابو یہ کیا کہہ رہے ہیں میں کرن کو چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔" وہ تو بری طرح جھنجھلا بھنایا ہو رہا تھا۔

"میں کون سا کر رہا ہوں شادی۔" وہ بولا۔

"سنیں یہ کیا کہہ رہے ہیں؟" ریحانہ بھی پریشان ہو گئیں۔

یوشع کے کان پھر اندر لگ گئے کیونکہ امی کی پریشان آواز جو آ رہی تھی۔

"میرے مرحوم بھائی کی بیٹیاں گھر سے باہر نہیں جائیں گی۔ اسی گھر میں بیاہی جائیں گی۔" ریاض احمد آخری فیصلہ قطعی انداز میں سنا کے کمرے کے ہو گئے۔ یوشع اور فراز نے وہاں سے دوڑ لگائی تھی یوشع اور فراز کے دماغ میں بہت کچھ چل رہا تھا۔ بیرسٹس یہ شادی ہونے نہیں دیں گے اور یوشع بھی کبھی راضی نہیں ہو گا اس ہنگامے میں دوسرا ہنگامہ بھی ہو جائے تو کوئی برائی نہیں ہے۔ فراز گہری سوچ میں تھا جب کہ یوشع تو پلان ترتیب دے چکا تھا۔

☆......☆

"میں کرن کو اپنی بہن سمجھتا ہوں اور ہمیشہ میں نے اسے فراز کے حوالے سے ہی دیکھا ہے بالکل بھی اس سے شادی نہیں کروں گا۔" وہ تو ریاض احمد کے سامنے ڈٹ گیا۔

"واہ وہ مارا۔" فہد نے سنا تو نعرہ لگایا۔

وجیہہ نے اس کے دھپ لگائی کیونکہ دونوں اندر کی آتی آوازوں پر کان دھرے تھے مگر فہد کا نعرہ تیز تھا۔

"دیکھ کے آؤ باہر کون ہے اور پکڑ کے لاؤ۔" انہوں نے یوشع کو حکم دیا۔

یوشع نے باہر نکل کے دیکھا فہد نارمل ہو جانے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وجیہہ تو بھاگ لی تھی۔

"وہ کچھ نہیں میں سمجھا تایا ابو آپ کی چھتر پریڈ کرنے والے ہیں وہ دیکھ لوں۔"

"بکو مت۔" اس نے فہد کو ڈانٹ دیا۔

وہ مسکراتا ہوا نکل گیا اور یوشع اسے بھی موقع مل گیا وہ بھی بھاگ لیا سیدھا سمیرا چچی کی طرف آیا۔

سمیرا چچی شاید نہیں تھیں کرن تخت پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھی۔

"جلدی اٹھو اور چادر اوڑھو کوئی۔"

"جی۔" وہ جیسے سمجھی نہیں۔

"ارے لڑکی دیر نہیں کرواٹھو ورنہ میرا باپ میرا نکاح تم سے پڑھوا دے گا۔" وہ بہت کھسیایا ہوا تھا۔

"یوشع بھائی! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔"

"کچھ نہیں کیونکہ تمہاری ساس کو تو عقل ہے نہیں مجھے ہی کچھ کرنا ہو گا۔" اس نے کرن کا ہاتھ پکڑا اور اٹھایا۔

"کیا کر رہے ہیں یوشع بھائی۔" وہ گھبرا گئی۔

"وہی جو درست ہے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑتا ہوا باہر لے آیا۔

گاڑی میں فراز پہلے سے ہی بیٹھا تھا۔

"چل فرنٹ ڈور کھول ورنہ کوئی بھی آ جائے گا۔" یوشع بھی جلدی میں تھا جب کہ کرن کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے چھوڑیے مجھے۔"

"دیکھو شور نہیں کرو اور بیٹھو۔" فراز نے اسے زبردستی پیچھے بٹھایا یوشع ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔
"کہاں لے جا رہے ہیں؟" وہ حواس باختہ ہو رہی تھی۔ سہم کے فراز سے دور ہو کے بیٹھ گئی۔
"تمہاری اور میری شادی آج ہی ہو گی۔" فراز بولا۔
"نہیں، روکیے گاڑی۔"
"یوشع ریلیکس ڈرائیونگ کر رہا تھا وہ چیختی چلاتی رہی مگر دونوں پر بالکل بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ خوب صورت سے ریسٹورنٹ کے آگے گاڑی روکی تھی فراز اسے بازو سے پکڑ کے اندر لے آیا تھا۔
روم بک ہوا تھا۔ جہاں چند دوست تھے۔
"اگر تم نے انکار کیا تو یاد رکھنا میں اپنی جان ابھی ختم کر لوں گا۔" فراز نے اسے رعب کے ساتھ دھمکی بھی دی۔
"کرن! مان جاؤ کوئی غلط نہیں ہے۔"
"میں بڑوں کی مرضی کے خلاف بالکل نہیں کروں گی ایسا۔" وہ رونے لگی۔
"پھر ٹھیک ہے میں تمہیں گھر بھی لے کے نہیں جاؤں گا۔" فراز نے دوسرا تیر آزمایا۔
"دیکھو کرن! صرف نکاح کرنے کو کہہ رہے ہیں چچی جان راضی نہیں ہیں ہمیں مجبوراً ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔"
یوشع سمجھانے لگا۔
فراز نے اسے اتنی دھمکیاں اور ڈراوے دیئے وہ مجبور ہو گئی اور پھر وہ اتنا روئی دونوں کی ہمت نہیں ہوئی چپ کرانے کی۔
"تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔" واپسی میں فراز اسے تسلیاں دے رہا تھا۔
جس وقت گھر میں گھسے سمیرا چچی کو روتے ہوئے دیکھا۔
"نامعقول کہاں تھے اتنے گھنٹوں سے؟" ریاض احمد کو غصہ آ رہا تھا۔
کرن اور فراز مجرم بنے کھڑے تھے جب کہ یوشع کو یہ اسٹیپ تو لینا ہی تھا۔
"تایا ابو! میں نے کرن سے نکاح کر لیا ہے۔"
"کیا......؟" وہاں جتنے لوگ تھے انگشت بدنداں رہ گئے۔
یہ انہونی اور فراز سے ایسی بے وقوفی کی کسی کو توقع نہیں تھی۔
"یہ نکاح میں نے کروایا ہے۔" یوشع نے ساری برائی اپنے سر لی۔
"کیوں ان کے اپنے مر گئے تھے جو تم نے بڑا بن کے ان کا نکاح کروا دیا۔" ریاض احمد کا زوردار طمانچہ یوشع کے رخسار پر پڑا تھا۔ سب ہی متوحش زدہ رہ گئے تھے سمیرا تو بے ہوش ہی ہو گئی تھیں۔ کرن کا رو رو کے برا حال تھا۔ فراز کو جانے کیوں شرمندگی نہیں تھی بلکہ اس کے اندر اعتماد آ گیا تھا۔

☆......☆

نرگس تو کسی طرح بھی کرن کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھیں مگر یوشع کی برین واشنگ پر تو وہ سوچ میں پڑ گئیں حالانکہ یوشع کو ریاض احمد سے بہت کچھ سننی پڑی تھیں مگر توصیف احمد فراز اور یوشع کے اس اقدام سے بہت خوش تھے مگر وہ اپنی خوشی ظاہر نہیں کر رہے تھے کیونکہ یہ آئیڈیا بھی تو ان کا ہی مرتب کردہ تھا۔
"یوشع! تم نے تو میرا غصہ جیسے کم کر دیا ہو۔"
"ارے چچی جان آپ کو مفت میں نوکرانی مل گئی ہے۔" یوشع نے توصیف احمد کو دیکھ کر داہنی آنکھ دبائی۔

وہ اپنی ہنسی روک کے بیٹھے ہوئے تھے اور فراز کرن کو اپنے کمرے میں بیٹھا چپ کرانے اور سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں اس لڑکی کو کسی طرح بھی اپنے بیٹے کے ساتھ برداشت نہیں کروں گی۔'' انہیں پتا نہیں کیوں سمیرا اور ان کی بیٹیاں شروع سے بری لگتی تھیں۔

''ایک تو تم سستے میں چھوٹ گئیں نہ بری نہ بارات تمہارے بیٹے نے کام ہی آسان کر دیا۔''

''آپ تو چپ ہی رہیں شروع سے آپ نے اپنے بچوں پر بھی رعب نہیں رکھا۔ دیکھا کیسے بیٹا ہاتھوں سے نکل کے چلا گیا۔'' وہ اب توصیف احمد پر برسنے لگیں۔

''ریاض بھائی کا رعب دیکھیں مجال ہے کہ ان کا بیٹا ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر سکے۔''

''نرگس رہنے دو تمہارے بیٹے کا نکاح اس نے ہی کروایا ہے بھائی صاحب سے کتنی سنی ہیں۔''

''پھر ان کے بیٹے ان کے ہاتھوں میں ہیں کیسے رعب رکھتے ہیں۔''

''رعب تو انہوں نے بھابی پر بھی رکھا ہے اگر میں بھی ان جیسا بن گیا تو تمہیں ہی شکایت ہوگی۔'' وہ انہیں سنانے لگے اور نرگس کلس کے ہی رہ گئیں۔

''چچی جان! آپ بھی کیا بحث لے کے بیٹھ گئی ہیں۔'' یوشع نے انہیں چپ کرانے کی کوشش کی۔

''اس منحوس سے پیچھا چھڑانے کا سوچ رہی تھی یہ دوسری آگئی۔'' ان کی نگاہ مریم پر پڑی وہ ویسے ہی ان کے عتاب کا نشانہ بنتی رہتی تھی۔ یوشع نے اسے دیکھا جو جھکی ہوئی کھڑی تھی چائے اور لوازمات کی ٹرے ہاتھ میں تھی۔

''لائیے مجھے دیں۔'' اس نے ہاتھ سے لے لی۔

''چچی جان! اس لڑکی کا بھی حل ہے یہ آپ کو بری لگتی ہے نا اس کی بھی شادی ہو جائے تو اچھا ہے۔''

مریم نے چونک کے حیرانگی سے سر اٹھایا وہ سامنے صوفے پر بیٹھا کتنے اطمینان سے بول رہا تھا۔

''ہاں بیٹا! میں اس کی بھی شادی کروں گا۔'' توصیف احمد سنجیدگی سے مریم کے بارے میں سوچ چکے تھے۔

''ارے اس لڑکی سے کون شادی کرے گا۔'' نرگس نے جیسے تمسخر اڑایا۔

''یہ تو آپ چھوڑیں کون کرے گا، آپ بس فراز اور کرن کے بارے میں سوچیں۔''

مریم پیر پٹختی ہوئی چلی گئی تھی۔ اس کا دل رو رہا تھا جب سے یہاں آئی تھی بے عزتیاں ہی برداشت کر رہی تھیں۔

☆......☆

ریاض احمد نے ولیمے کا اعلان کر دیا تھا اور پھر کرن اور فراز کی شادی کی کوئی تقریب بھی نہیں ہوئی تھی۔ نرگس تو کسی طرح بھی نہیں مان رہی تھیں مگر ریاض احمد کو اپنے مرحوم بھائی کی خواہش کا بھی خیال تھا۔ کرن کی شاپنگ وغیرہ کی ذمہ داری سویرا اور ریحانہ پر چھوڑی تھی۔

''امی! یہ تین لاکھ روپے ہیں میں چاہتا ہوں کہ کرن کی جو بھی ضرورت کی چیزیں ہیں اس میں کمی نہیں ہو۔'' یوشع نے ریحانہ کے ہاتھ میں کیش رکھا۔

''تمہارے ابو کر تو رہے ہیں۔''

''ابو باپ کا فرض ادا کر رہے ہیں اور میں بھائی کا ادا کر رہا ہوں۔'' اس نے اتنی سمجھداری سے اتنی گہری بات کی تھی ریحانہ کو اپنے بیٹے پر بہت پیار بھی آ رہا تھا اور فخر بھی تھا ان کے دونوں بیٹے بہت فرمانبردار تھے۔

''وہ بیٹا! میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' ریحانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ دوسری بات اس سے کیسے کہیں

کیونکہ ریاض احمد نے تو اپنا آخری فیصلہ قطعی انداز میں سنا دیا تھا۔
''کہیے کیا کہنا ہے۔'' اس نے انہیں مسکراتے ہوئے شانوں سے پکڑا۔
اتنے میں ریاض احمد اندر آئے تو دونوں ہی سنبھل گئے۔ ریحانہ نے پیسے اپنے دوپٹے کے اندر کیے۔
''اپنے لاڈلے کو بتا دیا کہ ان کا بھی نکاح پڑھوایا جا رہا ہے۔''
''واٹ......؟'' وہ تو اچھل گیا۔
اتنے میں ریحانہ وارڈ روب میں پیسے رکھ چکی تھیں کیونکہ اگر ریاض احمد کی نظر پڑ جاتی تو وہ سوالات ہی اتنے اٹھاتے اور یوشع نے ابھی بتانے کو منع کیا تھا۔
''اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے مجھے تم پر بالکل بھروسا نہیں ہے اگر کسی الٹی سیدھی لڑکی کے چکر میں پڑ گئے تو ہمارے خاندان کا نام ڈبو دو گے۔''
''ابو کیا مطلب ہے ایسے کیسے؟'' وہ سچ مچ کھسیا گیا۔
''نکمے تو تم ہو کوئی کام دھندہ تم نے کرنا نہیں ہے اور کوئی تمہیں اپنی لڑکی کیوں دے گا اس لیے میں نے سوچا کہ مریم سے تمہاری شادی ہو جائے اس لڑکی کو بھی چھت مل جائے گی اور تمہارا بھی گھر بس جائے گا۔''
''جی۔'' اس کی سماعت پر یہ دوسرا دھما کا تھا ابو کے الفاظ پر اسے خوشی ہوئی تھی مگر وہ انجان تھے اس لیے زیادہ سوچا نہیں۔
''لڑکی اچھی ہے تمہارے ساتھ نبھا کر لے گی۔''
''ابو پلیز۔'' وہ ان سے کیا کہتا انجانے میں کی گئی دعا کیوں مستجاب ہوگئی اسے خبر نہیں تھی اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔
''سنیے! آپ بھی مریم کے کپڑے اور دیگر ضرورت کی چیزوں میں کوئی کمی نہیں رکھیے گا۔ بیٹی بنایا ہے تو فرض بھی ادا کرنا ہے تمہارا یہ نالائق پتا نہیں کب سنجیدہ ہوگا۔'' وہ اسے گھورنے لگے۔ جب کہ یوشع اپنی مسکراہٹ روکے ہوئے تھا اور ریحانہ کو ان کا یہ نکما کہنا سخت ناگوار گزرتا تھا۔
''آپ نے مریم سے بھی پوچھا؟''
''توصیف نے پوچھ کے ہی مجھے جواب دیا ہے۔'' وہ بولے۔
مگر یوشع کو یقین نہیں تھا کیونکہ مریم اپنے جذبات اور احساسات چھپا کے رکھتی تھی۔

☆......☆

ان تین دنوں میں سویرا اور ریحانہ نے مل کر اچھی خاصی شاپنگ کرلی تھی۔ پھر شب برأت بھی قریب تھی سوچا کہ عید اور رمضان کی بھی شاپنگ ہو جائے تو اچھا ہے بعد میں جانا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔
یوشع کو وہ نظر نہیں آ رہی تھی وہ ہر جگہ تلاش کر رہا تھا سویرا بھابی کی رگ ظرف پھڑکی تھی۔
''مریم اپنے کمرے میں ہے۔ وہ باہر ہی نہیں نکل رہی ہے سوائے رونے دھونے کے وہ آج کل کچھ نہیں کر رہی ہے۔''
''کیوں! میں اتنا برا انسان ہوں، مجھ سے شادی پر اسے رونا آ رہا ہے۔'' اس نے حیرانگی سے کہا۔ سویرا بھابی رات کے لیے کھانا بنا رہی تھیں۔ وہ بھی کچن میں آ گیا تھا۔
''خیر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' انہوں نے مطمئن کیا۔

''ارے لڑکیاں شادی پر روتی ہی ہیں۔''

''میں تو نہیں رو رہا جب کہ میرے باپ نے اچانک سے فیصلہ جو دے دیا۔'' وہ گویا ہوا۔

''جناب! یہ فیصلہ تمہاری خواہش تھی تو تم نے مان لیا ورنہ واویلا تم بھی کم نہیں مچاتے۔'' فراز وہاں سے گزر رہا تھا ان کی باتوں کو سنتا ہوا اندر آ گیا تھا۔

''فضول بکواس نہیں کرو۔'' اس نے فراز کو گھورا۔

''بیٹا! میں بھی سمجھتی ہوں اور جانتی بھی تھی اسی لیے ابو کو میں نے ہی یہ مشورہ دیا کہ تمہاری شادی مریم سے ہو جائے۔''

''کیا آپ نے۔'' وہ تو حیرت و انبساط میں مبتلا ہو گیا۔

''کیسے تمہاری آنکھیں مریم کو دیکھ کر چمکتی تھیں۔''

''بھابی! آپ لگتا ہے کہ مجھ پر ہی نگاہ لگا کے بیٹھی تھیں۔'' وہ جھینپ گیا۔

''فراز کا نکاح تم نے کرن سے جلدی سے اس لیے کروا دیا کہ کہیں توصیف چچا مریم سے نہیں کر دیں۔''

''نہیں وہ تو میں نے فراز کا خیال کیا ہے۔ بے چارے کی بچپن کی محبت ہے اسے تو کبھی بھی نہیں ملتی۔ سوچا کہ میں ہی یہ نیک کام کرا دوں۔'' وہ فراز کو ٹھوکا مار کے ہنستا تھا۔

''بھابی اس نے میری شادی کروا تو دی ہے امی، کرن سے بات نہیں کر رہی ہیں۔''

''نہیں کریں تو کیوں پروا کر رہا ہے کب تک نہیں کریں گی دیکھنا خود ہی کرنے لگیں گی تو بس کرن کو خوش رکھ۔'' وہ اسے سمجھانے لگا۔

''بھابی!'' وہ کوئی اور بات کرتی کہ ان دونوں کو سامنے دیکھ کر کچن کے باہر ہی رک گئی۔

''لو چلی آئیں آپ کی والی بھی۔'' فراز نے معنی خیزی سے چھیڑا۔

مریم تو مارے حیا کے بھاگ ہی لی۔

''یار! تیرا کیا ہو گا کالیا اگر یہ اسی طرح بھاگتی رہی تو۔'' فراز نے یوشع کے کان میں معنی خیز سرگوشی کی۔

''ارے مریم!'' سویرا بھابی اسے پکارتی رہ گئیں۔

''تمہیں دیکھ کے بھاگی ہے۔''

''ہاں بھوت ہوں جو مجھے دیکھ کے بھاگی ہے۔'' یوشع نے تیز لہجے میں کہا۔

یوشع کو وہ تین دن سے نظر نہیں آ رہی تھی آج نظر آئی تو بھاگ گئی تھی کچھ تو کرنا تھا اس سے بات بھی ضروری تھی۔

☆......☆

آج شب رات تھی اور کل اس کی شادی تھی۔ ریحانہ نے اسے مایوں تو کب سے بٹھا دیا تھا مگر اس نے منع کر دیا کہ وہ نہیں بیٹھے گی۔ ریحانہ اس کے لیے زرد جوڑا بھی لائی تھیں وہ پہن کے بیٹھی تھی آج جاگنے کی رات تھی اور وہ دل سے عبادت کر رہی تھی اپنے امی ابو کو یاد کر رہی تھی۔ ایسے موقع پر وہ اس کے قریب نہیں تھے۔ ایک اس کی خالہ تھیں وہ بھی باہر ملک میں تھیں ان سے بھی کافی عرصے سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا ابو کی ڈیتھ پر بھی نہیں آئی تھیں وہ اکیلی گھر میں کیا رہتی کوئی قریبی رشتے دار بھی نہیں تھا جو اس کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہوتا ایسے میں توصیف احمد نے اسے وہاں نہیں چھوڑا تنہا لڑکی کا یوں تنہا گھر میں رہنا بھی ٹھیک نہیں تھا وہ اپنی ضروری تمام چیزیں لے آئی تھی۔

''کاش! امی اور ابو آپ لوگ آج زندہ ہوتے تو آپ کی بیٹی کی زندگی کا فیصلہ ایسے نہ ہوتا میں معمولی سی لڑکی ان کے برابر کی کب ہوں اور پھر مجھ پر ترس اور رحم کھا کے شادی کی جائے کسی کی زندگی میری وجہ سے کیوں خراب ہو کیا کروں کیسے انکار کرتی تو صیف انکل کی بات کیسے رد کرتی اور یوشع ان کی بھی تو کوئی پسند ہوگی اتنے عرصے باہر ملک میں رہے ان کی تو پسند بھی ماڈ ہوگی میں کب ان کی پسند کی ہوں گی۔'' وہ جائے نماز پر بیٹھی روئے جا رہی تھی۔

حالانکہ جب سے وہ یوشع سے منسوب ہوئی تھی ریحانہ اور ریاض احمد اس کا بہت خیال رکھنے لگے تھے اس کی پسند سے ہر چیز ہے رہنے لگے تھے ریاض احمد یوشع کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے یہ بھی اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

کافی دیر تک وہ عبادت کرتی رہی تھی۔ دوسرے دن اس نے روزہ بھی رکھا تھا یہ اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔ گھر میں ایک ہڑ بونگ مچی تھی فراز کا ولیمہ اور یوشع کی شادی کا فنکشن ایک مہنگے ترین ہوٹل میں رکھا گیا تھا۔

کرن تو پارلر چلی گئی تھی اس کے ساتھ فرح اور وجیہہ گئی تھیں جب کہ مریم کو سویرا بھابی کچھ دیر میں لے کے گئی تھیں۔

''واپسی میں بھی میں آ جاؤں۔'' یوشع پارلر کے باہر ہی رکا ہوا تھا۔

''فہد کو بھیج دینا۔''

''بھابی فہد بچہ ہے آپ سب خواتین ہوں گی نہیں۔ میں خود آؤں گا۔'' وہ بضد تھا۔

''ارے تمہیں بھی تو اپنی تیاری کرنی ہوگی تم اپنے بھائی جان کو بھیج دینا۔'' چادر میں ڈھکی مریم کو وہ اندر لے گئی تھیں۔

یوشع کو اس کے مہندی لگے ہاتھ اور پیر بہت پیارے لگ رہے تھے اس کا دل بہت خوش تھا آج وہ اس کے پاس ہوگی وہ اس سے ہر وہ دل کی بات کہے گا جو اب تک نہیں کہی تھی۔

اس نے اپنا روم بھی اصلی پھولوں سے سجوایا تھا بڑا رومینٹک ماحول ہو رہا تھا اس نے عام دلہاؤں سے ہٹ کے ڈنر سوٹ پہنا تھا خوشبوؤں میں بسا وہ ہوٹل روانہ ہو چکا تھا۔ نرگس چچی کا منہ بنا ہوا تھا سمیرا چچی ان سے سلام دعا کر رہی تھیں یوشع سب دیکھ رہا تھا۔

''ارے چچی جان! سمیرا چچی کو ان کی بیٹی کی ہی مبارک باد دے دیں۔'' اس نے ذرا مسخرے پن سے کہا تاکہ بات اتنی سیریس نہ ہو جائے۔

☆......☆

کرن اور مریم دونوں بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ کرن کا گرین اور فان کنٹراسٹ کام کا لہنگا تھا۔ میک اپ جیولری میں وہ پیاری لگ رہی تھی۔ مریم ریڈ اور گولڈن کنٹراسٹ اسٹائلش لہنگے میں میک اپ جیولری اس کا حسن دوآتشہ لگ رہا تھا۔ وہ بہت روئی تھی جس وقت نکاح ہوا تھا اور یوشع جیسے اسے پا کے بہت خوش آج وہ مکمل اس کی تھی۔

یوشع نے بھی اپنے آفس کے اسٹاف کو بلایا تھا سب ہی اسے سر سر کہہ رہے تھے۔ ریاض احمد اور ایاز احمد دونوں ہی حیران تھے۔

''سر! آپ کے والد صاحب سے آج ہم سب ہی پہلی دفعہ مل رہے ہیں بڑے ہینڈسم اور گریس فل ہیں آپ کی طرح۔'' جنید نے ریاض احمد کی تعریف کی وہ جھینپ گئے۔

''سر۔'' وہ حیران تھے اور پھر کب تک چھپتا یہ راز بھی کھل گیا یوشع ایک گلاس فیکٹری کا مالک ہے سب کو ہی

سن کے شادی مرگ ہو گیا۔

"تم نے مجھے بھی نہیں بتایا۔"

"ابو! آج تو اسے بخش دیں کل اس کی ہم سب مل کے کلاس لیں گے۔" ایاز احمد کو خوشی بھی ہوئی تھی۔ یوشع اتنا ذمہ دار ہو گا اس کی کسی کو بھی خبر نہیں ہونے دی تھی۔ فراز نے بھی اسے سراہا تھا۔

ہوٹل سے ان سب کی واپسی بارہ سے پہلے ہی ہو گئی تھی سب ہی خاصے تھکے ہوئے تھے۔

"تو کیا بیوی کے پیچھے پیچھے ہے۔" نرگس نے فراز کو روک لیا وہ جھینپ کے سر کھجانے لگا تھا۔

"تم بھی حد کر رہی ہو فراز تم جاؤ۔" توصیف نے اسے کہا۔ وجیہہ کرن اس کے روم تک چھوڑنے جا رہی تھی۔

ادھر مریم کا بھوک سے برا حال تھا۔ اس نے افطار پانی سے ہی کیا تھا کسی کو بھی تو خبر نہیں تھی وہ روزے سے ہے اور اب وہ بری طرح بھوک سے بے حال تھی۔ خوب صورت خواب ناک روم بھی اس کی توجہ اپنی جانب نہیں کروا سکا تھا۔ بیڈ پر وہ تکیوں کے سہارے بیٹھی تھی اتنے میں وہ آ گیا تھا دل کی رفتار بڑھ گئی تھی۔ یوشع نے کھنکار کے اپنی آمد کا احساس دلایا تھا۔

مریم نے خود کو سنبھال کے رکھا ہوا تھا مگر دل لگ رہا تھا کہ رک جائے گا بھوک کی وجہ سے اس کے ہاتھ پاؤں بھی شل ہو رہے تھے۔

"کیسی ہو؟" وہ اس کے سامنے آ کے بیٹھ گیا تھا مگر وہ اسے دیکھنے سے بھی گریز کر رہی تھی جانے کیوں یہ احساس بھی بارے ڈال رہا تھا کہ اس پر رحم کھا کے ترس کھا کے اس کی شادی یوشع سے کرائی ہے۔

"کیسی نظر آ رہی ہوں۔" طنزیہ ہی کہا۔

"اوہو...... آج تو ٹون ہی بدل گئی ہے۔" یوشع اس کے ملکوتی حسن میں خود کو ڈوبتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

آپ کا شکریہ جو ایک بے سہارا لڑکی پر رحم کھا کے آپ نے شادی کر لی۔"

"واٹ......" یوشع تو کرنٹ کھا کے اٹھ گیا اور حیرانگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا جو بے یقینی لیے ہوئے تھی۔

"دس سال امریکہ میں رہے ہیں ظاہر ہے آپ کی پسند مجھ جیسی بیک ورڈ تو ہو نہیں سکتی۔"

"مریم! تم یہ کیا بول رہی ہو۔" اس کی تو سمجھ نہیں آ رہا تھا اس کی یہ بدگمانی کیسے دور کرے۔

"آپ نے مجھ پر احسان ہی کیا ہے ترس کھا کے شادی کی ہے۔"

"ہاں میرا دماغ خراب ہے جو ترس کھاؤں گا اگر میں تم پر ترس کھاتا تو دنیا میں جتنی بھی مجبور اور بے سہارا ہیں ان سب سے ہی شادی کر لیتا۔" یوشع کو تو اس کی بات پر غصہ ہی آ گیا۔

مریم سہم کے پیچھے ہو گئی اس نے کہنے کو تو کہہ دیا تھا جب ریاض احمد اور ریحانہ کو پتا چلے گا تو وہ کیا سوچیں گے۔

"میں نے تم پر ترس کھایا ہے تو ٹھیک ہے میں تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔" وہ اپنا نائٹ ڈریس نکالنے وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا۔

"امی اور ابو کے سامنے خدارا اپنی بے وقوفانہ باتیں قطعی نہیں کرنا، کیونکہ انہوں نے تم پر کوئی ترس نہیں کھایا ہے بلکہ انہوں نے مجھ پر ہی ترس کھایا ہے کہ مجھ جیسے نکھٹو لڑکے کو کون اپنی لڑکی دے گا۔"

مریم نے حیرانگی سے اس کی بات سنی وہ چینج کرنے واش روم میں گھس چکا تھا۔

اپنا تکیہ اٹھا کے پیچھے گیا مگر وہ لیٹا بیڈ پر ہی تھا۔

"میں ان مردوں کی طرح تو بالکل نہیں ہوں جو ہر بات کو انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں، ہاں البتہ تمہاری بدگمانی دور

ہونے کا انتظار ضرور کروں گا۔" کروٹ اس کی جانب لی تھی۔
"جاؤ تم بھی چینج کرلو۔" یوشع کتنے ارمان سجا کے آیا تھا۔ اس کے ایک نقش کو اپنی آنکھوں میں جذب کرلے گا جو آج کسی اپسرا سے تو کم لگ ہی نہیں رہی تھی۔ صبح سے وقت کاٹنا مشکل تھا۔ اسے اس روپ میں دیکھنے کے لیے اس کی شب زفاف ایسی گزرے گی اس نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

☆......☆

یوشع نے کچھ بھی ظاہر نہیں کیا تھا اور مریم وہ بھی نارمل ہی ہنس مکھ سی ان سب میں گھل مل گئی تھی۔ ادھر فراز اور ماں اتنا خوش تھے کہ دونوں ہنی مون پر یہ بھی اپنا پروگرام آنے تھے اور وہ بہانے ہی بنا تا رہ نیا نیا بزنس ہے چھوڑ کے جانا مناسب نہیں ہے۔
"ارے سویرا رمضان میں چند دن ہی رہ گئے ہیں۔ سودا سلف ہی لے آؤ میری ہمت نہیں ہے کہ میں جاؤں تم اور مریم جا کے لے آؤ۔" ریحانہ نے ان سے کہا۔
قریب ہی سپر اسٹور تھا جہاں سے مہینے کا راشن وغیرہ آتا تھا۔
"ٹھیک ہے میں اور مریم چلے جائیں گے۔" انہوں نے سر ہلایا مریم لہسن چھیلنے میں لگی ہوئی تھی۔
"اور ہاں نرگس کی طرف بھی پوچھتی جانا کیونکہ بعد میں پھر بولتی ہے کہ سودا لینے جاتی ہو تو ہم سے بھی پوچھ لیا کرو۔" وہ اپنی دیورانی کی طنز والی عادت سے بہت نالاں تھیں۔
"چچی جان! ابھی پتا نہیں کب تک ایسی رہیں گی۔" سویرا ڈائننگ ٹیبل پر پھیلی ہوئی سبزی سمیٹ رہی تھیں۔
"اگر ناشتا وغیرہ مل سکتا ہے تو دے دیں۔" یوشع بلیک پینٹ پر بلیک چیک کی شرٹ میں نکھرا ہوا بڑا ہینڈسم لگ رہا تھا۔
"آج تمہاری صبح دیر میں ہوئی؟" ریحانہ اسے نوٹ کررہی تھیں جب سے شادی ہوئی تھی وہ بہت چپ رہنے لگا تھا۔
"رہنے دو تم تو لہسن کے ہاتھوں سے ناشتا دو گی۔" وہ منہ بنا کے اٹھنے لگا۔
وہ جزبز ہوتے ہوئے رک گئی۔
"یوشع! کیا بدتمیزی ہے ناشتہ اگر وہ تمہیں دے گی تو پہلے ہاتھوں کو اچھی طرح دھوئے گی۔" ریحانہ نے تو اسے اچھی طرح ڈانٹ دیا وہ سر کھجا کے رہ گیا۔
مریم تیزی سے کچن میں چلی گئی۔
"سیدھی کیسی بنی ہوئی ہے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔
"کیا بول رہے ہو؟" ریحانہ نے چتون سیکڑ کے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔" وہ سنبھل گیا۔
مریم اس کے لیے ناشتا بنا کے لے آئی تھی دو پراٹھوں کے ساتھ آملیٹ بھی تھا۔ یوشع خوش ہوگیا کیونکہ پراٹھے کا موڈ بھی ہو رہا تھا۔
"تم اسے عید کی شاپنگ پہلے سے کرادو کیونکہ ٹیلر پھر کپڑے لیتے نہیں ہیں۔"
"امی! آپ لوگ شاپنگ کرنے جائیں گی انہیں بھی لے جائیے گا، بھابی سے بولیے گا مجھے شاپنگ سے الجھن ہوتی ہے۔" یوشع ویسے ہی خواتین کی شاپنگ سے بھاگتا تھا کیونکہ ایک دفعہ بھابی اسے ساتھ لے گئی تھیں،

ایمان چھوٹی تھی اس کی وجہ سے انہوں نے اتنی دیر لگائی تھی اس کے بعد سے اس نے کانوں کو ہاتھ لگا لیا تھا۔
"ابھی تمہارے ابو نے سنا تو دماغ ٹھیک کر دیں گے۔" انہوں نے کہا۔
"امی! میں بالکل بھی نہیں جاؤں گا۔" اس نے دوٹوک قطعیت بھرے لہجے میں کہا۔
مریم لب کچلنے لگی وہ جانتی تھی یوشع اس کے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ اس نے کہیں یوشع کے ساتھ زیادہ ہی زیادتی نہیں کر دی پہلے اتنا ہنستا مسکراتا تھا شادی کے بعد سے تو وہ جیسے سوبر ہو گیا تھا۔

☆......☆

فراز اور کرن ہنی مون سے واپس آ گئے تھے۔ یوشع ہنی مون پر نہیں گیا تھا۔ صرف مریم ان باتوں کی وجہ سے وہ چاہتا تھا مریم خلوص دل سے اپنا دل صاف کر کے اس کی طرف بڑھے گی تو ہی وہ کچھ کرے گا۔ وہ ان پندرہ دنوں میں خاصا سنجیدہ ہو گیا تھا صرف اس کی توجہ بزنس پر ہی تھی۔ رمضان بھی شروع ہو گئے تھے سب کچھ ہی وقت پر اور جلدی کرنا پڑتا تھا وہ بھی پانچ بجے تک گھر آ جاتا تھا اور پھر آرام کرتا تھا۔ پہلا عشرہ ختم ہونے والا تھا۔ فراز اس دن اس کے پاس چلا آیا۔
"یار! تمہاری تو صورت ہی نظر نہیں آتی شادی کر کے تو لگتا ہے سلیمانی ٹوپی پہننے لگے ہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے یوشع کو چھیڑا۔
"آفس سے آنے کے بعد تھکن ہی اتنی ہو جاتی ہے تو کچھ دیر سو جاتا ہوں روزے کی وجہ سے نیند بھی بہت آتی ہے۔" وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔
مریم اور سویرا بھابی افطار کی تیاری میں کچن میں مصروف تھیں۔ علیزہ کارٹون نیٹ ورک لگا کے بیٹھی ہوئی تھی اعیان گیم پر لگا تھا۔
"تم سناؤ چچی جان کا کرن سے غصہ کم ہوا بات چیت کرنے لگی ہیں وہ کرن سے۔"
"بات چیت کیا کرتیں میں ہی تھوڑا اسٹرک ہو گیا ہوں کرن نے کچن سنبھال لیا ہے امی کو وہ کچھ کرنے ہی نہیں دیتی ہے یہاں آ کے امی کچھ خاموش ہو گئی ہیں۔"
"چلو مبارک ہو کچھ تو چچی جان نرم پڑیں۔" یوشع کو سن کے خوشی ہوئی۔
"ارے مریم! کیسی ہو تم آتی ہی نہیں ہماری طرف۔" فراز کی نگاہ مریم پر پڑی وہ ڈائننگ ٹیبل پر لوازمات رکھ رہی تھی۔
"وہ بس روزوں کی وجہ سے آنا نہیں ہوا۔" اس نے عذر پیش کیا یوشع نے ایک نظر اس پر ڈالی دھانی کلر کے پرنٹڈ لان کے کپڑوں میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ شادی کے بعد وہ اور زیادہ پیاری ہو گئی تھی یا پھر یوشع کی نگاہوں میں اس کے لیے پیار ہی پیار تھا۔ وہ اسے اچھی لگتی تھی۔
"آپ سنایئے۔"
"ہم کیا سنائیں تمہارے مزاجی خدا کی خیر خبر لینے آیا تھا نظر ہی نہیں آتا۔"
"یہ تو ان سے پوچھیے۔" وہ نارمل انداز میں ہی مسکرائی تھی۔ یوشع نے اس کی طرف سے مکمل ہی گریز کیا ہوا تھا۔ مریم کو احساس ہو گیا تھا وہ اسے سچے دل سے چاہتا ہے جب ہی تو وہ ایک دم سے ہی اس نے ہنسنا بولنا چھوڑ دیا تھا ورنہ شادی سے پہلے کتنا شوق ہوا کرتا تھا۔
"ارے بیٹا! آ گئے ہو تو افطار کر کے جانا۔" ریحانہ بھی آ گئی تھیں۔ ریاض احمد اور ایاز بھائی بھی اسے دیکھ کر

لاؤنج میں آ گئے کافی دیر تک باتیں ہوتی رہی تھیں افطار کا تقریباً ٹائم ہونے والا تھا وجیہہ اسے بلانے آ گئی تو وہ اٹھ گیا سب نے بہت روکا مگر وہ اگلی دفعہ کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

''تمہاری صورت کیوں لٹکی رہتی ہے۔'' افطار سے سب فارغ ہوئے نماز پڑھ کر ریاض احمد آئے تو دیکھا وہ بھی آیا بیٹھا تھا۔

''آپ کو مجھ میں کیڑے ہی نظر آتے ہیں۔'' یوشع چڑ ہی گیا۔

''شادی ہوگئی ہے ہنسنا بولنا کیوں ختم کر دیا۔''

''جب شادی میری ایسی کروائیں گے تو خود ہی ہنسنا بولنا ختم ہو جائے گا۔'' وہ مریم کو سلگا کے اٹھ گیا اس نے چونک کے اس کی طرف دیکھا اور اسے لگا اندر کچھ ٹوٹ گیا اسے سب کے سامنے اپنا آپ عجیب لگا تیزی سے وہاں سے اٹھ گئی۔ ریحانہ اور ریاض احمد نے ایک دوسرے کو دیکھا جب کہ یوشع اطمینان سے بیٹھا تھا۔

☆......☆

دوسرے دن وہ اور بھابی بازار جا رہی تھیں۔ وجیہہ ہانپتی کانپتی آئی تھی۔ چچی جان پر گرم گرم دودھ گر گیا تھا وہ تو تیزی سے بھاگی تھی، اتنے میں سب ہی توصیف احمد کی طرف جمع ہو گئے تھے۔ کرن اور مریم تو ان کے پاس کھڑی ہو گئی تھیں۔ نرگس کچن میں اپنے لیے دودھ گرم کرنے گئی تھیں شوگر کی وجہ سے بھوک بار بار لگتی تھی۔ کرن نے کہا بھی مگر انہوں نے سنا نہیں پتا نہیں کیسے چپلی پھسلی اور ان کے پیٹ اور پاؤں پر گرم گرم دودھ گر گیا۔

''میں تو کہتا ہوں اتنی ضد بھی اچھی نہیں ہوتی شکر ادا کرو خدمت گزار بہو ملی ہے آگے بڑھ بڑھ کے کام کرتی ہے اس سے اتنی نفرت اور ناراضی بھی ٹھیک نہیں اور اب دیکھو یہی دونوں بچیاں ہی انہیں سنبھالے ہوئے ہیں۔'' توصیف احمد نے کہا۔

نرگس تو تکلیف کی وجہ سے کراہ رہی تھیں۔ مریم اور کرن ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔

''انہیں تو موقع ملنا چاہیے شرمندہ کرنے کا۔'' نرگس واقعی شرمندہ اور نادم تھیں کرن اور مریم دونوں ہی ان کی دیکھ بھال کر رہی تھیں وجیہہ تو چھوٹی تھی اس سے تو وہ سنبھلتی بھی نہیں۔

فراز نے مسکرا کے توصیف کو دیکھا قریبی کلینک لے کے گئے تھے نرگس کی بینڈیج وغیرہ کی گئی تھی وہ تو بچت ہوگئی تھی سمیرا چچی بھی آئی ہوئی تھیں ان کا کمرا ابھرا ہوا تھا افطاری تو بھابی اور فرح نے مل کے بنائی تھی سب نے ہی روزہ توصیف احمد کی طرف افطار کیا تھا۔

یوشع جب سے آیا تھا مریم سے اس کی بات نہیں ہوئی وہ نرگس چچی میں ہی لگی ہوئی تھی۔

''چلو تمہاری بھی زندگی سہل ہوئی۔'' یوشع نے فراز کے کان میں سرگوشی کی نرگس نے کرن کو جو قبول کر لیا تھا شاید انہوں نے اوپر والے کی رضا کو مان لیا تھا کرن ان کی جھڑکیاں اور طنزیہ باتوں کے باوجود بھی ان کی تیمارداری میں لگی تھی۔

''تم دونوں آرام بھی کر لو کیا میرے سر پر ہی سوار ہو۔'' وہ لیٹی ہوئی تھیں وہ جان بوجھ کے لہجے میں ترشی رکھتیں۔

''آپ کی ایسی حالت ہے ہم آرام کیسے کریں۔'' مریم مسکرائی، کاسنی پرنٹڈ کپڑوں میں ان کے سامنے ہی بیٹھی تھی اور کرن ان کے لیے دودھ اور ڈبل روٹی لے کے آئی تھی اور خود اپنے ہاتھوں سے کھلا رہی تھی۔

''جاؤ تم یوشع! کب سے آیا بیٹھا ہے ٹائم دیکھو گیارہ بج رہے ہیں۔'' انہوں نے دیوار گیر گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

''میں آج آپ کے پاس ہی رکوں گی۔'' مریم بیڈ پر پاؤں سمیٹ کے بیٹھ گئی۔ کرن مسکرانے لگی تھی۔
''لڑکی باؤلی تو نہیں ہوگئی ہے جاؤ اپنے گھر۔''
''چچی جان! کیا ہوگیا ہے۔'' وہ بضد تھی۔ یہیں رکنے کو کیونکہ یوشع کی باتیں جو بھی سوچتی تھی اسے دکھ بھی ہوتا تھا۔ شاید ترس کھا کے اس نے شادی کی ہے اس دن کے بعد سے یوشع بھی اس سے نارمل ہوگیا تھا اس سے ضرورت سے زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔
''کرن! تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ صبح سے لگی ہوئی ہو کاموں میں، پھر سحری میں بھی اٹھنا ہوتا ہے۔'' نرگس تو آج ان دونوں کا کتنا خیال کر رہی تھیں دونوں کے لیے خوش کن اور حیران کن ہی تھا مگر دونوں بہت خوش تھیں نرگس نے دونوں کو خوش ہو کے گلے لگایا تھا تو صیف احمد کتنے شانت سے ہوگئے تھے۔
یوشع فراز اندر داخل ہوئے مریم جھجک کے سمٹ گئی۔
''یوشع! چل اپنی بیوی کو لے کے جا ہمیں بھی آرام کرنا ہے۔'' نرگس اپنے چہرے کے تاثرات ایسے دینے لگیں جیسے واقعی انہیں نیند آرہی ہو۔
فراز اور کرن ان کی بات سمجھ گئے تھے مریم لب بھینچ کر انہیں دیکھنے لگی۔ یوشع نے اپنی مسکراہٹ روکی۔
''امی! میں بھی اپنی بیوی لے جاؤں۔'' فراز نے شرارت سے ہی کہا۔
''ہاں، ہاں تمہارے ابو آتے ہی ہوں گے۔'' آج نرگس کا موڈ بالکل ہی بدلا ہوا تھا چہرے پر ذرا بھی ناگواریت نہیں تھی۔

☆......☆

تینوں گھرانوں میں ایک دم ہی بہار آگئی تھی۔ نرگس نے اپنی ضد اور انا چھوڑ کے کرن کو بہو تسلیم کرلیا تھا۔ سمیرا بے فکر اور خوش ہوگئی تھیں ان کی بیٹی کو خوشیاں جو مل گئی تھیں۔ نرگس نے سمیرا کو بھی گلے لگالیا۔ یہ عید خوشیاں لے کے آرہی تھی۔ مریم بھی بہت خوش تھی کیونکہ اسے بھی ماں مل گئی تھی نرگس نے اسے بیٹی جو کہہ دیا تھا مریم کو یقین ہی نہیں آیا تھا اس کی جو سگی خالہ تھیں ان کا کچھ اتا پتا ہی نہیں تھا اور نہ وہ کتنی غم زدہ اور اداس رہتی تھی نرگس نے اس کے سر پر پیار و محبت کا آنچل جو کر دیا تھا سب ہی ٹھیک اور اچھا ہوگیا تھا مگر اس کی ان بن تو یوشع سے چل رہی تھی اس نے اس کے خلوص و محبت پر جو شک کیا تھا۔
''لگتا ہے کل آخری روزہ ہوگا اس لیے آج ہی سارے کام نمٹالو۔'' سویرا بھابی نے اس سے کہا جس کا ذہن کہیں اور ہی گم تھا۔
''جی بالکل بالکل۔'' وہ کشنز کے کور چڑھا رہی تھی۔
''لگتا ہے تمہارا ذہن کہیں اور ہے۔'' سویرا بھابی معنی خیزی سے اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھیں۔
''ن..... نہیں تو۔'' وہ گڑبڑا گئی۔
یوشع اسی وقت ہی لاؤنج میں آیا تھا وہ نماز اور تراویح پڑھ کے کہیں چلا گیا تھا اس لیے کافی دیر میں آیا تھا۔
''یوشع! مریم کی تمہاری کیا لڑائی ہے۔''
''ارے نہیں بھابی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' مریم تو سٹپٹا ہی گئی کیونکہ اسے پتا تھا یوشع کو موقع ملنا تھا اس کے متعلق کچھ کہنے کا۔
''لڑائی کیسی مگر لوگوں نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔ زبردستی ہماری شادی کروائی ہے کم از کم آپ ان محترمہ

سے تو پوچھ لیتے یہ راضی بھی ہیں یا نہیں آپ لوگوں نے میرے ساتھ برا کیا ہی ان کے ساتھ بھی کیا۔" یوشع کے لہجے میں افسردگی کے ساتھ طنز بھی تھا ریحانہ ہکا بکا سی تھیں۔ انہوں نے سن لیا تھا۔ مریم، ریحانہ کو سامنے دیکھ کے شرمندگی سے نگاہ جھکا کے رہ گئی کیونکہ وہ لوگ اس کے متعلق پتا نہیں کیا سوچ رہی ہوں گی۔

"مریم بیٹا! تمہیں ہم سے کوئی شکایت ہے۔ آپ نے ہمارے پوچھنے پر منع کیوں نہیں کیا اگر یوشع پسند نہیں تھا تو....." ریحانہ متفکر زدہ لہجے میں گویا ہوئیں، مریم تو گھبرا گئی کیونکہ یوشع نے ایسی بات کر دی جس سے بات اس پر ہی آ رہی تھی۔

"امی آپ نے اور بابا نے میرے ساتھ نہیں ان کے ساتھ ظلم کیا ہے۔" یوشع کو تو مریم پہ غصہ تھا وہ اپنی بھڑاس نکال کے چلا گیا تھا اور مریم کو سب کے سامنے مجرم کی طرح چھوڑ گیا۔

"نن......نہیں......امی ایسی کوئی بھی بات نہیں یہ تو یونہی مذاق کر کے گئے ہیں۔" اس سے تو بات بنانا بھی مشکل ہو رہا تھا جب کہ سویرا بھابی اور ریحانہ جیسے اسے گہری نگاہوں سے جانچ رہی ہوں وہ سچ کہہ رہی ہے یا بات بنا رہی ہے۔"

"لگتا ہے ہم سے ہی غلطی ہو گئی ہے۔ یوشع بھی چپ چپ رہتا ہے ضرور تم دونوں میں کچھ چل رہا ہے۔" ریحانہ تو باقاعدہ رونے لگیں سر پکڑ کر رہ گئیں یہ ان سے کیا ہو گیا سویرا بھابی نے انہیں تھاما اور مریم اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے وہ تذبذب کا شکار لب کچل رہی تھی۔

"اس کے بابا تو یوشع کو بخشیں گے نہیں اگر اس نے کچھ بھی الٹا سیدھا مریم کے ساتھ کیا۔"

"امی! آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے میں بہت خوش ہوں شادی سے بلکہ مجھے تو فخر ہے میری شادی پیار کرنے والوں میں ہوئی ہے۔ آپ سب نے ہی مجھے اتنی محبت دی ہے۔" مریم یہ سب دل سے ہی بول رہی تھی وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی اگر ریاض احمد اور ایاز بھائی آ گئے تو اسے اور ہی شرمندگی ہوتی یوشع کے خلوص پر شک کرنا ان سب کے خلوص پر شک کرنا تھا بھابی نے مشکل سے ریحانہ کو سنبھالا تھا۔

☆......☆

وہی ہوا، انتیس کا چاند نظر آ گیا تھا۔ شہر میں لگتا تھا ہڑ بونگ ہی مچ گئی تھی۔ سب کے ادھورے اور رکے ہوئے کام اور ادھوری شاپنگ کی جلدی مچی ہوئی تھی۔ اس کی عیدی تو نرگس اور توصیف احمد نے بھیجی تھی ہر چیز ہی اچھی تھی اس نے خود بھی شاپنگ کی تھی مگر یوشع نے اپنی پسند اور خوشی سے عیدی کے نام پر کچھ نہیں دلایا تھا مگر مریم کو احساس تھا اس نے اس کے ساتھ زیادہ ہی غلط کر دیا تھا وہ کتنا چپ چپ ہو گیا تھا ورنہ وہ کتنا شوخ تھا اس کی آنکھوں کی سچائی تو واضح نظر آتی تھی مگر جانے کیوں ایسا لگ رہا تھا یوشع کے ساتھ غلط ہوا ہے اسے کچھ تو ایسا کرنا ہے کہ سب ٹھیک ہو جائے ریحانہ کی تو طبیعت ہی خراب ہو گئی تھی وہ ایسا بھی نہیں چاہتی کہ اتنے پیار کرنے والوں کو ناراض کرے سارے کام نمٹا کے وہ روم میں جا رہی تھی کہ ریحانہ نے پکار لیا۔

"جی امی!" وہ نادم اور سر جھکا کے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

"دیکھو بیٹا! یوشع کو تم غلط نہیں سمجھو وہ بہت اچھا ہے تم اسے سمجھو میرا بیٹا ایسا نہیں ہے پتا نہیں اس نے ایسی بات کیوں کہہ دی ہم سے غلطی تو ہو گئی ہے تم سے پوچھا نہیں۔"

"امی! ایسی کوئی بات نہیں ہے میں نے دل کی رضامندی کے ساتھ یہ رشتہ قبول کیا ہے مجھ سے اگر غلطی ہو گئی ہو تو معاف کر دیجیے گا۔" مریم کی آواز بھرا گئی وہ رونے لگی تھی اسے کل سے یہ احساس ہو گیا تھا یہ سب تو اس کے

اپنے ہی ہیں وہ ان کے خلوص پر شک کرنے چلی تھی۔
''آپ یوشع سے پوچھ لیتیں کیا پتا انہیں کوئی اور ماڈرن سی لڑکی پسند ہو اور انہوں نے یہ زبردستی رشتہ قبول کیا ہو۔''
یوشع اسے ہی ڈھونڈنے باہر آیا تھا۔ اب تک وہ روم میں آئی کیوں نہیں۔ امی اور ابو کے روم سے اس کی آواز آئی تھی۔
''اوہ..... تو معاملہ سنگین ہو گیا ہے امی نے تو واقعی دل پہ لے لیا اور اگر بابا کو خبر ہوئی تو یوشع احمد تمہاری خیر نہیں۔'' وہ جھٹ اندر آ گیا مریم نے تو پشت گھما لی جب کہ امی نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔
''ارے امی! آپ نے تو سیریس ہی لے لیا میں تو یونہی کہہ رہا تھا کیونکہ آپ کی بہو نے دو تین دن سے مجھ پر سے توجہ ہٹائی ہوئی تھی نرگس چچی کے آگے تو ہماری کوئی خیر خبر ہی نہیں لی۔'' اس نے معنی خیز سے کہتے ہوئے لہجے اور آواز میں شوخی رکھ کے کہا۔
مریم نے چونک کے اسے دیکھا جو بات سنبھالنے آ گیا تھا وہ بھی نہیں چاہتا تھا وہ پریشان رہے۔
''میرے بچے تو نے کل سے میرا دل ہولا کے رکھ دیا ہے۔'' وہ جیسے مطمئن ہو گئی تھیں۔
''امی! بتایئے ایسے بھی بھلا کوئی کرتا ہے میاں کو اگنور ہی کر دو۔'' وہ خفگی دکھا کے منمنایا۔
مریم نے اپنا چہرہ صاف کیا یوشع کی آنکھوں میں اسے شوخی شرارت اور جانے اور کچھ نظر آ رہا تھا وہ گھبرا کے کھڑی ہو گئی۔
''نرگس کی حالت تو دیکھی تھی کرن نے اور اس نے ہی سنبھالا ہے۔ شکر ہے مالک، نرگس کو عقل آئی اور ان بچیوں کو بھی گلے لگا لیا۔'' وہ بھی مطمئن اور خوش تھیں۔
''آپ اتنی پریشان ہو گئیں۔'' یوشع ان کے ہاتھ تھام کے بولا۔
مریم اٹھ کے جانے والی تھی دوسرے ہاتھ سے اسے پکڑ کے واپس بٹھا دیا۔
''آرام سے بیٹا۔'' ریحانہ نے اسے گرتے دیکھا تھا۔
''پلیز امی! بابا کو کچھ نہیں کہیے گا ہم دونوں کی ایسی ہی معمولی سی لڑائی تھی میں نے شرارت میں ایسا کہہ دیا آپ نے تو دل پہ لے لیا۔'' یوشع نے اپنے لب و لہجے اور باتوں سے انہیں کافی حد تک مطمئن کر دیا تھا اور مریم نے بھی تشکر بھرا سانس لیا تھا۔ یوشع نے اسے امی کی نظروں میں گرنے نہیں دیا تھا۔
''جاؤ بیٹا! تم لوگ سوؤ، صبح پھر عید ہے نماز کے لیے اٹھنا ہوگا۔ تمہارے بابا لگتا ہے ٹی وی دیکھتے وہیں سو گئے ہیں۔'' انہوں نے دونوں کو جانے کا کہا تھا۔ آج چاند رات تھی بچے تو شام سے شور مچا رہے تھے بھابی نے نو بجتے ہی سونے کا کہہ دیا تھا تاکہ صبح فریش اٹھیں۔

☆......☆

صبح سب ہی جلدی اٹھے تھے۔ بابا کی ڈانٹ کا اثر تھا جو یوشع سب سے پہلے تیار ہو کے نکلا تھا ایاز بھائی نے اسے حیرانگی سے دیکھا تھا۔ عید کی نماز سب ہی ساتھ پڑھتے تھے توصیف احمد اور فراز بھی ان کے ساتھ جاتے تھے۔ بھابی نے اور اس نے مل کر سب سے پہلے ناشتہ سیٹ کر دیا تھا۔ ریحانہ نے اسے تیار ہونے کو کہہ دیا تھا۔ دوپہر کے کھانے پر توصیف احمد اور نرگس نے سب کو بلایا تھا۔ مریم اس لیے بھی کام کی وجہ سے جلدی جانا چاہتی تھی مگر پہلے وہ یوشع سے دل صاف کرنا چاہتی تھی اس سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ پنک ایمرائیڈری کے اسٹائلش سے سوٹ میں میک اپ جیولری میں بہت حسین اور دلکش لگ رہی تھی شادی کے بعد اس کی پہلی عید تھی جو اسے

بہت انوکھی اور دلفریب لگ رہی تھی۔

ڈریسنگ ٹیبل کے مرر میں اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ اسی وقت وائٹ قمیض شلوار میں ملبوس اندر داخل ہوا مریم جھینپ کے مرر کے سامنے سے ہٹ گئی۔

''سارے ہتھیاروں سے لیس ہے کتنا امتحان لے گی میرا دل پر کیسے قابو رکھوں۔'' اس نے اچٹتی نگاہ ڈالی اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر اپنا سیل اور والٹ رکھا۔

''موڈ سخت خراب ہے ان کا تو۔'' مریم کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اس نے نہ صرف یوشع کے بلکہ سب گھر والوں کے خلوص پر شک کیا تھا۔

''عید مبارک۔''

یوشع نے حیرت وانبساط میں مبتلا ہو کے ایسے دیکھا جو نگاہوں کو جھکائے اس کے سامنے کھڑی تھی وہ جو آرام کرنے کی غرض سے وہ بیڈ پر لیٹنے ہی لگا تھا وہ مقابل آ گئی تھی۔

''عید مبارک۔'' خفگی اور ناراضی ہنوز رکھی ہوئی تھی وہ یہ کہہ کر لیٹ گیا۔

''مجھے معافی مل سکتی ہے؟'' ڈرتے جھجکتے ہوئے وہ شرمندہ لہجے میں بول رہی تھی۔

یوشع نے چونک کے اس کے خوب صورت سلونے روپ کو اپنی آنکھوں میں جذب کیا۔ کتنی دل کو پیاری لگ رہی تھی۔ دل کہہ رہا تھا وہ کوئی بے ساختہ شرارت کر دے۔

''معافی کس لیے؟'' وہ انجان بنا۔

''پلیز مجھے معاف کر دیں میں نے اس رات جانے کیا کیا کہہ دیا پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا تھا۔''

''کہ میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں گا تم سے زبردستی میرے بابا نے شادی کروادی۔'' یوشع نے آگے سے بول کے اپنا جملہ پورا کر دیا مریم جزبز خفیف سی اپنے ہاتھوں کو آپس میں مسل رہی تھی۔

''مجھے اگر تم سے ترس کھا کے شادی کرنی ہوتی تو تم سے کب کا دور ہو جاتا مگر میں تمہیں دل کے اندر بسا چکا تھا تم یہ سمجھ رہی تھیں میں نے ترس کھا کے شادی کی ہے۔'' وہ تو بھڑک ہی اٹھا۔

مریم سہم کے دور ہو گئی۔

''ہر بات کی حد ہوتی ہے۔ بابا نے تمہاری اور فراز کی شادی کا کہا تو میرے دل پر کیا گزری اس وقت میری سمجھ میں جو آیا وہ کیا یعنی فراز اور کرن کا نکاح کروا دیا کیونکہ فراز شروع سے کرن کو پسند کرتا تھا۔ بابا کا غلط فیصلہ اور نرگس چچی کی ضد کی وجہ سے چار زندگیاں برباد ہو جاتیں یہ سب میں نے صرف تمہارے لیے کیا کیونکہ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔'' اس نے مریم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اپنی محبت کا یقین دیا۔

اور مریم کا حیرانگی سے منہ کھل گیا۔ یوشع کی محبت ایسی شدتوں کی تھی وہ ہی نہیں سمجھ پائی تھی۔

''نہیں تمہیں تو نہیں بولنے کی عادت ہے ارے مجھے ماڈرن لڑکی پسند ہوتی تو میں یہ سب بالکل نہیں کرتا۔''

مریم کا ندامت سے سر جھک گیا وہ اسے یقین پر یقین دے رہا تھا۔

یوشع نے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ مزید اور بول کے اپنی بھڑاس نکال رہا تھا۔ اسے یقین تو دینا تھا وہ اپنی اس زندگی سے اکتا گیا تھا وہ زندگی میں مریم کو پیار و محبت سے جیتنا چاہتا تھا۔

''اب جاؤ تم نرگس چچی کی طرف ویسے ہی دعوت ہے تمہیں کام ہوں گے۔'' اسے یاد آیا تو بولا اور کروٹ بدل کے لیٹ گیا۔

"وہ اپنی عید ایسی ناراضی تو نہیں گزرنے دے گی۔"

"مجھے معاف کردیں میں غلط سوچ رہی تھی۔ ظاہر ہے جس کے سر سے ماں و باپ کا سایہ اٹھ گیا ہو اور وہ دوسروں کے در پر پڑی ہو تو منفی سوچیں تو آتی ہیں نا مگر مجھے تو صیف انکل نے بہت محبت سے رکھا۔"

"ہم سب کیا تمہیں نفرت سے رکھ رہے تھے۔ میری ماں میرے بابا۔" وہ تڑخ کے گویا ہوا۔

"نہیں ان سب نے تو مجھے ماں و باپ کی محبت و شفقت دی میں اس قابل نہیں تھی مگر میرے مالک نے مجھے میری اوقات سے زیادہ دیا۔ پلیز مجھے معاف کردیں۔" وہ اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"بس... یہ کیا کر رہی ہو میرا مطلب ہے یہ نہیں تھا کہ تم میرے قدموں میں بیٹھ جاؤ۔" یوشع نے اٹھ کے اس کے ہاتھوں کو تھام لیا آج وہ اتنے اہتمام سے تیار ہوئی تھی وہ اتنا بھی سنگ دل نہیں تھا کہ اسے معاف نہ کرے۔

"سو......سوری......"

"یار! بس بھی کرو تم تو میری اور اپنی ساری عید خراب کر رہی ہو۔" اس نے مریم کو اپنی بانہوں میں بھر لیا اور اسے کب سے ایسے ہی وقت کا انتظار تھا وہ اسے خود سے قریب کرے۔

"تمہارا تو اتنا سا دل ہے اگر تمہیں اتنا بولنا آتا ہے تو جواب میں مجھے بھی آتا ہے، ای کو تو فکر ہو گئی ہے واقعی تم سچ میں خوش نہیں ہو مجھ سے شادی پر۔"

"نہیں میں بہت خوش ہوں اور آپ کا شکریہ مجھے اتنی عزت دی۔"

"اب بس بھی کرو اور ہاں عید کے تیسرے دن تم اور میں پاکستان ٹور پر چلیں گے اور ہاں تمہاری خالہ کا بھی پتا چل گیا ہے۔ وہ گلگت میں رہتی ہیں میں نے اور توصیف چچا نے ساری معلومات جمع کرلی ہیں۔"

"کیا......؟" مریم پر تو شادی مرگ طاری ہو گیا۔

"مریم! آجاؤ نرگس چچی بلا رہی ہیں۔" سویرا بھابی کی آواز آئی تو دونوں ہی چونک گئے۔

"آتی ہوں بھابی۔" اس نے ہانک لگائی۔

"ابھی تو جاؤ مگر رات کو ہم دونوں عید منائیں گے۔" یوشع کا لہجہ معنی خیز اور شرارتی ہو گیا۔ آنکھوں میں پیار کی روشنی صاف نظر آرہی تھی۔ مریم نے حیاء سے نگاہ جھکائی تھی۔

"مل کے پیکنگ کریں گے۔"

مریم نے مسکرا کے سر ہلایا یہ عید تو اسے خوشیاں دے گئی تھی۔ اسے خبر بھی نہیں ہوئی یوشع نے اس کی خالہ کا بھی پتا لگا لیا تھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔" مریم کے رخسار پر اپنی محبت کا لمس چھوڑا وہ جھینپ کے چہرے ہاتھوں میں چھپا کے رہ گئی۔

"مریم......مریم......"

"ارے تم جاؤ بلاتی رہیں گی۔" یوشع بدمزہ ہی ہو گیا مریم ہنسنے لگی۔

اسے اپنے جیون ساتھی کا پیار، محبت اور اپنائیت اس عید پر مل گیا تھا۔ اس نے رب کا شکریہ ادا کیا۔ اوپر والے نے اس کے دامن میں خوشیاں ڈال دی تھیں۔

......☆......

ثناء کنول اللہ دتہ

ناولٹ

عید اور زرد موسم کے پتے

''سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی وہ اٹھی تھی۔ سب سے پہلے نماز ادا کی پھر بال بناتی لان میں چلی آئی جہاں پر ابو پہلے ہی واک کرنے میں مصروف تھے۔ ابو کو سلام کر کے وہ بھی واک کرنے لگی۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ سیدھی کچن میں چلی آئی تھی۔ سب کے لیے ناشتا بنایا اور دیا کے لیے سلاد بنا کر برگر بنانے کے بعد وہ ناشتا ٹیبل پر سیٹ کرنے کے بعد دیا کے پاس چلی آئی۔

''دیا! میری جان اٹھو ناشتا تیار ہے۔''

''کیا ہے آپی! تم تو صبح ہی صبح جن کی طرح حاضر ہو جاتی ہو۔ بندہ دل بھر کر سو بھی نہیں سکتا۔''

''ارے دن کے آٹھ بج چکے ہیں اور کتنا سوؤ گی تم! ای خفا ہوں گی چلو اٹھو اب تم۔''

''اچھا۔''

وہ کہتے ہوئے اٹھی اور واش روم میں گم ہو گئی۔ باقی ایک پل کے لیے رکی اور مسکراتی ہوئی کمرے کی سیٹنگ کرنے لگی تھی۔ انہیں دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ دونوں بہنیں ہیں۔ دیا چھوٹی تھی پر باقی کو کسی کام میں نہ گنتی تھی۔ اسے کبھی بھی بڑی بہن والا درجہ نہیں دیا تھا۔ اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اس کی وجہ سے کسی کا دل دکھتا ہے۔ اسے ہمیشہ سے اپنی پروا رہی تھی وہ ہر جگہ خود اپنے آپ کو ہی دیکھنا چاہتی تھی۔ پھر خدا کی قدرت کہ وہ باقی سے زیادہ خوب صورت تھی اور اسے طریقہ سلیقہ بھی تھا کہ خود کو کیسے تیار رکھنا ہے اور وہ اس کام میں ماہر بھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جہاں بھی جاتی اپنے نام کی طرح چھا جاتی تھی۔ کوئی بھی اس کی تعریف کیے بنا نہ رہ سکتا تھا۔ باقی کو اپنے کم صورت ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس نے اس بات کو کبھی بھی ایشو نہیں بنایا تھا۔

☆......☆

دوپہر کو ڈھیروں ڈھیر کپڑے دھونے کے بعد وہ کپڑے تبدیل کرتی سیدھی لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ تھکن سے اس کا برا حال تھا کہ لاؤنج میں قدم رکھتے ہی وہ ساکت رہ گئی۔ پورے لاؤنج میں جا بجا کے شاپر بکھرے ہوئے تھے۔ کشن اوندھے زمین پر گرے دہائی دے رہے تھے جب کہ دیا سامنے ہی صوفے پر بیٹھی رام لیلا کا ڈرامہ دیکھ رہی تھی جس میں بھگوان کو دکھایا جا رہا تھا ساتھ ہی منتر پڑھے جا رہے تھے۔ ایک پل کے لیے باقی کا دل رک سا گیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ بھاگتی ہوئی آگے بڑھی اور ٹی وی کا سوئچ نکال دیا اور اپنی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے مس باقی صاحبہ! کم از کم سکون سے مجھے ٹی وی تو دیکھنے دو ابھی اتنا پیارا سین آنے والا تھا اور تم نے۔''

''بس جسٹ شٹ اپ اینڈ بی کوائٹ۔ حد ہوتی ہے دیا! بے ہودگی کی بھی تمہیں میری بدتمیزی نظر



آ رہی ہے اور اپنا گناہ نہیں۔ تم جانتی ہو کہ اس طرح ان کو دیکھ کر تم اپنا ایمان ختم کر رہی ہو۔ تمہیں کچھ احساس بھی ہے ایمان کی ذرہ پرواہ بھی ہے تمہیں۔"

"آپی! تم بھی ناں انہیں دیکھنے سے کون سا ایمان ختم ہو رہا ہے پھر کو دیکھنے سے۔ ویسے بھی ہمارا ایمان اتنا کمزور نہیں ہے کہ پل میں ختم ہو جائے۔" وہ لاپروائی سے کہہ گئی جب کہ باتی دکھ سے بولی۔

"میں نے آج تک تمہیں کسی بات کے لیے نہیں روکا مگر آج میں تمہیں کہتی ہوں کہ تم جیسی بے خوف لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی ارے ڈر نہیں لگتا تمہیں خدا کے عذاب سے۔ کیوں آواز دے رہی ہو اس کے عذاب کو۔" غصے سے کہتے ہوئے وہ مڑی اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ مارے خوف خدا کے اس کا روم روم کانپ رہا تھا کتنا بڑا گناہ کر رہی تھی اس کی بہن اور وہ اس سے کچھ کہہ بھی نہیں سکی تھی کیسی عجیب بے بسی تھی۔

دو دن تک پورے گھر میں خاموشی کا راج رہا اور پھر تیسرے دن خود باتی کو ہی ہمت کرنی پڑی۔

"دیا! میری جان ناراض ہو؟"

"ارے واہ کیا انداز ہے کیا شان بے نیازی ہے قتل کر کے پوچھ رہی ہو کہ کہیں میں مری تو نہیں۔" غصے سے کہا گیا تھا اس کے انداز پر باتی مسکرا کر رہ گئی۔

"اچھا سوری نا، مجھے معاف کر دو مجھے اتنا ہائپر نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

غلطی نہ ہونے کے باوجود وہ معافی مانگ رہی تھی ہمیشہ کی طرح وہ جانتی تھی کہ دیا اپنی غلطی کبھی نہیں مانے گی۔ اسے ہی جھکنا ہوگا اور وہ جھکنے کے لیے تیار بھی تھی۔ جس درخت پر زیادہ پھل ہوتے ہیں جھکتا وہی ہے ویران درخت تو کبھی نہیں جھکتا نا۔"

"ایک شرط پر معاف کروں گی۔"

"وہ کیا؟" وہ گہرا سانس بھر کر بولی۔

"آج رات مجھے میری ایک دوست کی پارٹی میں جانا ہے تم تو جانتی ہو نا کہ بابا مجھے کبھی بھی اجازت نہیں دیں گے اکیلی جانے کے لیے اسی لیے تم میرے ساتھ چلو گی اور بابا سے اجازت بھی تم خود ہی لو گی او کے۔"

"لیکن......"

"لیکن ویکن کچھ نہیں اگر معافی چاہیے تو یہ کرنا ہی پڑے گا۔" وہ ہٹ دھرمی سے کہتی اٹھی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی جب کہ باتی سوچ میں گم ہو گئی۔ آخر بابا سے اجازت کیسے لے۔ منع بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دیا کی ضد کو جانتی جو تھی۔ اور پھر بالآخر مشکل سے ہی سہی اس نے دو گھنٹوں کے لیے جانے کی اجازت بابا سے لے ہی لی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹہ تیار ہونے کے بعد دیا ریڈی ہوئی تھی۔ تیز کلر کی ٹی شرٹ پر اس نے بڑا سا برقع پہن لیا اور رکشے میں سوار ہوئی اور ایک بڑے سے ہال کے سامنے رکشہ جا کر رک گیا تو وہ دونوں رکشہ والے کو کرایہ دے کر اندر داخل ہوئیں۔ ہاتھ میں پکڑے بیگ میں دیا نے برقعہ ڈالا اور دوپٹہ گلے میں پھیلائے ہال میں داخل ہو گئی۔ وہ سب سے ملنے میں گم تھی اور نہ جانے کتنے مرد اسے پرشوق نظروں سے گھور رہے تھے۔ جنہیں وہ شان بے نیازی سے اگنور کر رہی تھی۔ بڑے لوگوں میں آ کر دیا بھی ہائی سوسائٹی ہی کا حصہ لگ رہی تھی۔ باتی چپ چاپ ہال کے ایک طرف بنی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ لائٹ سا میک اپ ریڈ کلر کا دوپٹہ تھا جسے اس نے سلیقے سے سر پر جما رکھا تھا۔ کنٹراس کر کے سفید کلر کا چوڑی دار پاجامہ پہنے وہ ان سب سے الگ لگ رہی تھی۔ حیرت سے سب کو دیکھتی اور دکھ سے دیا کو دیکھ کر رہ جاتی۔

"دیا ڈارلنگ! وہ جو لڑکی آپ کے ساتھ آئی تھی وہ وہاں پر اکیلی بیٹھی ہے اسے نہیں ملواؤ گی۔"

معروف بزنس مین بٹ صاحب کا اکلوتا بیٹا منیب بٹ جسے دیا نے بڑی مشکل سے پھنسایا تھا اس کے قریب آکر بولا تو دیا ایک پل کے لیے گڑبڑا کر رہ گئی پھر بے دلی سے بولی۔

''جی کیوں نہیں آیئے نا پلیز۔''

دیا کسی بھی طرح منیب بٹ کو کھونا نہیں چاہتی تھی آخر اس کی وجہ سے ہی تو اس کے خواب پورے ہوئے تھے اسی لیے بمشکل مسکرا کر باتی کے پاس چلی آئی۔

''تو مسٹر منیب بٹ یہ ہیں میری سسٹر باتی۔''

''اور باتی یہ ہے میرے دوست منیب بٹ۔''

''جی السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام، کیسی ہیں آپ؟ یہاں پر سب سے الگ کیوں بیٹھی ہیں آپ جیسی ہستی تو اس پارٹی کی شان ہے۔''

''تو، آئم فائن، چلو دیا کافی دیر ہو رہی ہے تین گھنٹے ہو چکے ہیں ہمیں آئے ہوئے۔''

''ابھی تو آئے ہو اور ابھی سے جانے کی باتیں کرنے لگیں چلو خیر اب تو آپ سے ملاقات ہوتی رہے گی۔'' شرارت سے مسکرا کر کہا تو باتی نے گھور کر اسے دیکھا پھر طنز سے مسکرا کر بولی۔ ''نہ ہم آپ کے لیے آئے تھے اور نہ ہی آپ کی وجہ سے جا رہے ہیں پھر ملاقات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''اچھا لگا یہ جان کر کہ کافی حاضر جواب ہیں آپ اور رہی بات ملاقات کی تو وہ تو ہم طے کریں گے کہ کب ملنا ہے ہمیں۔''

''چلو دیا۔'' وہ غصے سے بولی اور ہال سے باہر نکلتی چلی گئی۔ جب کہ دیا غصے سے کھول کر رہ گئی تھی جب کہ دو پرشوق نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

''کوئی طریقہ سلیقہ ہے تمہیں بات کرنے کا، اگر وہ یہ ناراض ہو گئے تو......''

رات کو وہ سونے کے لیے جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی دیا اس پر چڑھ دوڑی۔

''کیا مطلب، کس کی بات کر رہی ہو تم۔'' اس کے لاپروائی سے کہنے پر دیا طنز سے مسکرا کر بولی۔

''اب تم اتنی بچی تو ہو نہیں کہ تمہیں ہر بات واضح کر کے کہنی پڑے۔''

''او...... تو تم اس منیب بٹ کی بات کر رہی ہو۔ دیکھو دیا! تمہیں یا مجھے اس کی ناراضی کی پرواہ بالکل نہیں ہونی چاہیے۔ ہماری طرف سے وہ جائے بھاڑ میں۔ یہ امیر لوگ ایک بھنورے کی طرح ہوتے ہیں جو ہر پھول پر بیٹھتا ضرور ہے مگر اس کا مقصد صرف رس چوسنے کا ہوتا ہے۔''

اس کی بات پر دیا غصے سے چادر اوڑھ کر سوتی بن گئی تو باتی ایک گہرا سانس بھر کر رہ گئی اور پھر اس رات کے بعد ان دونوں میں اس ٹاپک پر کوئی بھی بات نہ ہوئی تو باتی بھی سب کچھ بھول گئی اور پھر تقریباً ایک مہینے بعد گھر میں باتی کے رشتے کی باتیں ہونے لگیں۔ امی ابو رات رات بھر بیٹھ کر میٹنگ کرنے لگے مگر اسے کوئی خاص خبر نہ تھی تو اسی لیے بے پرواہ بن گئی اور پھر ایک دن صبح صبح امی نے اسے بتایا کہ اس کا رشتہ دیکھنے کے لیے کچھ لوگ آ رہے ہیں تو وہ تیار ہو جائے۔

وہ شرمائی گھبرائی تیار ہونے چل دی۔ وہ تیار ہو کر کچن میں آئی تو امی نے اس کے ہاتھوں میں چائے کی ٹرے تھما دی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر اس نے ایک پل کے لیے نظریں اٹھائیں اور ساکت رہ گئی۔

''ارے بیٹا! آؤ میرے پاس بیٹھو۔''

''جی۔''

وہ حیران سی خوب صورت سی آنٹی کے پہلو میں بیٹھ گئی جب کہ دو پرشوق نظریں اس پر جمی ہوئی

تھیں۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''جی باتی۔''

''بہت پیارا نام ہے تمہارا، بالکل تمہاری طرح تو مسز زیدی ہمیں تو تمہاری باتی بڑی اچھی لگی ہے اگر تم کہو تو ہم ابھی منگنی کی رسم ادا کر لیتے ہیں۔''

''کیوں نہیں آج سے باتی آپ کی اپنی بیٹی ہے۔''

''آؤ منیب بیٹا! انگوٹھی پہناؤ۔''

''جی امی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اٹھا اور باتی کے پاس جا کر بیٹھا تو باتی نے ایک بار پھر سے حیرت بھری نظروں سے منیب بٹ کو دیکھا تھا۔ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ بس حیران سی تھی اور منیب کو ہی دیکھے جا رہی تھی جب وہ شرارت سے بولا۔

''میں نے کہا تھا نا پھر ملاقات ضرور ہوگی۔'' اس کی بات پر باتی نے شرما کر سر جھکا لیا اور منیب نے اگلے ہی پل اس کے ہاتھ میں اپنے نام کی انگوٹھی ڈال دی۔ تبھی لاؤنج میں داخل ہوتی دیا ساکت رہ گئی تھی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ باتی اس کے سارے خواب توڑ دے گی اس نے نفرت سے منیب بٹ کے پہلو میں بیٹھی باتی کو دیکھا تھا پھر اچانک اس پر ایک شیطانی سوچ حملہ آور ہوئی۔

''منگنی تو تم نے کرنی ہے باتی مگر شادی میں ہی کروں گی۔ تم نے اچھا بن کر مجھ سے میرا سب کچھ چھینا ہے ناں تو میں بھی اچھی بن کر تمہارے ہونٹوں سے اس ہنسی کو چھین لوں گی۔ آج تک دیا زیدی نے جو چاہا ہے اسے وہی ملا ہے تو ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ منیب بٹ تمہارا ہو جائے میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔ پھر چاہے مجھے جو بھی کرنا پڑے میں تمہیں تباہ کر دوں گی باتی مت بھولو دیا میں ہوں میں بنوں گی دیا منیب بٹ۔'' پر سوچ انداز میں وہ آگے بڑھی اور ٹرے میں پڑی مٹھائی باتی کے منہ میں ڈالنے لگی۔ اس کے دماغ میں جو چل رہا تھا اس نے باتی کے ساتھ ساتھ اسے بھی تباہ کر دینا تھا۔ اس بات سے وہ انجان تھی بچپن سے لے کر آج تک وہ باتی سے اس کی ہر پسند کی چیز چھینتی آئی تھی تو اب کیسے اپنی محبت اسے دے دیتی۔

ایسے سوچتے ہوئے وہ یہ بات بھول گئی تھی کہ محبت چھینی نہیں جاتی یہ تو پائی جاتی ہے چھینی ہوئی محبت آپ سے آپ کا سب کچھ سکون چین آرام نیند خوشیاں سب کچھ چھین لیتی ہے اور پائی ہوئی محبت آپ کو سب کچھ دیتی ہے سکون، چین اور خوشیاں بھی۔ چھینی ہوئی محبت ہمیشہ پرائی سی رہتی ہے اور پائی ہوئی محبت آپ کی اپنی انسان کسی اور انسان کو حاصل تو زبردستی کر سکتا ہے مگر پا نہیں سکتا۔ حاصل کرنے اور کسی کو پانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔

☆......☆

شادی کی تاریخ ایک مہینے بعد کی رکھی گئی تھی پورے گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ سب اپنی اپنی تیاریوں میں گم تھے اس کی ساری کزنز ایک مہینے پہلے ہی آ گئیں تھیں وہ سارا دن پورے گھر میں اودھم مچائے رکھتی تھیں۔ شام کو وہ ساری کی ساری لان میں بیٹھ کر درمیان میں باتی کو بٹھا کر گانے گانے لگ جاتی تھیں جنہیں دیکھ دیکھ کر باتی مسکراتی رہتی تھی۔ خوشی اس کے روم روم میں بس چکی تھی اور وہ اپنی خوشی کو لاکھ چھپانے کی کوشش میں ہلکان ہوتی رہتی تھی۔

امی چاچی کے ساتھ مارکیٹ گئی ہوئی تھیں۔ باتی اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی تبھی دیا کے موبائل پر بیپ ہوئی منیب بٹ کا نام دیکھ کر اس نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو! کیسے ہو تم کتنے دنوں کے بعد کال کی ہے تم نے؟''

''میں ٹھیک ہوں وہ دراصل شادی کی تیاریوں

میں گم تھا۔ ثانم نہیں ملا پلیز اگر تم میری بات باقی سے کروا دو۔'' وہ جو خوشی سے بات کر رہی تھی باقی کے نام پر غصہ ضبط کرتے بولی۔

''کیوں کیا بات کرنی ہے تمہیں؟''

''اب یار ہر بات تو بتانے کی ہوتی نہیں ہے نا پلیز جلدی کرو۔'' وہ بے قراری سے بولا تھا۔ دیا کو اس کی بے قراری ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔

''اچھا ہولڈ کرو، کرواتی ہوں بات۔'' اتنا کہہ کر اس نے فون رکھا اور کچھ سوچ کر بولی۔

''میں نے اسے کہا ہے مگر وہ بات نہیں کرنا چاہتی کچھ مصروف ہے۔ اچھا اللہ حافظ مجھے کچھ کام ہے۔'' جھوٹ بولتے ہوئے اس نے فون بند کر کے غصے سے بیڈ پر پھینکا پھر کچھ سوچ کر وہ ایک نمبر ملانے لگی۔

☆......☆

اور پھر بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب باقی کو رخصت ہو کر منیب ولا میں جانا تھا۔ بارات شام کو آنی تھی اور وہ صبح ہی باقی کے ساتھ پارلر کے لیے جانے کے لیے چلی آئی۔ رکشے سے اتر کر وہ باقی کے ہاتھوں سے سامان لے کر بولی۔

''آپی! تم یہاں پر رکو میں پارلر میں اپنا اپائمنٹ لے کر آتی ہوں۔''

''میں بھی تو ساتھ چلوں یہ سامنے ہی تو پارلر ہے۔''

''نہیں تم رکو۔ میں آتی ہوں۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھی اور ایک نمبر ڈائل کرنے لگی۔

اس کے جاتے ہی ایک کالے کلر کی ویگن اس کے سامنے آ رکی جس میں سے دو آدمی نکلے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے باقی کو کھینچ کر گاڑی میں ڈالا اور زن سے گاڑی بھگا لے گئے۔ دیا سیدھی پارلر میں آ گئی تین گھنٹے لگا کر تیار ہوئی اور آنکھوں میں جھوٹے آنسو لیے گھر آ گئی اس کے چہرے پر بڑا سا گھونگھٹ تھا جس سے اس کا چہرہ چھپ گیا تھا۔

''ارے باقی بیٹا! تم تیار ہو کر آ گئی اچھا ہوا ابھی بارات آنے والی ہے چلو تم کمرے میں کچھ دیر آرام کر لو۔ آؤ۔'' امی اسے لے کر کمرے میں چلی آئیں۔ بیڈ پر بٹھا کر انہوں نے ساری لڑکیوں کو کمرے سے نکال دیا۔ وہ بھی جانے کے لیے مڑی ہی تھیں کہ دیا ان کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''امی! میں باقی نہیں دیا ہوں۔''

''کیا، تو پھر باقی کہاں ہے اور تم نے اس کا ڈریس وغیرہ کیوں پہن رکھا ہے؟''

''امی! وہ دراصل آپ یہاں بیٹھیں۔ باقی آپی اس شادی سے خوش نہیں تھیں وہ کسی اور لڑکے سے محبت کرتی تھیں میں انہیں پارلر میں چھوڑ کر کچھ چیزیں لینے کے لیے مارکیٹ گئی تھی۔ جب واپس آئی تو وہ وہاں پر نہیں تھیں وہ کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی ہیں اور گھر والوں کی عزت بچانے کے لیے مجھے اس طرح گھر میں آنا پڑا۔ آدھے گھنٹے میں بارات آجائے گی۔ گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے آپ کی عزت کو بچانے کے لیے میں ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہوں ایک بیٹی نہ سہی دوسری سہی۔'' وہ روتے ہوئے بولی تو مسز زیدی اسے دکھ سے دیکھ کر رہ گئیں۔

اگلے ہی پل خوشیوں بھرے گھر میں ماتم چھا گیا تھا۔ اس کی وجہ صرف اور صرف دیا تھی مگر بن باقی گئی تھی۔ غلطی نہ ہونے کے باوجود بھی سب اسے غلط سمجھ رہے تھے۔

بابا کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا وہ منیب بٹ کے پاؤں میں گر گئے تھے۔ صرف اپنی عزت بچانے کے لیے بالآخر منیب مجبور ہو گیا اور دیا اپنے پلان کے مطابق اس جگہ چلی آئی جہاں باقی کو آنا تھا۔

☆......☆

زندگی میں کیا سارے خواب بھی کبھی پورے ہوتے ہیں کیا ہر خواہش پوری ہوتی ہے جیسے آپ چاہو ویسے آپ کو سب کچھ مل جاتا ہے۔ وہی انسان جس سے آپ محبت کرو کیا وہ کبھی بھی آپ کا اپنا ہو سکتا ہے؟ یہ سب ہوا تھا دیا کے سارے خواب پورے ہوئے تھے وہ آج اسی سیج پر موجود تھی جس کے اس نے خواب دیکھے تھے۔ خواہش کی تھی اور آج وہ پرسکون تھی خوشی اس کے روم روم میں بسی ہوئی تھی۔ وہ کبھی حیرت سے اس کمرے کو دیکھتی کبھی سیج کو حسرت سے تکتی اسے سب کچھ ایک خواب سا لگ رہا تھا اور شاید سب کچھ خواب ہی تھا۔ وہ خواب جو پورا ہو کر بھی نہ ہو سکے اسے خواب ہی کہتے ہیں اور اس کا ہر خواب اس وقت ٹوٹ گیا تھا جب اس کا محبوب منیب بٹ کمرے میں داخل ہوتے ہی بولا تھا۔

''تم یہاں کبھی نہ آتیں یہ جگہ صرف اور صرف باتی کی تھی، ہے اور ہمیشہ رہے گی۔'' اس نے حیرت سے محبوب کے منہ سے باتی کا نام سنا تھا۔ وہ نہ ہو کر بھی ہر جگہ موجود تھی۔

''میری آنکھوں میں سانسوں میں صرف اور صرف باتی ہے اور رہے گی۔'' اس نے حیرت سے اس کی آنکھوں میں نظر آتے باتی کے عکس کو دیکھا تھا اسے لگا کہ جیسے باتی مسکراتی ہوئی کہہ رہی ہو۔

''دیکھو تم میری جگہ لینا چاہتی تھیں ناں بے وقوف ہاہاہا۔''

''وہ بھاگ گئی ہے اپنے یار کے......!''

''چٹاخ۔''

وہ غصے سے مزید کہتی کہ منیب بٹ کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور اس کے رخسار پر نشان چھوڑ گیا۔

''میں کب سے تمہاری بکواس سن رہا ہوں مت بھولو کہ وہ میری محبت میری جان ہے۔ وہ لڑکی جو کسی نامحرم کو دیکھتے ہی چھپ جانے کی کوشش کرے وہ ایسا قدم کبھی بھی نہیں اٹھا سکتی۔ مر کر بھی نہیں اور تم نہایت بے وقوف ہو مت بھولو کہ تم صرف میرے نکاح میں ہو بیوی کا مقام نہیں ہے میرے دل میں تمہارے لیے سمجھیں اور اٹھو یہاں سے نفرت ہو رہی ہے مجھے تمہارے وجود سے ہٹو۔'' اتنا کہتا ہوا وہ آگے بڑھا اور ساری سیج کی لڑیوں کو بے دردی سے کھینچ کھینچ کر پھینکتا چلا گیا ایسا کرتے ہوئے وہ بالکل وحشی لگ رہا تھا۔

اس پل وہ ساکت سی اٹھی تھی اور آگے بڑھنے کے لیے جیسے ہی اس نے قدم اٹھایا تھا کہ اس کا پاؤں لہنگے میں اٹکا اور وہ منہ کے بل گری تھی ایک ہلکی سی کراہ اس کے منہ سے بلند ہوئی تھی تبھی منیب بٹ تمسخر سے مسکرا کر بولا تھا۔

''اب گری ہو تو خود ہی سنبھلنا۔ زندگی میں بہت بار گرنا باقی ہے ہنہہ۔'' دیا نے اک نظر اپنے بے درد محبوب کو دیکھا تھا اور پھر ہمت کر کے اٹھی تھی۔ وہ ساری رات اس نے روتے گزاری تھی۔ یہ دکھ درد آنسو اس نے خود خریدے تھے۔ اپنی ساری خوشیوں کو بیچ کر اب ان کے ساتھ ہی اسے رہنا تھا ہمیشہ ہر پل ہر لحہ۔

☆......☆

اس نے جیسے ہی آنکھ کھولی خود کو ایک کالی سی کوٹھڑی میں بند پایا تھا۔ ایک طرف پڑا گلاس اور صرف ایک ہی دروازہ۔ روشنی اندر آنے کا کوئی راستہ نہ تھا وہ کچھ دیر خالی دماغ سے سوچتی رہی پھر اگلے ہی پل اسے سب کچھ یاد آ گیا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور دروازہ پیٹتے رونے لگی۔

''کوئی ہے خدا کے لیے میری مدد کرو، مجھے یہاں سے نکالو باہر۔''

تبھی ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا دو نقاب پوش آدمی اندر داخل ہوئے۔

''اچھا تو تمہیں آج دو دنوں کے بعد ہوش آ ہی

گیا۔"

"ویسے یار ہے بڑی مست چیز۔" وہ دوسرے سے بولا تو پہلا ڈپٹ کر کہنے لگا۔

"پاگل ہو گیا ہے تو، مار ڈالے گی میڈم ہمیں۔"

"چلو ہمارے ساتھ اب تم بہت آرام کر لیا اب تمہارا کام ختم۔" وہ اسے گھسیٹتے ہوئے بولا تو باقی اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"کہاں لے کر جا رہے ہو تم مجھے۔"

"تمہارے گھر چھوڑنے اب اگر ذرہ سا شور کیا نا تو ابھی اسی وقت تجھے کہیں کا نہیں چھوڑیں گے گھر کا بھی نہیں، ہاہاہا۔" اتنا کہتے ہی وہ تینوں آدمی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تو باقی دھڑکتے دل کے ساتھ باہر دیکھنے لگی۔ جہاں کالی سیاہ رات پھیلی ہوئی تھی۔ بادل آسمان پر چھائے ہوئے تھے۔ بجلی بری طرح چمک رہی تھی۔ اسے بچپن سے ہی بجلی کے چمکنے سے ڈر لگتا تھا۔ جب بھی موسم خراب ہوتا اور بجلی چمکتی تو وہ اپنے کمرے میں بند ہو جاتی تھی۔ سارے گھر کے کھڑکیاں دروازہ بند کر لیتی تھی۔ آج پتا نہیں کسی نے بھی کھڑکیاں دروازہ بند کیے بھی ہوں گے مگر اگلے ہی پل وہ حیران رہ گئی تھی۔ جب موسم کی وجہ سے نہیں اس کی وجہ سے بابا نے کھڑکیاں اور دروازے بند کر لیے تھے۔ وہ حسرت سے اپنے گھر کو دیکھ کر رہ گئی تھی محلے کی کھڑکیوں دروازے اور پردے کی اوٹ سے جھانکتے چہرے اسے عجیب نظروں سے تک رہے تھے اسے دیکھتے ہی محلے والے اپنے اپنے بچوں کو لے کر اپنے گھروں میں بند ہو گئے تھے اور کچھ اس کا تماشا دیکھنے کی چاہ میں اسے تک رہے تھے۔ تبھی اس کے گھر کا دروازہ کھلا تھا اور بابا نے اس کی کتابیں کپڑے اور اس کی ساری چیزیں سڑک پر پھینکتے ہوئے کہا تھا۔ "اب نکل جاؤ یہاں سے مر گئی ہو تم ہمارے لیے کاش تم پیدا ہونے سے پہلے ہی مر جاتیں۔"

"مگر بابا....." اس نے اک امید سے کچھ کہنا چاہا تھا کہ وہ امید بھی ساتھ چھوڑ گئی تھی۔

"نام مت لینا میرا تمہارے وجود تک سے میں نفرت کرتا ہوں۔ میں آج تمہارا باپ ہونے پر شرمندہ ہوں کتنا یقین کیا تھا میں نے تمہارا اور تم نے مجھے میرے یقین کا یہ صلہ دیا دفعہ ہو جاؤ۔ یہاں سے تم اور برباد نہ کرو۔ نہیں جس کے ساتھ دن گزار کر آئی ہو اسی کے پاس واپس چلی جاؤ۔"

اور پھر ایک جھٹکے سے سارے دروازے بند ہو گئے تھے۔ اسے وہ لمحہ یاد آیا تھا۔ جب بابا نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے پرشفقت انداز میں کہا تھا۔

"مجھے اگر ساری دنیا بھی مل کر کہے نا کہ تمہاری بیٹی بری ہے میں کسی کا یقین نہیں کروں گا۔" اور اگلے ہی پل وہ لمحہ اسے یاد آیا تھا۔ جب اس کی مہندی پر بابا نے کہا تھا۔

"مجھے تم پر فخر ہے تم میرا مان یقین اور سکون ہو۔" وہ بے دلی سے مڑی تھی اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ اسے اب کہاں جانا ہے کس گلی کس نگر کس دیس میں وہ روتی ہوئی چلتی چلی جا رہی تھی۔ ڈگمگاتے قدموں سے اسے کچھ خبر نہ تھی کہ اس کی منزل کیا ہے۔ بس وہ چلتی جا رہی تھی اپنے مقدر پر حیران ہو کر۔

یہ زرد موسم کے خشک پتے
ہوا جنہیں لے گئی اڑا کر
اگر کبھی ان کو دیکھ پاؤ
تو سوچ لینا
یہ اب تمہارے لیے نہیں ہیں۔

کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ محبت نہ ملے تو انسان جی لیتا ہے لیکن جسے وہ محبت کرتا ہے اگر وہ اس کا مان نہ رکھے تو پھر انسان ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی تھی۔ اس کا وجود جیسے فضا میں تھا۔ اسے اپنا آپ روئی کی طرح فضا میں بکھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ دل کے ہزار ٹکڑے ہوئے تھے

اس وقت جب ابن نے بابا کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھی تھی۔ بہت مشکل ہوتا ہے ان آنکھوں میں نفرت دیکھنا جن میں آپ نے اپنے لیے ہرلمحہ محبت، مان اور یقین دیکھا ہو، مرجانے کا دل کرتا ہے دل اس وقت شدت سے چاہتا ہے اے کاش ابھی اسی وقت موت آجائے اور اگلا پل ہمیں دیکھنا بھی نہ نصیب نہ ہو ہم ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔

وہ اپنی سوچوں میں گم چلتی چلی جارہی تھی۔ جب سامنے سے آتی کسی گاڑی سے بری طرح ٹکرا گئی اور اگلے ہی پل اسے لگا جیسے موت واقعی اس پر مہربان ہوگئی ہو مگر زندگی یا موت انسان کو اس کی اپنی خواہش سے کب ملتے ہیں۔ یہ دونوں تو اوپر والے کی رضا سے ہی ملتے ہیں اور ہمارا رب ہمیشہ وہ کرتا ہے جو ہمارے لیے بہتر ہو۔

☆......☆

اس نے سوچا تھا جب وہ منیب بٹ کی بیوی بنے گی تو ہزاروں کی ساڑھی پہنے گی، لاکھوں کے زیور پہنے گی، مہنگے ترین بیوٹی پارلر سے تیار ہو کر وہ بہت بڑی پارٹی کرے گی جس میں وہ فخر سے گردن اکڑائے منیب بٹ کا ہاتھ تھامے اس پر اپنا حق جتاتے ہوئے سب کو جتاتی نظروں سے دیکھے گی۔ تو نہ جانے کتنوں کے ارمان ٹوٹیں گے۔ نہ جانے کتنی نظریں اس پر حسرت سے اٹھیں گی اور وہ خود کو مہارانی تصور کرے گی مگر جو آپ چاہیں سب کچھ ویسا ہو ضروری نہیں۔ وہ جو منیب ولا میں راج کرنا چاہتی تھی اپنی مرضی کرنا چاہتی تھی ایک رانی سی زندگی گزارنا چاہتی تھی وہ ایکدم سے تنہا ہو کر رہ گئی تھی اتنے بڑے سے گھر میں وہ سارا دن اکیلی بولائی بولائی سی پھرتی تھی۔ اس کی ساس اور سسر امریکہ میں اپنے دوسرے بیٹے کے ساتھ سیٹل تھے۔ اس کی شادی کے اگلے دن ہی وہ تینوں امریکہ روانہ ہو گئے تھے۔ منیب رات کو دیر سے آتا تھا اور صبح کو اس کے اٹھنے سے پہلے ہی چلا جاتا تھا۔ گھر میں نوکروں اور اس کے سوا کوئی نہ ہوتا سارا دن وہ دیواروں سے باتیں کرنے لگی تھی اپنی ذات میں گم ہوگئی تھی۔ بابا کے گھر جاتی تو ان کے اترے چہرے اسے اپنا گناہ یاد دلا دیتے تھے اور وہ سب سے نظریں چرانے پھرتی تھی۔ روز اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا تھا اور اندر کی آواز انسان کو پاگل کر دیتی ہے۔ اور وہ بھی تو نیم پاگل سی ہوگئی تھی۔ پاگلوں والی حرکتیں کرتی خود ہی ہنستی خود ہی روتی خود سے باتیں کرتی۔ شیشے میں نظر آتے اپنے عکس سے نفرت کرتی تھی اسے کپڑے بدلنے تک کا خیال نہ آتا تھا۔ اس کے ریشمی بال کب بے رنگے بدنما ہوئے اسے احساس تک نہ ہوا۔ آہستہ آہستہ وہ اپنی عمر سے بڑی لگنے لگی تھی۔ جب کبھی آنکھیں بند کرتی تو اسے باقی روتی ہوئی نظر آتی وہ آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگانے کی کوشش کرتی تو باقی اس سے دور ہوتی چلی جاتی۔ احساس گناہ بڑھنے لگا تھا اور ایک ناسور کی صورت اس کے دل اور دماغ میں بس گیا تھا ایسا ناسور جو ہمیشہ رستا رہتا تھا۔ وہ سارا دن سڑکوں پر پاگلوں کی طرح باقی کو ڈھونڈتی پھرتی تھی ہرلمحہ ہر پل اس کا عذاب سا گزرتا اور شاید یہی خدا کا انصاف تھا اس کا سکون چھیننے کے بعد وہ بھی کبھی پرسکون نہیں رہی تھی۔

☆......☆

''ارے بیٹا! کیا ہو رہا ہے۔ صبح صبح لان میں رو کیوں رہی ہو تم؟''

''جی دادی، کچھ نہیں بس ایسے ہی۔'' کیتی آراء کی بات پر وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی تو ان کے پیچھے کھڑا آفاق وحید مسکرا کر بولا۔

''کہتے ہیں آنسوؤں کو مسکراہٹ میں بدل دو تو زندگی میں خوشیاں تلاش کرنا آسان ہو جاتا ہے۔''

''صحیح کہتے ہیں آپ مگر آنسوؤں کو مسکراہٹ میں بدلنا آسان تو نہیں ہوتا نا۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی تو

ایک گہری سانس بھر کر وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آسان تو کچھ بھی نہیں ہوتا باقی، مگر زندگی میں آپ کو وہ ہر بات بھلانا پڑتی ہے جسے آپ چاہ کر بھی فراموش نہیں کر سکتے آگے بڑھنے کے لیے ماضی کو چھوڑنا پڑتا ہے باقی ورنہ ہم اپنے ماضی میں ہی کہیں گم ہو جاتے ہیں اور اپنا حال گنوا بیٹھتے ہیں۔ برا وقت صرف سبق سیکھنے کے لیے یاد کرو، خود کو دکھ دینے کے لیے نہیں کیونکہ بعض دفعہ ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا اور خوشیاں ہماری راہ تکتے تکتے مڑ جاتی ہیں کبھی نہ آنے کے لیے۔''

اس کی بات پر دادی مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں تو باقی آنسوؤں بھری نظروں سے اسے دیکھ کر بولی۔ (اس وقت آفاق وحید کا دل چاہا تھا کہ دنیا کی ہر خوشی اس کے قدموں میں ڈھیر کر کے اپنی جان تک دے دے اس کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھنے کے لیے۔)

''میں نہیں جانتی وحید کہ میری زندگی میں کبھی خوشیاں بھی آئیں گی بے اعتباری کا بس ایک ناسور ہے جو دل میں گڑھ کر رہ گیا ہے۔ ہاتھوں کی مار سب برداشت کر سکتے ہیں مگر لفظوں کی مار انسان کی روح تک کو زخمی کر دیتی ہے اور میری روح زخمی ہے۔ وحید تو میں کیسے خوش رہ سکتی ہوں نہیں بہت مشکل ہے سب کچھ بھولنا بہت۔ یونو اگر آج سے آٹھ مہینے پہلے مجھے تم اپنے گھر نہ لے کر آتے تو پتا نہیں آج میں کہاں ہوتی، کس حال میں ہوتی اور پھر تم نے مجھے صرف ایک نظر دیکھنے کے بعد اپنا نام دیا اس گھر میں لے کر آئے مجھ سے نکاح کیا تو مجھے لگتا ہے کہ زندگی میں شاید کچھ اچھا تو ہے ہی۔''

''تم ایسے یہاں پر آنے کے لیے تیار ہی نہیں تھیں تو میں نے سوچا کہ تمہیں پکا پکا یہاں لے آؤں۔'' آفاق وحید مسکرا کر بولا یہ نہیں کہہ سکا کہ وہ تو کب سے اس کی تلاش میں گم تھا۔ دعائیں کر رہا تھا۔ اس کے ملنے کے لیے اور پھر ایک دن آخر کار قسمت اس پر مہربان ہو ہی گئی تھی۔ ایک رات جب وہ پارٹی سے واپس آ رہا تھا تو اچانک وہ اس کی گاڑی کے سامنے آ گئی تھی۔ وہ تو اچھا ہوا کہ اس نے صحیح وقت پر بریک لگا لی تھی اور بے ہوش باقی کو گھر لے آیا تھا وہ بغیر کسی رشتے کے اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی۔ اسی لیے دادی کے کہنے پر اس نے اس سے نکاح کر لیا تھا۔

''اچھا آپ بیٹھیں میں چائے لے آتی ہوں۔'' وہ کہتی ہوئی اٹھی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی آفاق وحید کے جذبات سے انجان۔

بنت حوا ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
کب سے لائق ہوا ہوں شادی کے آئے اور نکاح کرے کوئی

وہ جو کچن میں کھڑی برتن دھو رہی تھی عمران کے اچانک آ کر کہنے پر اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ بھی کچن کے سامنے سے گزرتے آفاق وحید نے دلچسپی سے ان آٹھ مہینوں میں پہلی بار اسے دل سے ہنستا دیکھا تھا کیسی بے ریا ہنسی تھی اس کی وہ وہیں پر رک کر ان کی باتیں انجوائے کرنے لگا۔

''کتنی غلط بات ہے باقی! میں تمہیں اپنی دکھ بھری کہانی سنا رہا ہوں اور تم ہنس رہی ہو۔''

''تو اور کیا کروں تمہارا دکھ ویسے ہے بہت بڑا تم بتاؤ اسے کم کیسے کریں۔'' وہ مصنوعی سنجیدگی سے بولی تو عمران سلیب پر بیٹھتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھے کہنے لگا۔

''کیا مطلب آپ کا، ارے بھئی میں بڑا ہو گیا ہوں اب۔''

''کہاں سے مجھے تو تم بڑے نہیں لگ رہے۔'' وہ شرارت سے مسکراہٹ دبا کر بولی تو عمران مسکین سی شکل بنا کر بولا۔

''لو کر لو گل اور سن لو بات، یہ دیکھیے میرے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



داڑھی نکل آئی ہے۔"
"تو شیو کرلو ناں، لگتا ہے تمہیں طریقہ نہیں آتا تو آفاق سے سیکھ لو نا دیکھو وہ شیو کر کے کتنے اچھے لگتے ہیں۔" وہ روانی میں اپنے دل کی بات کہہ گئی تو آفاق وحید کے ساتھ ساتھ عمران بھی حیران ہو کر مصنوعی دکھ سے بولا۔
"اچھا تو اب تمہیں آفاق بھائی اچھے لگنے لگے ہیں تو تم ہماری شادی کی نہیں سوچو گی۔"
"میں نے یہ کب کہا کہ وہ مجھے اچھے لگتے ہیں۔"
"یعنی کے وہ بہت برے ہیں گندے سے سڑیل سے اور......"
"خبردار عمران! جو اور بکواس کی تو۔"
وہ یکدم غصے سے چیخی اور اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگی وہ تو موقع پا کر بھاگ گیا۔ ہاں مگر وہ کچن کے دروازے میں کھڑے آفاق وحید سے بری طرح ٹکرائی تھی۔ آفاق وحید اسے سہارا دے کر اس کے کان کے پاس سرگوشی کرتے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

بدلا یوں رنگ اس کا حیرت ہوئی مجھے
موسم کو بھی مات دے گئی فطرت جناب کی

وہ اپنے دل کا حال اس طرح ظاہر ہو جانے پر حیران سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ پھر اپنی دھڑکنوں پر قابو پانے کی ناکام سی کوشش کرتی کچن کی طرف چلی آئی جب کہ لاؤنج کے سرے پر موجود دادی نے دل سے اسے ہمیشہ خوش رہنے کی دعا دی تھی۔

☆......☆

اس دن کے بعد وہ آفاق وحید سے چھپنے لگی تھی۔ اسے دیکھتے ہی یا تو کچن میں گم ہو جاتی تھی یا پھر اپنے کمرے میں اس بات کو دادی اور آفاق وحید نے محسوس کرلیا تھا۔ اس لیے وہ کوشش کرتا کہ کم سے کم اس کے سامنے آئے۔ رات کو وہ اپنے آفس کا کام کر رہا تھا کہ اچانک اسے شدید پیاس محسوس ہوئی اس نے بیڈ کی سائیڈ پر دیکھا جگ خالی پڑا تھا اسی لیے وہ جگ اٹھائے کچن میں چلا آیا اور شاید باقی بھی وہاں پانی لینے آئی ہوئی تھی اسے دیکھ کر گھبراہٹ چھپاتے ہوئے بولی۔
"آپ کو کچھ چاہیے تھا؟"
"ہاں، کیا تم دو گی۔" وہ بے خیالی میں بولا تو باقی نے سٹپٹا کر ایک نظر اسے دیکھا پھر ہمت کر کے بولی۔
"کیا چاہیے آپ کو؟"
"تمہاری ہنسی، تمہاری آنکھوں کی شوخی تمہارے لبوں کی مسکراہٹ میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو۔ قہقہے لگاتی شرارتیں کرتی اور......"
"رات کافی ہو گئی ہے میں چلتی ہوں۔" اس کی بات کاٹتی اپنی دھڑکنوں پر قابو پاتی وہاں سے نکلتی ہوئی جلدی سے اپنے کمرے میں چلی آئی تو آفاق وحید مسکرا کر رہ گیا۔
زندگی میں خوشیاں ڈھونڈنا اتنا بھی مشکل نہیں ہے جتنا لگتا ہے بس آپ کو اپنے دل کو سنبھالنا پڑتا ہے اور ماضی کی کتاب کو بند کر کے کسی پرانی سی دراز میں رکھنا پڑتا ہے اور حال کی ایک نئی سی کتاب کو شروع کر کے اس کا نام خوشیاں لکھنا پڑتا ہے۔
زندہ رہنا جتنا مشکل ہے خوش رہنا اتنا ہی آسان بس آپ کو خوش رہنے کا طریقہ آنا چاہیے۔ پھر خوشیاں آپ کا مقدر بن جاتی ہیں۔ ایک اچھی سہیلی کی طرح آپ کے ساتھ رہتی ہیں۔ کبھی بھی آپ کو نہ چھوڑنے کے لیے اور وہ بھی خوش رہنے لگی تھی ہنسی اس کے لبوں پر جچنے لگی تھی۔
"باقی پتر! بات سنو میری۔"
"جی دادی کہیے۔" وہ گیلے کپڑے تار پر پھیلا رہی تھی۔ جب دادی کے پکارنے پر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔
"کل سے رمضان کا پاک مہینہ شروع ہو رہا

ہے۔ صفایاں تو کر چکی ہو ایک لسٹ بنا کر دے دے آفاق پتر کو وہ جا کر راشن وغیرہ کا سامان لے آئے گا اور ہاں آفاق پتر سحری میں کسی اور آلو والے پراٹھے لیتا ہے۔ عمران کے لیے شاہی رائتہ اور گوبھی والے پراٹھے بنتے ہیں، میرے لیے تو جو کچھ بنا لے گی میں کھالوں گی وہ کیا ہے نا کہ آفاق سات سال کا تھا اور عمران دو سال کا تھا جب ان کے امی ابو کا ایک ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا۔ تب سے آج تک میں نے انہیں پالا ہے۔ اب تو آئی ہے تو کئی ذمہ داریوں سے میں آزاد ہو گئی ہوں۔"

"آپ فکر نہ کریں میں سارا سامان منگوا لوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو دادی نے دل سے اسے دعا دیتے ہوئے سینے سے لگا لیا۔

رمضان کا پاک مہینہ شروع ہوتے ہی اس نے عبادت شروع کر دی تھی۔ رات بھر صبح تک قرآن پاک کی تلاوت کرتی، سحری بنا کر سب کو دینے کے بعد کچن صاف کرتی گھر کی صفائی کرتی نماز پڑھ کر سوتی تو وہ پہر کو اٹھتی ظہر کی نماز ادا کرتی گھر کی صفائی کرتی اور افطاری کی تیاری میں گم ہو جاتی۔ اسی طرح روٹین لائف چل رہا تھا۔ پہلا عشرہ گزرہ تو دوسرا پاک عشرہ شروع ہو گیا۔

سحری کے بعد وہ کچن میں کھڑی صفائی کر رہی تھی، جب عمران چلا آیا وحید کا ہاتھ پکڑے۔

"باتی آج ایک چور پکڑا ہے میں نے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے حیرت سے مسکین سی شکل بنائے کھڑے آفاق وحید کو دیکھا۔

"یہ جو آفاق ہیں نا تمہارے وحید صاحب انہوں نے ایک چوری کی ہے۔"

"فضول باتیں نہ کرو یہ بتاؤ کیا بات ہے۔" وہ گڑبڑا کر بولی تو عمران شرارت سے بولا۔

"انہوں نے آپ کی ایک چیز چرائی ہے۔"

"عمران! اب میری برداشت ختم ہو رہی ہے۔

بہت بری پٹائی کروں گی میں تمہاری۔" وہ غصے سے بولی تھی حالانکہ دل بے قرار سا ہو رہا تھا۔

"انہوں نے آپ کی زندگی سے سارے دکھوں کو چرایا ہے، تو آپ کا حق بھی تو بنتا ہے نا کہ آپ ان کی زندگی سے ساری تنہائیاں لے لیں۔" اتنا کہنے کی دیر تھی کہ باتی کے ہاتھ میں پکڑا گلاس چھناکے سے ٹوٹا تھا اور وہ شرما کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی جب کہ عمران کا قہقہہ بے ساختہ تھا اور آفاق وحید اسے گھورتے ہوئے کہنے لگا۔

"کتنا بے حیا ہے تو بھابی ہے وہ تیری۔"

"لو بھلا بے حیائی کیسی جو تم نہیں کہہ سکے وہ میں نے کہہ دیا۔ آخر کو بھائی تمہارے بعد ہی تو میرا نمبر آئے گا نا ورنہ میں تمہارے انتظار میں اجڑے ہوئے محبوب کی طرح بوڑھا ہو جاتا۔" وہ آخر میں شرارت سے کہتا ہوا بھاگ گیا جب کہ اس کے قہقہے میں آفاق وحید کی ہنسی بھی شامل تھی۔

"ارے حد ہوتی ہے باتی پتر! عید پر تو لڑکیاں بڑی خوشیاں کرتی ہیں اور تو نے عید کی شاپنگ تک نہیں کی، بس مجھے اور کچھ نہیں سننا جاؤ ابھی آفاق پتر تجھے بازار لے جائے گا دو دن بعد عید ہے اور تم ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہو چلو اٹھو اب۔" یہ جان کر کہ باتی نے عید کی شاپنگ نہیں کی دادی نے اچھی خاصی اس کی کلاس لے لی تھی۔ نتیجتاً وہ اگلے پندرہ منٹ میں آفاق کے ساتھ اس کی گاڑی میں موجود تھی۔

آفاق نے اسے اس کی پسند کا سوٹ لے کر دیا چوڑیاں، جوتے، میک اپ نہ جانے کتنے سارے سامان کے ساتھ وہ چار گھنٹوں کے بعد اس کی گاڑی میں موجود تھی۔ اتنے ٹائم میں ان کے درمیان بات نہیں ہوئی تھی۔ سگنل پر آفاق وحید کو گاڑی روکنا پڑی۔ تبھی ونڈو پر ایک چہرہ نمودار ہوا یہ آواز......!

"باتی......باتی مجھے معاف کر دو۔ باتی مجھے معاف کر دو۔"

اس نے ساکت نظروں سے وجود کی طرف دیکھا وہ وجود اب اگلی گاڑی کے پاس جا کر یہ ہی الفاظ دہرا رہا تھا وہ بے اختیار گاڑی سے نکل کر اس کے پاس گئی۔

پھٹے ہوئے کپڑے بکھرے ہوئے بال سیاہ ترین رنگت یہ وہ دیا تو نہیں تھی جس کی ہر بات میں ادا تھی، نزاکت تھی جو ہر اچھے سے اچھے آدمی کا فیصلہ بدلنے پر اسے مجبور کر دیتی تھی۔ وہ ایک بھکارن کے روپ میں باقی ساکت ہی بولی تھی۔

"دیا! میری طرف دیکھو میں ہوں باقی تمہاری بہن، یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟ تم تو منیب بٹ کی بیوی ہو تو تم ایسے کیسے؟"

اس پر تو جیسے ایک قیامت سی ٹوٹ پڑی تھی جب کہ دیا اس کے پاؤں میں گری کہہ رہی تھی۔

"باقی مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہاری زندگی برباد کر دی۔ منیب بٹ کو پانے کے لیے تمہیں اغوا کروایا پلیز مجھے معاف کر دو۔"

گاڑی سے نکل کر آتے آفاق وحید نے بے بسی سے گری دیا کو ایک نظر دیکھا تھا پھر باقی کا بازو پکڑ کر بولا۔

"تم اسے معاف کر دو باقی! اسے اس کے کیے کی سزا مل گئی ہے۔"

اور پھر وہ دیا کو گھر لے آئی اسے ایک اچھے سے اسپتال میں داخل کروا دیا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میری سگی بہن صرف اور صرف دولت کے لیے ایسا کرے گی۔"

"اس نے جو کیا بے شک وہ غلط تھا مگر آج اسے اس کے کیے کی سزا مل گئی ہے تم سب کچھ بھول جاؤ۔" آفاق وحید محبت سے بولا تبھی چاند مبارک کی آواز فضا میں بلند ہوئی تو آفاق وحید گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے بولا۔

"تم جانتی ہو باقی! میں نے تمہیں پہلی بار منیب بٹ کی پارٹی میں ہی دیکھا تھا۔ تب میرے دل نے کب مجھ سے بے وفائی کی، مجھے احساس تک نہ ہوا میں نے اپنے دوست کے ذریعے سے تمہارے گھر کا پتا لگوایا، تو پتا چلا کہ تمہاری منگنی ہو گئی ہے میں تو پاگل سا ہو گیا تھا۔ ہر لمحہ ہر پل صرف اور صرف تمہیں سوچنے لگا تھا دعائیں کرنے لگا تھا اور پھر ایک دن میری محبت رنگ لے آئی اور تم مجھے مل گئیں۔ دیکھو باقی ہمارے ساتھ جو کچھ بھی ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے ہر انسان نہ تو ہمارا مقدر ہوتا ہے اور نہ ہی ہر خوشی تقدیر۔ میں صرف اور صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں خود سے بڑھ کر اتنا کہ تمہاری مسکراہٹ میری زندگی ہے آئی لو یو سوچ۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا تو باقی نے شرما کا رخ موڑ لیا۔

"اگر تم نے ایسا ہی رخ موڑ لیا ناں تو میں کیا کروں گا کچھ تو کہو باقی۔"

"وحید! اس عید پر میں تحفے میں آپ کو اپنا دل دیتی ہوں۔ ہاں مجھے بھی تم سے محبت ہے۔" وہ شرما کر کہتے ہوئے مڑی تو وحید مسکرا کر بولا۔

"چاند رات مبارک میری جان۔"

"آپ کو بھی۔"

وہ مسکراتی ہوئی سیڑھیاں اترتی چلی گئی تو چاند نے بادلوں کی اوٹ سے مسکرا کر دونوں کو دیکھا تھا پھر اگلے ہی پل وہ دوبارہ بادلوں میں جا چھپا تھا۔

زندگی میں اب کبھی نہ زرد موسم آئے گا اور نہ ہی دکھ، یہ عید ان کے لیے لاکھوں خوشیاں لے کر آئی تھی۔ آفاق وحید عید کے چاند کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے سوچنے لگا تھا۔

اب کبھی باقی کی زندگی میں کوئی دکھ نہیں آنے دوں گا یہ وعدہ رہا اس عید کے چاند سے۔

......☆......

ماریہ یاسر

عیداب ملن کو آئی ہے

''یار! آج میں تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گا، جب تک تم مجھے بتاتی نہیں ہو، مجھ سے پیچھا نہیں چھوٹے گا''۔ فخر اس کے سامنے تنا ہوا کھڑا تھا، حرا کو لگا جیسے وہ اس کی جان کبھی بھی نہ چھوڑے گا، اس کا دل چاہا کہ وہ اس کو ہمیشہ کے لیئے غائب کر دے، تا کہ دوبارہ کبھی وہ اس کے سامنے کھڑا نہ ہو۔

''میں نے پہلے بھی کئی بار تمہیں بولا اور آج پھر بول رہی ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے''۔ اس نے وہی کئی بار کا بولا جملہ دہرایا۔

''اچھا اگر ایسی ہی بات ہے تو...... چلو میں مان لیتا ہوں پھر میں کل ہی امی کو بھیجوں گا ہمارے رشتے کے لیئے''۔ وہ بغور اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا کہہ گیا تو حرا کی تو جان پر بن آئی، اسے یقین تھا کہ اگر اس نے اپنے کہے پر عمل کیا تو اس کی پیاری ماں اپنی لاڈلی بہن کی خواہش کو رد نہیں کریں گی، یہ سوچ آتے ہی اس کے پسینے چھوٹ گئے۔

''اب جو کرنا ہے مجھے ہی کرنا ہے''۔ اگلے ہی پل وہ بات شروع کرنے کے لیئے الفاظ سوچنے لگی۔

''نہیں تم خالہ کو مت بھیجنا''۔ اس نے ہمت کر ڈالی۔

''کیوں وجہ......؟'' وہ اب دونوں ہاتھ سینے پر باندھے یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا، وہ نروس ہونے لگی۔

''کیونکہ میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی''۔

''لیکن کیوں......؟'' بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''بس ایسے ہی میری مرضی''۔ اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا جواز پیش کرے۔

''کسی اور کو پسند کرتی ہو......؟'' فخر نے اپنے دل کی دھڑکن واضح طور پر سنی تھی۔

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں، اور تم مجھے اس قسم کی لڑکی سمجھتے ہو کیا؟'' وہ اس کی بات سن کے غصے سے پاگل ہونے لگی۔

''تو پھر وجہ کیا ہے بتاؤ گی تو پتہ چلے گا ناں''۔ وہ ایک دم سے ہلکا ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہے جاننا چاہتے ہو تو سنو! مجھے تم جیسے مسخرے پسند نہیں ہیں، جن کو ہنسی مذاق کے علاوہ کچھ نہ آتا ہو، میں اپنے لیئے سنجیدہ مزاج بندہ پسند کروں گی، جو تھوڑا سوبر ہو تمہاری طرح جوکر نہیں''۔ وہ کہہ کر مڑنے لگی تھی جب وہ اس کے سامنے آ کر راستہ روکے کھڑا تھا۔

''جان نکال کے رکھ دی تھی میری، میں سمجھا جانے کیا وجہ ہو گی پر شکر ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں اور جہاں تک میری بات ہے تو میری یہ ہنسی مذاق



کی عادت اگر تمہیں پسند نہیں تو میں خود کو بدل لوں گا، یہ میرا تم سے وعدہ ہے اور ویسے بھی تم نے وہ مثال نہیں سنی کہ لڑکے شادی کے بعد بدل ہی جاتے ہیں اٹھکیلیاں اور شوخیاں سب ہوا ہو جاتی ہیں''۔ اس نے شرارت سے اس کا ناک چھوا، وہ تپ ہی گئی۔

''پھر بھی مجھے تم سے شادی نہیں کرنی، اب مجھے جانے دو اور میرا پیچھا چھوڑ دو ہمیشہ کے لئے''۔ اس نے غصے سے اس پر نظر ڈالی اور تن فن کرتی کچن کی طرف بڑھ گئی، جہاں امی اپنے لاڈلے بھانجے کی خاطر مدارات کے لئے انتظام کر رہی تھیں۔

''شکر ہے امی نے سنا نہیں''۔ اس نے ایک نظر ماں پر ڈالی جو انہماک سے فخر کا پسندیدہ اروی گوشت بنانے میں مصروف تھیں، وہ بھی ان کی مدد کرنے لگی۔

☆☆☆☆

حرا اپنے ماں باپ کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھی، اس کی امی ثریا سیدھی سادی گھریلو عورت تھیں، جو اپنی بڑی بہن نجمہ سے بے انتہا پیار کرتی تھیں، نجمہ کے شوہر چند سال پہلے وفا پا گئے، اب وہ اپنے بیٹے فخر کے ساتھ رہتیں ہیں فخر شروع سے ہی اپنی خالہ زاد کو پسند کرتا تھا، لیکن کبھی بتانے کی ہمت نہ کر سکا، وہ ہنسنے بولنے والا انسان تھا، خود بھی خوش رہتا اور اپنے سے وابستہ رشتوں کو بھی خوش رکھتا، وہ ہر چھوٹی چھوٹی بات پر خوشیاں پھیلاتا رہتا، خواہ کوئی موقع ہو وہ اسے سیلیبریٹ ضرور کرتا، سالوں سے وہ حرا کی برتھ ڈے، عید بقر عید، نیو ایئر ہر موقع پر اسے کوئی نہ کوئی گفٹ ضرور دیتا، اس کی عادتیں ہی خوشیاں پھیلانے والی تھیں، اس لئے ہر کوئی اس کا یوں گفٹ دینا عام بات خیال کرتا، لیکن یہ صرف اس کا دل ہی جانتا تھا کہ حرا اس کے لئے کیا ہے جیسے ہی اسے نوکری ملی اس نے حرا کو اپنے جذبات سے آگاہ کیا، لیکن وہ سخت غصہ ہوئی وہ خود بھی سنجیدہ مزاج تھی اور ایسے ہی بندوں کو پسند بھی کرتی تھی اسے فخر انتہائی بے ہودہ لگتا تھا، اس کے چھوٹے موٹے مذاق اور ہنسی مذاق والی عادت اسے سخت زہر لگتی تھی، اس نے فخر کو سخت سست سنا ڈالیں، لیکن فخر نے اس کی باتوں کو پس پشت ڈال کے ماں کو اس کے گھر بھیج دیا۔

☆☆☆☆

اس کے بی اے کرتے ہی ثریا اور فیضان صاحب کو اس کی شادی کی فکر ستانے لگی، ایسے میں نجمہ اپنے بیٹے کے لئے اس کا ہاتھ مانگنے آئیں تو وہ دونوں خوشی سے جھوم اٹھے، سیدھا سادھا نیک دل سامنے کا دیکھا بھالا برسر روزگار بچہ تھا، انہیں بھلا کیا اعتراض ہونا تھا، خوشی خوشی بیٹی سے مشورہ چاہا تو اس نے ٹکا کے انکار کر ڈالا، پھر لاکھ منتوں کے بھی اس کی ناں ہاں میں نہ بدلی، نجمہ بھی بے حد اداس ہوئیں جبکہ فخر نے ہنسنا بولنا بند کر دیا، ہر وقت خوش رہنے والا بندہ اب چپ چپ رہنے لگا، ایسے میں دور کے جاننے والے حرا کے رشتے کے لئے آئے تو جیسے حرا کے دل کی مراد بر آئی، سنجیدہ مزاج حارث اسے پہلی ہی ملاقات میں پسند آیا، حارث اور اس کے گھر والوں کو ثریا نے کھانے پر بلایا وہ چھپ چھپ کے اس کو دیکھتی رہی اور ان کی واپسی پر وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ حارث ہی اس کا آئیڈیل ہے، ایک پرائیویٹ فرم میں اچھی پوسٹ پر فائز حارث نے بھی اس کے لئے اپنی پسندیدگی ظاہر کی، تو ہفتے کے اندر ہی دونوں کی منگنی کر دی گئی، فخر نے اس کی منگنی کے فنکشن میں بے دلی سے شرکت کی اس نے اپنے طور پر حرا کو اپنے متعلق

سمجھانے کی پوری کوشش کی، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی، اب منگنی کے خوبصورت نیلے جوڑے میں سجی سنوری بیٹھی حرا نے ایک نظر فخر پر یوں ڈالی جیسا کہ کہنا چاہ رہی ہو کہ دیکھا میری پسند میں نے تمہیں کیوں رد کیا اس کا جواب تمہیں حارث کو دیکھ کے اچھے سے ہو گیا ہوگا، میں نے جو چاہا وہ آج پالیا وہ فخر پر نگاہیں جمائے اپنے ہی خیالوں میں گم تھی جب حارث نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''نہیں تو ایسی تو کوئی بات نہیں''۔ اس نے حارث کو تسلی دی یوں بات آئی گئی ہو گئی، فخر نے بجھے دل سے اس کی خوشیوں کی دعا مانگی اور پارٹی ادھورا چھوڑ کے ہی لوٹ گیا۔

☆☆☆☆

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ ہر حال میں گزر ہی جاتا ہے فخر نے ہنسی مذاق تو بالکل ختم ہی کر دیا تھا، امی کے پوچھنے پر وہ ہر بار ٹال دیتا اس نے اپنا سارا دھیان اپنے کام کی طرف لگا لیا، لیکن دل کا کیا کیا جائے تنہائی ملتے ہی اس کی یاد نے آباد ہو جاتا۔ ایسے ہی اداس دنوں میں امی نے اس کی شادی کا ذکر چھیڑ ڈالا۔

''نہیں امی! مجھے ابھی بالکل شادی نہیں کرنی''۔ اس نے ٹالا تھا۔

''کیوں نہیں کرنی؟ کب کرو گے جب ماں گزر جائے گی''۔ وہ اس کے بارہا انکار سے آخر تنگ ہی آ گئیں۔

''اللہ نہ کرے آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں امی''۔

''تو پھر کیسی باتیں کروں میں، کب سے تمہیں کہہ رہی ہوں لیکن تم بات ہی نہیں مانتے میری۔ تم سے چھوٹی حرا کی شادی بھی طے ہو گئی ہے چھوٹی عید کے تیسرے دن اس کی رخصتی ہے، اب تو میرا ابھی ارمان تم پورا کر دو اگر اس نے انکار کر دیا تو کیا ہوا تمہارے لئے لڑکیوں کی کمی ہے کیا تم ایک بار ہاں تو کرو''۔ وہ اور بھی کیا کہہ رہی تھیں سے نیچا لیکن فخر کے کان صرف ایک ہی گونج اس تک پہنچا رہے تھے چھوٹی عید کے تیسرے دن اس کی رخصتی ہے، دل کے ہاتھوں تنگ آ کے وہ باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ صرف ڈھائی ماہ بعد اسے اس کے خوابوں کا شہزادہ مل جائے گا''۔ خواب کی کیفیت لگتی، ناولوں کے ہیرو کی طرح اس کے دل نے بھی اپنے ہیرو کا خاکہ وہی بنا ڈالا، لمبا ڈیشنگ سوبر بلکہ کچھ حد تک اکڑو ایسا آدمی ہی اس کا آئیڈیل تھا جو بہت جلد اسے ملنے والا تھا۔

''یار میں کب سے تمہارا فون ٹرائی کر رہا تھا، لیکن تمہارا نمبر بزی جا رہا تھا، آخر کس سے بات کر رہی تھیں ایسا کونسا یار تھا جو پچھلے 15 منٹ سے بات کر رہا تھا''۔ اس کے ہیلو کہتے ہی حارث اس پر برس ہی تو پڑا، اسے لگا شاید اس نے صحیح سنا نہیں ورنہ حارث اس سے یوں کیسے بات کر سکتا تھا، لیکن اگلے ہی لمحے وہ ''شاید'' بھی یقین میں بدل گیا۔

''چپ کیوں ہو اب، ساری باتیں یار سے ہی کر ڈالیں، جو میرے ساتھ بات کرنے کے لئے کچھ نہیں بچا کیا''۔ طنز میں ڈوبا ایک اور تیر اس کی طرف پھینکا گیا، صدمے کے مارے اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

''یہ کیسے بات کر رہے ہیں آپ مجھ سے، میں تو اپنی فرینڈ نازیہ سے بات کر رہی تھی''۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

''میں پہلی اور آخری بار تم سے کہہ رہا ہوں

کہ مجھے لڑکیوں کا یہ سب بالکل پسند نہیں اس لئے آئندہ نمبر بزی نہیں ملنا چاہئے''۔ وہ کہہ کے فون بند کر چکا تھا لیکن دوسری طرف حرا یہ سوچ رہی تھی کہ۔

''آخر کیا پسند نہیں ہے حارث کو میرا''۔ پھر کافی دنوں تک وہ اداس رہی۔

☆☆☆☆

دونوں طرف سے شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں، کیونکہ رمضان شروع ہونے میں صرف دو تین دن باقی تھے، جب وہ آیا تھا، اتفاق ایسا ہوا کہ اسے آئے ابھی پانچ منٹ ہی ہوئے تھے جب اس کی سہیلی نازیہ آ گئی جو اسی محلے میں رہتی تھی وہ بظاہر تو ثریا اور فیضان صاحب کے ساتھ باتوں میں مشغول تھا لیکن دھیان سارا اندر کمرے کی طرف تھا، جہاں نازیہ اس کی شادی کی تیاریوں کے بارے میں پوچھ رہی تھی، حرا کی کوشش تھی کہ ان دونوں کی آوازیں باہر حارث تک نہ پہنچیں اس لئے وہ بہت دھیمے لہجے میں نازیہ کی باتوں کے جواب دے رہی تھی لیکن باہر بیٹھا حارث پہلو پہ پہلو بدل رہا تھا، اور آخر بنا کچھ کھائے پئے عجلت میں چلا گیا۔

☆☆☆☆

اسی شام پھر سے حارث اسے سخت سست سنا رہا تھا، اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حارث کو اس کی ایسی کیا بات غصہ دلا گئی۔

''آخر آپ کو میری کونسی بات پر یوں غصہ آ رہا ہے، میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا''۔ اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی ڈالا۔

''مجھے تمہارا یوں دوسروں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا بالکل پسند نہیں ہے، مجھے سنجیدہ اور سوبر لڑکیاں پسند ہیں، باتونی اور جوکر بلکہ یوں سمجھو کہ چھچھوری لڑکیاں پسند نہیں ہیں، اس لئے آئندہ خیال رکھنا اس بات کا''۔ وہ ساری رات اس کے آنسو تکیہ گیلا کرتے رہے، اسی کے الفاظ اسی کو لوٹائے گئے، بولتے وقت تو اسے کچھ احساس نہ ہوا تھا لیکن آج سنتے وقت اس کا دل دکھ سے بھر گیا، پھر یونہی اداس اداس سحری اور افطاری کرتے وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئی، ثریا کو یقین نہ آیا اس کا فیصلہ سن کے، ثریا اور فیضان نے ہر طرح اس کو سمجھا کے دیکھ لیا لیکن بے سود، اس کا فیصلہ حارث کے گھر تک پہنچا ہی تھا کہ وہ خود اسے سمجھانے آ گیا لیکن وہ ڈٹی رہی، ہر ایک اپنی جگہ پریشان تھا شادی میں صرف پانچ دن باقی رہ گئے سارے انتظامات مکمل ہو گئے، پورے خاندان نے اس کے اس فیصلے کو بری نظر سے دیکھا، صرف ایک فخر ہی تھا جو یہ خبر سن کے یوں بیٹھا تھا گویا اس سب کے ہونے کی اسے پہلے سے خبر تھی۔

☆☆☆☆

27 واں روزہ تھا جب وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا بنا کچھ کہے سنے وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''اگر تمہیں یہ جوکر قبول ہو تو امی کو بھیجوں اسی ڈیٹ کو شادی کے لئے''۔ اس نے بہت اطمینان سے پوچھا، جس کے جواب میں حرا نے دھیمی مسکراہٹ سجائے اثبات میں سر ہلا دیا، تو آسمان پر ٹمٹماتے تارے ان کی خوشیوں پر جھوم ہی اٹھے جیسے کہہ رہے ہوں کہ۔

''عید اب ملن کو آئی ہے
ساتھ میں خوشیاں لائی ہے
پہلے تھے جو خواب ادھورے
ان کو پورا کرنے آئی ہے''

☆☆......☆......☆☆

حورینہ سعد

لائف بوائے شیمپو کی
خوشبو سے نکلا چاند

اسے اگر حسن کی دیوی کہا جائے تو کم نہ ہوگا۔ ثانیہ اڈو پنڈ ڈلڑکی تھی۔ ماں مری تو باپ نے دوسری شادی کرلی۔ دادی نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ بچپن تو سوتیلی ماں سے اس کا بچ گیا مگر جب ثانیہ گیارہ سال



کی ہوئی تو دادی بھی چل بسیں۔ اب ٹوٹل کائنات چچا اور چچی تھے اور ان کے بچے۔ ثانیہ کی ہم عمر کزن مائرہ جو چچا کی بیٹی تھی کچھ دنوں تک تو آپس میں بہنوں جیسی رہیں لیکن جونہی کالج لائف شروع ہوئی تو ان کے خیالات الگ ہو گئے۔ مائرہ، ثانیہ سے جیلس ہونے لگی۔ وہ ہر جگہ اسپورٹس میں اول آتی تھی۔ جن دنوں ثانیہ میٹرک کر رہی تھی مائرہ کے بھی ایگزام ہو رہے تھے۔ صبح پیپر تھے اور رات مائرہ نے ثانیہ کے نوٹس چھپا دیے۔ ثانیہ روتی رہی مائرہ کی منت کرتی رہی کہ تھوڑی سی دیر کے لیے اپنے نوٹس اور کتابیں مجھے دے دو لیکن مائرہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کو جلاتی رہی۔ صبح جب وہ سو کر اٹھی تو بہت اداس اور دکھی سی وہ پیپر دینے گئی۔ اتفاق ایسا ہوا جو سوالات ثانیہ نے بہت پہلے یاد کیے تھے وہی سوالات پیپر میں آ گئے۔ ثانیہ بہت خوش خوش لوٹی تو دیکھا مائرہ بہت اداس اور پریشان سی دکھائی دے رہی ہے۔ دونوں کے سینٹر الگ الگ تھے۔ اس لیے وہ ایک دوسرے کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھیں۔

”تمہارا پیپر کیسا ہوا؟“ ثانیہ نے مائرہ سے پوچھا۔

”تمہیں اس سے کیا، کیسا ہوا؟ تم بتاؤ تمہارا کیسا



ہوا؟'' الٹا مارہ نے ثانیہ سے سوال کر ڈالا۔

''یہ دیکھو۔'' ثانیہ نے اپنا پرچہ کھول کر سامنے پھیلا دیا۔

''سارے نوٹس تو میں پڑھ نہ سکی۔ چند نوٹس میرے پاس باقی تھے۔ اللہ کا نام لے کر انہی کو رات بھر پڑھتی رہی۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہی سوالات آ گئے۔''

''یہ لو مرو۔'' مارہ نے نوٹس کی کاپی مروڑ کر ثانیہ کے اوپر پھینکی۔

شکر اللہ کا کہ ثانیہ نے اسے پکڑ لیا۔ ورنہ وہ ڈائریکٹ آنکھ پر لگتی۔

''شکر اللہ کا اگر میرے پاس یہ نوٹس ہوتے تو میں رات بھر انہی میں الجھی رہتی۔ تمہیں یہ کہاں سے ملے۔'' اس نے پلٹ کر مارہ سے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم کارپٹ کے نیچے سے نکلے ہیں۔'' مارہ پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

''امی! ثانیہ اس گھر میں رہے گی یا میں رہوں گی۔'' مارہ غصے سے بولی۔

''کیسی باتیں کرتی ہو۔ کہاں جائے گی بن ماں باپ کی بچی۔''

''کہیں بھی جائے ہمیں اس سے کیا۔ بچپن سے لے کر آج تک میں کسی فیلڈ میں اس کو ہرا نہیں سکی۔ میری دلی خواہش ہے کہ یہ مجھ سے ہار مان لے لیکن ہر بار یہ مجھ سے جیت جاتی ہے۔ میں کتنی بھی محنت کر لوں لیکن ثانیہ سے جیت نہیں سکتی۔''

''تو تم ثانیہ جیسی بن جاؤ۔''

''اترن پہنوں اور بچا کھچا کھاؤں۔ مجھے ایسی مظلوم زندگی نہیں چاہیے۔'' وہ غصے سے بول کر رونے لگی۔

''آپ چاہتی ہیں کہ میں اس جیسی بن جاؤں۔ لمبی سی چوٹی اور سر پر دوپٹہ رکھے دوسروں کو الو بناتی پھرتی ہے کہ میں بہت دیندار اور نمازی ہوں۔'' مارہ چیخ کر بولی۔

''مارہ! وہ نماز پڑھتی ہے پورے روزے رکھتی ہے ایک دیندار لڑکی ہے۔ تم سوتی رہتی ہو وہ سحری میں اٹھ کر سارے گھر کو سحری بنا کر دیتی ہے۔ ظاہر ہے اللہ کو اس کی یہ ادا اچھی لگتی ہے۔'' ماں نے مارہ کو پیار سے لپٹا لیا تھا۔

''آپ چاہتی ہیں میں بھی ہر وقت ماتھا ٹیکوں، سر پہ دوپٹہ لپیٹ کر گھوموں، مجھے تو وحشت ہوتی ہے لمبے بالوں سے۔'' تو ماں بولیں۔

''اس کے انداز میں ایک ٹھہراؤ ہے۔ کتنے آرام سے وہ اپنے بالوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔''

''امی بس رہنے دیں لکیر کی فقیر ہے۔ ایک شیمپو لائف بوائے اس کے ہاتھ کیا لگ گیا بس ہر آنے جانے والی کو اسی کی تعریفیں سناتی رہتی ہے۔ میں تو ہمیشہ باہر کے شیمپو استعمال کرتی ہوں جس سے میرے بال بہت سوفٹ اور چمکدار رہتے ہیں۔''

''مارہ! تمہارے بال آہستہ آہستہ جھڑ رہے ہیں۔''

''جھڑنے دیں، ہو کیئرز۔''

''دیکھو تمہارا پھپھو کا بیٹا ارسلان امریکہ سے آ رہا ہے اس عید پر اڑتی اڑتی خبر سنی ہے کہ ارسلان یہاں اپنے لیے لڑکی پسند کرنے آ رہا ہے۔''

''ہاں تو آئے ناں وہ ہمارے گھر تو اس ویوی کو سب سے پہلے اس کے سامنے بیٹھا دیجیے گا۔ لمبے لمبے چڑیلوں والے بال کھول کر بیٹھ جائے گی تو امی وہ بھاگ ہی جائے گا۔ نہ شکل نہ صورت بس اپنے بالوں پر اترائی رہتی ہے۔'' مارہ نفرت سے بولی۔

''بری بات مارہ! اس طرح سے نہیں بولتے کسی کو۔'' امی بولیں۔

''کسی کو یا اس چڑیل کو۔'' آج اس کو ثانیہ پر شدید غصہ آ رہا تھا لیکن ثانیہ بہت مطمئن اور پرسکون سی اپنے کام میں مصروف تھی۔ افطار کا ٹائم قریب آ رہا تھا۔ ثانیہ چچی کے ساتھ افطاری بنانے میں مصروف تھی۔ لمبے چوڑے دسترخوان پر افطار لگی تو ثانیہ نے جلدی سے ٹھنڈا ٹھنڈا

مشروب کا گلاس دادا جان کی طرف بڑھایا تھا۔

''اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔'' دادا جان ثانیہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ مائرہ کے ہونٹوں پر خود بخود ہنسی آ گئی۔ باپ نے گھور کر مائرہ کو دیکھا۔ دوسرے بھائی بہن ہنسنے لگے۔ مائرہ چپ چپ اور اداس ہو گئی۔

☆......☆

دراصل آج پھپھو اور ارسلان ان کی طرف روزہ کھولنے آ رہے تھے۔ مائرہ تو صبح سے بن سنور کر گھوم رہی تھی۔ جب کہ ثانیہ صبح سے افطار بنانے میں لگی ہوئی تھی۔ یہ لوگ بڑی بے چینی سے مہمانوں کا انتظار کر رہے تھے۔ تبھی ارسلان اور پھپھو دیگر لوگوں کے ساتھ اندر آ گئے تھے۔ ثانیہ اپنے گیلے بالوں کو لپیٹے ہوئے پھپھو کے گلے لگ گئی تو پھپھو نے ثانیہ کو پیار کرتے ہوئے بغور دیکھا۔ ارسلان ماں کو دیکھتے ہوئے ثانیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھپھو نے ثانیہ کو پیار کیا اور اس کا ہاتھ تھام کر میز کی جانب بڑھ گئیں۔ اذان ہوئی تو سب روزہ کھولنے لگے لیکن دادا جان کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور ثانیہ ان کے منہ سے شربت کا گلاس لگائے خود بھی کھجور سے روزہ کھول رہی تھی۔ ارسلان نے ایک گہری سانس لی اور ثانیہ کی طرف دیکھا تھا۔ مائرہ نے بڑی حقارت سے اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔

''نوکرانی سمجھ کر سب اس سے ہمدردی اور رحم کرتے ہیں۔'' ثانیہ نے دل میں ایسا سوچا۔ ایک دم سے اناؤنس ہوا عید کا چاند ہو گیا ہے۔ سب لوگ اوپر کی طرف بڑھے۔ ثانیہ بھی جلدی جلدی زینہ طے کرتی ہوئی اوپر پہنچنا چاہ رہی تھی تبھی وہ ارسلان سے ٹکرا گئی گرتی ہوئی ثانیہ کو ارسلان نے تھام لیا۔

''میں اگر ابھی نہ آپ کو پکڑتا تو آپ نیچے گر جاتیں۔'' ارسلان ہنس کر بولا۔

''اگر اللہ چاہتا تو......'' ثانیہ سنبھلتے سنبھلتے بولی۔

''اتنا کانفیڈنس ہے آپ کو۔'' ارسلان بولا۔

''لیکن صرف اپنے اللہ پر۔''

''وہ تو مجھے آتے ہی محسوس ہو گیا تھا کہ آپ کے اندر بہت کانفیڈنس ہے اور میری اور آپ کی چوائس بھی ایک ہے۔''

''میری چوائس......'' وہ حیرت سے دیوار سے لگ گئی۔

''اچھا......! یہاں آپ کھڑی باتیں کر رہی ہیں اور سارے لوگ آسمان پر چاند کو ڈھونڈ رہے ہیں۔'' مائرہ نے شک بھری نظروں سے ثانیہ کو دیکھا۔

''اور ہم نے چاند زینے پر ڈھونڈ لیا بلکہ یوں کہیں گرتے گرتے تھام لیا۔'' ارسلان بہت زور سے ہنسا اور ثانیہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر اوپر چڑھتے ہوئے بولا۔

''کہیں پھر نہ گر جایئے گا۔'' ثانیہ اپنا ہاتھ چھڑا کر پھپھو کی جانب بڑھ گئی۔ مائرہ نے بڑے غصے سے گھورا۔ ہر شخص کی نظریں آسمان پر چاند کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

عید کے دن صبح صبح پھپھو ثانیہ کی اچانک عیدی لے کر آ گئیں تھیں۔ سب حیران رہ گئے۔ مائرہ کو امید تھی کہ ارسلان اسے پسند کرے گا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

''یہ لیں جس نے آپ کو اور ہمیں ایک بنا دیا۔ یہ آپ کے لیے ہے۔'' ارسلان نے گفٹ پیک اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اس میں کیا ہے۔'' سب نے ایک ساتھ کہا تو ارسلان بولا۔

''ایک سرپرائز۔'' سب حیرت سے دیکھنے لگے۔

''سرپرائز......''

''ہاں سرپرائز جس نے ہمیں اور ثانیہ کو ایک بنا دیا ہماری اور ثانیہ کی چوائس ایک ہے۔'' مائرہ نے جلدی سے پیک کا ربن کھول کر بکس کھولا ایک کرنٹ سا اسے لگا اور وہ دور ہٹ گئی۔ گفٹ پیک میں لائف بوائے شیمپو رکھے تھے۔

......☆......

شہلا گل سحر

عید محبت ایک سائے تلے

''بھابی او بھابی یہ آپ نے چائے بنائی ہے یا جوشاندہ''۔ روحان نے ایک سپ لیتے ہوئے برا سا منہ بناتے ہوئے بھابی کو پکارا، جو اسے چائے دینے کے بعد ننھے حمدان کے لئے اب فیڈر بنا رہی تھیں۔

''بانی سدھر جاؤ ہر بات پر نکتہ چینی مت کیا کرو''۔ تسبیح پڑھتی اماں نے اسے تنبیہی نظروں سے گھورا۔

''کیوں نہ کروں نکتہ چینی آپ نے تو دو بیٹوں پر اکتفا کر لیا بڑا بیٹا تو بے دام غلام بنا بیوی کے پیچھے گھومتا ہے، آپ بھی روایتی ساس کا کردار ادا نہیں کر سکتیں تو پھر مجھے تو نظر رکھنی پڑے گی ورنہ تو پھر بھابی صاحبہ مکمل طور پر خود سر ہو جائیں گی،،۔ روحان نے عورتوں کی طرح ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔ اماں نے اس کی بے تکی بکواس پر گھور کر اسے دیکھا۔

''دیور جی میری فکر چھوڑ یئے میرے فیور میں تو پورا گھر ہے، آپ اپنی نکتہ چینی کی عادت کو پورا کرنے کے لئے ایک عدد مہارانی لے آئیں پھر دیکھیں یہ آپ کے سیاہ گھنے بال کتنے دن سلامت رہتے ہیں''۔ بھابی حمدان کو فیڈر پلاتے ادھر اماں کے ساتھ تخت پر ہی بیٹھ گئیں۔

''this is not a bad idea،، یہ کام تو اماں بس جلد کر دیں، پھر دیکھیں میں کیسے اسے کس کے رکھوں گا سارے گھر کا کام کرے گی، حمدان کو بہلائے گی، آپ کے سر پر تیل کی مالش کرے گی اور میرے کو سنے سنے کہے کی پورے گھر میں کٹ پتلی کی طرح نچاؤں گا، ارے آپ کا ایک بیٹا زن مرید ہے دوسرا نہیں''۔ وہ اماں کے قدموں میں بیٹھا جوش سے بول رہا تھا کہ ایک زوردار دھموکا اس کی کمر پر پڑا اور وہ کراہ کر پیچھے ہٹ گیا۔

چچا کی درگت دیکھ کر ننھا حمدان بھی کھلکھلا کر ہنس پڑا جبکہ عائزہ بھابی بھی اس کی باتوں کو انجوائے کر رہی تھیں اسے روحان کی عادت کا پتہ تھا دوسروں کو زچ کرنا اس کا فیورٹ مشغلہ تھا، اس لئے برسر روزگار ہوتے ہوئے بھی وہ اکثر ماں سے ایک آدھ ہاتھ کھا لیتا، البتہ بابا سے وہ کافی دور رہتا تھا۔

''ہنس لو ہنس لو عائزہ بھابی! آج وقت تمہارا ہے مگر جب میری بیوی آئے گی تو لگائی بجھائی کر کے ایسی آگ لگاؤں گا کہ گھر پانی پت کا میدان بن جائے گا اور اماں دو بیٹے پیدا کرنے پر بھی خود کو کوسیں گی،،۔ اماں کا چپل کی طرف بڑھتا ہاتھ دیکھ کر وہ جلدی سے واک آؤٹ کر گیا، تو اماں نے سر تھام لیا، اپنے اس بیٹے کی زبان درازی سے وہ بہت نالاں رہتی تھیں اس کی زبان قینچی کی طرح چلتی تھی منہ پھٹ اور حاضر جوابی کی وجہ سے اکثر اماں کے عتاب کا نشانہ بنتا۔

سکندر حسن ایک ریٹائرڈ اسکول ہیڈ ماسٹر تھے، مسز ثانیہ سکندر اور دو بیٹوں ثوبان اور روحان پہ مشتمل



ان کا خوشحال گھرانہ تھا، ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے سن رائز اکیڈمی کھولی اور ان کی انتھک محنت رنگ لائی کہ آج اس کی دو برانچز تھیں جونیئر سیکشن اور سینئر سیکشن۔ جونیئر سیکشن کا ہیڈ ثوبان تھا اور سینئر سیکشن میں روحان باپ کا ہاتھ بٹاتا سیکنڈ ٹائم وہ ٹیوشن سینٹر چلاتے، روپے پیسے کی ریل پیل ہو کر بھی گھر کا ماحول دوستانہ اور انکسارانہ تھا، عائزہ سینئر سیکشن میں فزکس کی ٹیچر تھی اس کی حیادار طبیعت اور سادگی نے سکندر صاحب کو اتنا متاثر کیا کہ انہوں نے اسے بہو بنالیا اور اس نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ گھر سنبھال لیا، اور اسکول کو خیر آباد کہہ دیا ننھے حمدان کی آمد نے گھر میں اور بھی خوشیوں کا اضافہ کر دیا اکثر روحان عائزہ کو نکتہ چینی کا نشانہ بناتا مگر وہ اس کی نیچر کو پہنچانتی تھی اس لیے ہنسی مذاق میں اڑا دیتی اسے اپنا شوخ سا دیور بہت عزیز تھا۔

☆☆☆☆

''عائزہ یار! شام کی چائے ملے گی یا نہیں''۔ ثوبان نے شام کے اخبار پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے بیوی کو پکارا، پاس ہی روحان فلور کشن پر براجمان تھا اور ٹی وی کے چینل سرچ کر رہا تھا کچن سے نکلتی عائزہ بھابی کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے وہ تیزی سے بھائی کے پاس صوفے پر آ بیٹھا۔

''بھائی جان! میں بار بار ایک بات دہراتا ہوں مگر نقار خانے میں طوطے کی سنتا کون ہے''۔

''طوطا نہیں طوطی''۔ ثوبان نے اس کے سر پہ چپت لگاتے ہوئے جملہ صحیح کیا۔

''اف...... جینڈر کے لحاظ سے تو طوطا ہوں نا خیر چھوڑیے مدعے پر آتے ہیں دیکھیے بھابی اکیلے گھر نہیں سنبھال سکتیں اس لیے ایک اور شادی کر لیجیے دو شادیاں میں کرلوں گا گھر میں رونق ہو جائے گی، اور سناٹے ختم ہو جائیں گے''۔

''تم اپنا یہ شوق خود پورا کرلو، خبردار جو میرے معصوم شوہر کو ورغلایا''۔ عائزہ نے چائے اور لوازمات سے بھرا ٹرے تپائی پر رکھا اور اس کا کان پکڑا۔

''ارے بھابی! آرام سے''۔ روحان کان پہ ہاتھ رکھے بلبلایا۔

''ویسے یہ آپ کے معصوم شوہر کے یونیورسٹی بے ایلیٹر زنار یکارڈ آج تک کوئی دوسرا اسٹوڈنٹ نہیں توڑ سکا''۔ کان کو سہلاتے ہوئے بھی وہ باز نہ آیا۔

''میرا شوہر ہے ہی اتنا ہینڈسم کہ کوئی لڑکی بھی اس پر مر سکتی ہے''۔ عائزہ نے پیار سے شوہر کو دیکھا، جو زیرلب مسکراتے ہوئے اس کے سفید جھوٹ سن رہا تھا۔

''ارے اتنا اندھا اعتماد مت کریں جونیئر سیکشن میں کافی زبردست نی میل اسٹاف ہیں''۔ پہلا داؤ خالی جاتا دیکھ کر اس نے دوسرا تیر چلایا۔

''میرے میاں کی چھوڑ و اپنی فکر کرو اماں بڑے زور و شور سے تمہارے لیے لڑکی تلاش کر رہی ہیں جو تمہاری ناک میں نکیل ڈال سکے''۔

''ارے میں کوئی گھوڑا ہوں''۔ اس نے قدرے برا مان کر بھابی کو دیکھا جو بڑے مزے سے چائے اور کتاب سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''خیر اسے کہتے ہیں کہ رناں والے دے لیکن پرانھے تے چھیڑے دی آگ نہ بلے' میرے لیے ایک چائے کا کپ بھی نہیں ہے''۔ اس نے منہ پھلایا۔

''تمہیں میرے ہاتھوں کی بنی چائے جوشاندہ لگتی ہے''۔ اسٹرونگ چائے کے لیے میری دیورانی لے آؤ''۔ عائزہ بھابی اسے ہری جھنڈی دکھاتی کچن لوٹ گئیں اور وہ کباب کھاتے ہوئے اپنے مصنوعی آنسو پونچھنے لگا۔

☆☆☆☆

جونیئر سیکشن میں میلاد کا فنکشن تھا، اماں اور عائزہ نے بھی شرکت کی اور وہاں خوش الحانی سے نعت پڑھتی نمل ریاض جو اسلامیات کی ٹیچر تھی ان کے دل میں اتر گئی، اگلے دن شوہر سے مشورہ کر کے وہ لوگ اس کے گھر چلے گئے وہ متوسط طبقے کے لوگ تھے اور اپنی شرافت انکساری اور رکھ رکھاؤ سے سکندر فیملی کو بہت پسند آئے، سکندر ہاؤس کی فیملی کا تو ویسے بھی مہذب خاندانوں میں شمار ہوتا تھا اس لئے فارمیلٹی نبھانے کے لئے اس نے کچھ وقت مانگا جو بخوشی دے دیا گیا ورنہ رشتہ دینے میں تو انہیں کوئی تعامل نہ تھا، خود نمل اپنی قسمت پر حیران تھی روحان نے سنا تو واویلا مچا دیا۔

''اماں! آپ تو گھر کو اکیڈمی کی تیسری برانچ بنا رہی ہیں گھر نہ ہوا اساتذہ کا اڈہ ہو گیا، ایک تو ماسٹر بھولے آئیں دوسری بھی ملانی لا رہی ہیں''۔ ایم اے اسلامیات کی وجہ سے روحان نے اسے ملانی کا لقب دے دیا تھا۔

''ارے یہ میرے باپ کا اسکول ہے یا میرج بیورو، ارے اماں آپ نے اپنی بنا خود ڈبو دی ہاتھ ملیں گی''۔ مگر چونکہ اماں بہت خوش تھیں اس لئے بیٹے کی فریاد پہ بالکل بھی کان نہ دھرا، اور یوں چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کے مصداق نمل ارحان بن کر وہ سکندر ولا سدھار گئی، شادی میں روحان کی زبان تالو سے چپک گئی تھی، دوستوں نے ریکارڈ لگایا عائزہ نے بھاری نیگ وصول کیا، مگر وہ خاموشی سے دیتا گیا۔ حجلہ عروسی میں نمل کو پہلی بار دیکھنے پر بے اختیار اسے اماں پر پیار آیا وہ ڈری ڈری نازک سی ہرنی جیسی اس کی دلہن اس کے دل میں اتر گئی تھی مگر عادت سے مجبور ہو کر وہ اسٹارٹ لے چکا تھا۔

''اف یہ پارلر والے اچھے خاصے چہرے کا ستیا ناس کر دیتے ہیں، اتنا کچھ کر دیتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کہ مدمقابل دلہن بیٹھی ہے یا چڑیل محترم جا کیے اور انسانی حلیے میں آ کر واپس آ جائیے''۔ وہ حکم دیتا مزے سے اس کے قریب ہی لیٹ گیا۔

''اور کان جو کچھ اور سننے کے منتظر تھے اس کے برعکس سن کے نمل آنکھیں پھاڑے منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

''محترمہ! اگر آپ کا ارادہ مجھے کھانے کا ہے تو تناول فرما لیں میں ختم ہونے والی چیز نہیں ہوں۔۔

روحان نے اس پر چوٹ کی تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔ اور باتھ روم میں گھس گئی، چینج کرنے کے بعد اس نے رگڑ رگڑ کر چہرہ دھویا۔ ٹھنڈے پانی کی بوندوں کے ساتھ گرم گرم آنسوؤں کا سیال بھی چہرے کو دھوتا گیا کچھ دیر بعد وہ نکلی اور اس پہ نظر ڈالے بغیر ڈریسنگ روم کی طرف آ گئی کہ جیولری اتارے۔

''ارے مسز نمل روحان کچھ خدمات کا موقع ہمیں بھی دے دیں آخر کار آپ ہماری مہمان خصوصی ہیں''۔ اسے آئینے میں روحان کا عکس نظر آیا تو اس کے ہاتھ رک گئے، وہ وارفتگی سے اس کے دھلے دھلے چہرے اور بھیگی پلکوں کو دیکھ رہا تھا، وہ جیولری اتار رہا تھا اور جان بوجھ کر اتنے نزدیک کھڑا تھا کہ اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہو گئے تھے اور ڈن مین شو کی خوشبو اس کے نتھنوں میں گھس رہی تھی اس کی گرم سانسیں اسے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں شرم اور حیرت کے سمندر میں ڈوبتی ابھرتی وہ آنکھیں بند کئے کھڑی رہی۔

''جان روحان! آنکھیں کھولو''۔ اس کی سرگوشی اس کی سماعت میں اتری تو اس کی گھنیری پلکیں لرزیں، تب اس کی کلائی تھام کے نازک گولڈ کا بریسلیٹ اس کی کلائی کی زینت بن گیا اور پھر اس کی پیار بھری سرگوشیاں اور اس کا لمس اسے انوکھے خوابوں کے جزیرے میں لے گیا۔

☆☆☆☆

شادی کے جھمیلوں کے بعد زندگی کی عام روٹین رواں دواں ہوگئی وہ جلد ہی گھر کے ماحول میں ایڈجسٹ ہوگئی اور اپنی ملنساری اور فرمانبرداری کی وجہ سے جلد ہی اماں اور عائزہ سے اس کی گاڑھی چھیننے لگی، مگر روحان کا گرم و سرد رویہ اسے ہرٹ کیے رہتا، سب کے سامنے بھی وہ اسے مذاق کا نشانہ بناتا، تو کبھی کمرے میں محبت لٹانے والا دیوتا بن جاتا، اس کی عجیب وغریب شخصیت اس کے لئے معمہ تھی۔

"سچ کہا تھا کسی نے کے شخصیت کو پرکھنا اتنا ہی مشکل ہے جیسے وقت کی شناخت،،۔ وہ اس کے رویئے سے ڈری رہتی جو ہر بات اور ہر انسان کو چٹکیوں میں اڑا دیا کرتا تھا۔ عائزہ بھابی کے ساتھ کچن میں ڈنر تیار کرتی وہ خوش گپیوں میں بھی مصروف تھی کہ روحان کی انٹری ہوئی۔

"اوہ عائزہ بھابی! ان محترمہ سے زیادہ کام نہیں لیا کریں پھر رات میری شامت آنی ہوتی ہے کان کھا جاتی ہے میرے کہ تم بیوی بیاہ کے لائے ہو یا گھر کے کام کے لئے نوکرانی"۔ فریج سے بوتل نکالتے ہوئے روحان نے پھلجھڑی چھوڑی اس کے سفید جھوٹ پر نمل کا چہرہ فق ہوگیا اس نے عائزہ بھابی کی طرف دیکھا وہ ہنوز مسکرا رہی تھیں۔

"یہ سچ نہیں یہ جھوٹ بول رہے ہیں،،۔ اس نے رندھی آواز میں کہا۔

"ڈونٹ وری ڈیئر! میں جانتی ہوں روحان کو"۔ عائزہ بھابی نے کپڑے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"او کے جی میرا کام تھا انفارم کرنا اور خبردار جو رات کو مجھ سے عائزہ بھابی کی شکایت کی،،۔ روحان اسے گھورتا ہوا کچن میں سے نکل گیا نمل کو بے ساختہ رونا آ گیا۔

"ارے، ارے نمل"۔ عائزہ بھابی نے بے ساختہ اسے گلے لگا لیا۔

"ارے دیور جی کی باتوں کو دل پر مت لیا کرو اس کی شروع سے ہی عادت ہے دوسروں کو تنگ کرنے کی"۔ مگر اس کے دل میں گرہ سی پڑ گئی تھی کبھی اس کی کی گئی صفائی میں کیڑے نکالتا کبھی اس کی کوکنگ پر نقطہ چینی کرتا، کبھی اس کی ڈریسنگ پر چوٹ ہوتی تو کبھی اماں اور عائزہ کے سامنے جھوٹی لگائی بجھائی کرتا، مگر وہ اس سے کتراتی رہنے لگی وہ دن بدن عدم اعتماد کا شکار ہو رہی تھی یہ خوف اس کے دل میں پنپتا کہ سب کے سامنے روحان اسے تضحیک کا نشانہ نہ بنائے سو وہ اس سے کنی کترانے لگی۔

اس دن وہ بہت بور ہو رہی تھی عائزہ بھابی بیٹے سمیت میکے گئی تھیں اماں ناسازی طبیعت کی وجہ سے کمرے میں لیٹی تھیں اور اتنے بڑے گھر میں وہ بولائی بولائی پھرتی رہی دوپہر کے بعد اچانک کالے بادلوں نے نیلے آکاش کو بانہوں میں لے لیا، تپتے سورج نے کالی گھٹا کی آغوش میں آنکھ موند لیں، مست ہوا اور لہراتے پوروں نے گویا ہر جاندار میں ایک نئی روح پھونک دی، موٹی موٹی بوندوں نے پیاسی دھرتی کو سیرابی بخشی، گرجتے بادل مست ہوا کے سنگ آکاش کو آغوش میں اڑتے پھر رہے تھے موسم کی تبدیلی نے نمل کے موڈ کو بھی بدل دیا اس سارے منظر کو آنکھوں سے دل میں جذب کیا اور گنگناتے ہوئے کچن میں گھس گئی، اس نے بیسن گھول کر گول گول آلو کاٹے اور پکوڑے تلنے لگی، ابلے چنے نکال کر اس نے دہی اور املی کی چٹنی بنائی اور پھر چاٹ مصالحہ چھڑک کر سلاد سے گارنش کر لیا فریج سے شامی کباب اور چکن رول نکال کر تلے اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے اندر سارے لوازمات لے کر وہ صحن میں آ گئی جہاں لان میں بابا اور ثوبان آنے والے سمسٹر کے سلیبس کے بارے میں محو گفتگو تھے اماں بھی نماز پڑھ کے آ گئی تھیں خوبصورت موسم کے ساتھ گرم گرم چٹ پٹے پکوان نے سب کی توجہ

اپنی طرف کھینچ لی۔

"واہ واہ بیٹا! آپ نے تو میرے دل کی آواز سن لی"۔ بابا نے خوش دلی سے سب لوازمات کو دیکھتے ہوئے مشکور نظروں سے اسے دیکھا وہ مسکراتے ہوئے چائے بنانے لگی۔ مگر وفا باز دل اور متلاشی نظریں اس ستمگر کو ڈھونڈ رہی تھیں جو اب تک اس کی روح میں بستا تھا، ثوبان کی آواز سن کے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

"ارے واہ یہاں تو پارٹی منائی جارہی ہے"۔ گیلے کپڑوں کو جھٹکتا وہ نزدیک چلا آیا۔

"ہاں آجاؤ آج پارٹی تمہاری بیوی کی طرف سے ہے"۔ ثوبان نے مسکراتے ہوئے آفر کی۔

"بس جی یہ عورتیں ان موقعوں سے ہی فائدہ اٹھاتی ہیں مہینے بھر کا راشن ایک دن میں ختم کردیتی ہیں غضب خدا کا کہ دونوں بہوؤں نے میری ماں کو کیا گھول کے پلایا ہے کہ سارا کچن ان کے حوالے کردیا ہے اور ہم مرد غریب اس گرمی میں کولہو کے بیل بنے ہوئے ہیں"۔ ہر چیز سے انصاف کرتا وہ بے تکان بول رہا تھا۔ اماں کے ایک ہنکارے نے اس کی زبان کو بریک دی۔

"اف اماں! اب تو میں شادی شدہ ہوں، آج آپ مار رہی ہیں آپ کو دیکھ کے کل آپ کی بہو بھی مجھے مارے گی"۔ اس نے چور نظروں سے نمل کو دیکھا، فیروزی رنگ کے پرنٹڈ لان کے سوٹ میں اس کی سنہری رنگت دمک رہی تھی، مگر نمل سے کھانا دوبھر ہورہا تھا، اس شخص کی باتیں روح تک کو چیر دیتی تھیں اس کا دل عجیب خفت کا شکار ہوگیا تھا، کچھ دیر کے بعد وہ ڈنر بنانے کے بہانے اٹھ گئی، پیاز کاٹتے ہوئے کتنے آنسو درد کی صورت گالوں پر اترے اور کتنے ہی دل کی سرزمین جذب ہوئے اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا۔

ڈنر تیار کرکے وہ کچن سے نکلی تو عائزہ بھابی کی واپسی ہوچکی تھی ننھے حمدان کو گود میں لے کر وہ عائزہ بھابی سے ان کے میکے کی خیریت پوچھنے لگی، باتیں کرتے ہوئے عائزہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ارے نمل تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا......؟" اس نے متورم آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا اور خود کو کنٹرول کرتی ہوئی بولی۔

"چھوڑیں بھابی! اس پیاز کاٹنے سے مجھے الرجی ہے"۔

"ارے ماں کے گھر مفت کی روٹیاں توڑی ہیں کام وام کیا نہیں تو یہ حال تو ہوگا"۔ اپنے موبائل میں بزی روحان نے لقمہ دیا۔

"ارے نانہجار چپ خبردار! جو میری بہو کو تنگ کیا، اتنی صابر اور پیاری بچی ہے صبح سے اکیلے ہی گھر سنبھال رہی ہے دیکھو مجھے ہل کر پانی بھی نہیں پینے دیا یہ تو تمہاری کسی نیکی کا صلہ ہے اللہ تعالیٰ میری دونوں بہوؤں کو سدا سہاگن اور خوش و خرم رکھے آمین"۔ اماں نے اس کی کلاس لیتے ہوئے اس کی تعریف کی۔

"جیسے ہم تو سوتیلے ہیں ناں اور یہ لوگ آپ کی سگی ہیں"۔ روحان نے جل کر جواب دیا اور پھر ان دونوں کی دبی دبی ہنسی اور عائزہ بھابی کے ٹھینگا دکھانے پر وہ روٹھ کر واک آؤٹ کر گیا۔

☆☆☆☆

وقت کے تھال میں دن ہفتے اور مہینے سکے بن کے گرتے رہے۔ نمل بظاہر ہنستی مسکراتی مگر روحان کے وقت بے وقت کے شگوفوں سے اس کے دل میں بدگمانی بڑھتی جارہی تھی، سسرال میں اس کا پہلا رمضان آیا تو اس نے بھی خشوع و خضوع سے عبادت شروع کردی سارا گھر نماز اور قرآن کا پابند تھا روحان روزے تو رکھ لیتا مگر عبادت میں ڈنڈی مارتا، پہلی سحری اس نے اور عائزہ نے تیار کی، بابا کھیر پراٹھے کے ساتھ کھاتے اماں دہی استعمال

کرتیں کہ انہیں معدے کی جلن کا مسئلہ ہوتا، ثوبان اور روحان سالن کھاتے البتہ وہ اور عائزہ چائے کے ساتھ ہی روٹی کھاتیں، سحری کے بعد کچن سمیٹ کے آئی تو روحان صاحب اوندھے منہ پڑے تھے فجر کی اذان اسٹارٹ ہو چکی تھی۔

"اٹھیے پلیز نماز کا وقت ہے بابا اور ثوبان بھائی کے ساتھ مسجد جائیں۔" [illegible] سے مس نہیں ہوا۔

"اٹھیں ناں! دیکھئے ہمارا مذہب سختی سے نماز کی ہدایت کرتا ہے شریعت میں قضا نماز کا بہت گناہ ہے اور اس کی بخشش بھی نہیں ہے"۔ اب کے اس نے اسے جھنجھوڑا۔

"ویسے محترمہ! شریعت میں تو چار شادیوں کی بھی اجازت دیتی ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے"۔ اس کا ہاتھ تھام کے اس نے اسے بیڈ پر گرا دیا، تو وہ جھنجھلا گئی۔

"کر لیجیے گا وہ بھی، بہت گناہ گار ہیں آپ، میں نماز پڑھتی ہوں چھوڑو مجھے"۔ وہ اس کے بازوؤں میں کسمسائی۔

"ارے گناہ گار بنا دیا ہے تو پھر روزہ خراب کر لوں اور اپنے اوپر کفارہ واجب کر دوں"۔ وہ اس کے چہرے پر جھکا تو وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

"آپ بہت خراب ہیں"۔ دل کی دھڑکنوں کو قابو کرتی وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی اس بندے کا کچھ بھروسہ بھی نہیں تھا۔

وضو کر کے وہ واش روم سے نکلی، تو بیڈ پر اسے نہ پا کے اس نے سکون کا سانس لیا گویا نماز کے لئے چلا گیا بابرکت مہینے کے آغاز میں ہی اماں نے اسے اور عائزہ بھابی کو اچھا خاصا جیب خرچ دے کر عید کی شاپنگ کروا دی تھی ساتھ حمدان اور گھر کے مردوں کی شاپنگ کی گئی کہ روزے کی حالت اور شدید گرمی میں بازار جانا مشکل تھا، سو عبادت میں سکون سے روزے گزر رہے تھے، اس کے میکے والوں نے ان کو افطاری کی دعوت دی تو ساری فیملی نے وہاں افطاری کی یوں تو سب روحان اب باقاعدہ نماز پڑھتا اور تراویح بھی ثوبان اس کا ریکارڈ لگاتا کہ بیوی کے ڈر سے نماز پڑھتے ہو، ورنہ پہلے تو اللہ کا بھی ڈر نہیں تھا۔

"نہیں بیٹا میں تو اللہ سے حمدان کی طرح ایک دن اماں کا فون آیا [illegible] وجہ سے۔ منہ پھٹ تو سدا کا تھا وہ نمل بری طرح سرخ پڑ گئی۔

"اس شخص کا ہر انداز ہی نرالہ ہے زبان نہیں قینچی ہے مجال ہے جو کسی کا ادھار رکھ لے"۔ آج آخری روزہ تھا اماں نے سختی سے اسے ہدایت کی کہ ہاتھوں پہ مہندی ضرور لگانا، عائزہ نے اس کی بہت منت کی کہ وہ چاند رات منانے اس کے اور ثوبان کے ساتھ جائے مگر اس نے سختی سے منع کر دیا روحان کی باہر دوستوں کے ساتھ افطاری تھی آخر کار وہ لوگ حمدان کو اماں کے پاس چھوڑ کے چلے گئے وہ عشاء کی نماز پڑھ کے فارغ ہوئی دعا میں کتنے ہی آنسو ہتھیلی کے کٹوروں پر گرتے رہے دل سخت پر ملال تھا۔

"نہیں لگانی مہندی جب میرے شوہر کو ہی فکر نہیں کہ میری پہلی عید ہے"۔ اس نے غصے میں تکیہ اٹھایا اور صوفے پر آ گئی اور لائٹ بجھا دی دل تو ویسے بھی جل رہا تھا۔ کچھ ٹائم کے بعد روحان آیا اور حیرت سے کمرے کی سچویشن دیکھی پھر چادر اس کے اوپر سے کھینچ لی۔

"اے ہیلو محترمہ! کیا اس نقل مکانی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں"۔ مگر وہ ہنوز پڑی رہی۔

"ارے نمل! تم رو رہی ہو"۔ اس کے ہچکولے کھاتے وجود کو ایک نظر اس نے دیکھا اور پھر بازو سے کھینچ کر بٹھا دیا۔

"ہاں ہاں رو رہی ہوں اور اپنے پھوٹے نصیب کو کہ جس کے شوہر کو اس کا کوئی احساس نہیں ہے جو ہر وقت مجھے تضحیک کا نشانہ بنائے رکھتا ہے اور

ذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، میرا وجود اس کی نظروں میں کھٹکتا ہے۔" وہ بولنے پر آئی تو سو سو کرتی بولتی چلی گئی روحان بغور اس کے چہرے پر پھیلی اذیت کو دیکھ رہا تھا اس کی چھیڑ خانی نمل کو اس سے اس قدر بدظن بھی کر سکتی ہے وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"جانتے ہو میرے بابا بہت اصول پرست اور سخت ہیں بھائی بھی تنگ ذہن اور تنگ نظر ہیں میں نے مرد کو ہمیشہ حاکم دیکھا ہے، اس لئے میں اپنے رب سے ہمیشہ یہ دعا مانگتی تھی کہ میرا نصیب جس سے بھی لکھنا وہ حقیقی معنوں میں میرا لباس ہو، میرا خیر خواہ ہو میرا محافظ ہو، میری روح تک رسائی رکھے میرے گرم و سرد کا ساتھی ہو، میرے سارے موسم اس کی ذات سے وابستہ ہوں، ہر قسم کے حادثات اور خطرات سے مجھے بچا کے لے جائے، شوہر تو بیوی کو نئے ماحول میں ایڈجسٹ کرنے اور اعتماد کی فضا پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے مگر آپ نے تو مجھے عدم اعتماد کا شکار کر دیا، یہ رشتہ تو نکاح کے مضبوط بولوں پہ جڑتا ہے، سنت نبویؐ کے مطابق جڑتا ہے، پھر یہ منافقت سے پاک ہونا چاہئے سمجھوتے کے پیوند سے سجا کوئی رشتہ کبھی بھی دیرپا نہیں ہوتا، اس رشتے کو اعتبار کی آکسیجن اور پھلنے پھولنے کے لئے محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ میرا دل آپ سے بہت بدظن ہو چکا ہے ہمارے معاشرے میں واپسی کی راہ آسان نہیں ورنہ آپ کو مزید دشواریوں سے بچانے کے لئے کب کی یہاں سے چلی جاتی آپ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ میری پسند و ناپسند کیا ہے میں کیا چاہتی ہوں؟ آپ کو لے کر میرے بھی کچھ ارمان ہیں میرے اندر بھی ایک کومل سا دل ہے، اس میں بھی شوہر کے لئے احساسات ہیں آپ کبھی میرے لئے مضبوط ڈھال بن ہی نہیں پاتے اور میں بس کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ادھر ادھر ہی ڈول رہی ہوں،،۔ بولتے بولتے ہی اس کا سانس خشک ہو گیا، باہر اچانک گرج چمک کے ساتھ بارش ہو رہی تھی اور اندر نمل کے بہتے ہوئے آنسوؤں نے گویا ساون کے ساتھ شرط باندھ رکھی تھی اندر کا لاوا باہر نکال کے ابھی بھی اس کی آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگی تھی۔

روحان اپنی بیوی کے الزامات سن کے ہم بخود تھا وہ ٹرانس کی کیفیت سے نکلا تو پانی کا گلاس بھر کے نمل کو تھمایا اور پھر اس کے پاس بیٹھ گیا، وہ جانتا تھا کہ نمل کے دل سے نفرت کا گرد و غبار جتنی جلدی ہٹایا جائے اتنا ہی بہتر ہے ورنہ دیر ہو گئی تو نفرت کا ننھا پودا تناور درخت بھی بن سکتا ہے سو ساری انا پس پشت ڈال کر وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا وہ ابھی بھی ہلکی ہلکی سسکیاں لے رہی تھی پوروں سے آنسو پونچھتے اس نے دھیرے دھیرے بولنا شروع کیا۔

"جانتی ہو نمل میں بہت گناہ گار ہوں، بقول اماں، بہت زبان دراز اور منہ پھٹ ہوں مگر یقین کرو میرا دل میری زبان کے بالکل برعکس ہے میں شادی سے پہلے سوچتا تھا کہ تنہا مسافر اپنی مرضی کی زندگی گزار کے تنہا اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہے کیونکہ اپنی عادت اور زبان درازی کے جوہر سے میں بخوبی واقف ہوں کہ میرے ساتھ کسی کا گزارہ بہت مشکل ہے مگر بابا اور اماں نے مجھے سمجھایا تنہا انسان آسانی سے منزل تک بھی پہنچ سکتا ہے اور تنہا راستے میں آنے والی تمام دشواریوں اور کٹھنائیوں کا مقابلہ بھی کر سکتا ہے موسموں کے دکھ سکھ وہ تنہا جھیل سکتا ہے مگر منزل کی طرف جانے والے کٹھن راستے اور دشواریاں اس کی روح کو آبلہ پا کر دیتی ہیں اور تھکن سے چور جب وہ منزل پا لیتا ہے تو تنہائی نوحہ بن کے اس کے اندر بین کرنے لگتی ہے۔

"جانتی ہو شادی کی پہلی رات ہی میرے دل نے تمہیں اپنا گوہر نایاب مانا تھا تمہارے پیار، خلوص

ملنساری اور عاجزی نے مجھے تمہارا گرویدہ بنالیا، مگر تم مجھ سے کترائی کترائی پھرتیں اور میں پروانوں کی طرح تمہارے اردگرد گھوم کے تمہیں اپنی طرف متوجہ کرتا اور ہاں میرا طریقہ غلط تھا مگر میرے پیار پہ کبھی شک مت کرنا، تم تو میری مشعل راہ ہو جس نے مجھے اپنے رب کے قریب کر دیا، میں ایک پل بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، ہاں مر جاؤں تو پھر جانے کا سوچنا اس سے پہلے بھی اس بات کا تصور بھی مت کرنا"۔ بے ساختہ مل کا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر گیا تھا، جو لمحہ بھر میں اس کے مضبوط اور گرم ہاتھ میں مقید ہوا تھا۔

"تمہاری دل شکنی پہ میں دل سے تم سے معافی مانگتا ہوں، مگر بخدا یہ سچ ہے کہ تم نہ صرف میرا لباس بلکہ روح کا حصہ اور دل کی دھڑکن بھی ہو"۔ رات کی معنی خیزی بارش کی ٹپ ٹپ کھڑکی سے آتی رات کی رانی کی مہک اور سوندھی سوندھی مٹی کی خوشبو عجیب سا سماں پیش کر رہی تھی اور روحان کے دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہوئی آواز اس کے حواس پر چھا رہی تھی، روحان کے ہونٹوں سے نکلتے الفاظ اور اقرار محبت نے اس کو اپنی نظروں میں معتبر کر دیا تھا وہ عجیب طلسمی لمحات کے زیر اثر تھی، چونکی تب جب روحان نے ویلوٹ کی ڈبیہ کھول کے گولڈ کا اسٹائلش سا لاکٹ نکال کے اس کی گردن کی زینت بنایا پھر ڈائلنٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

"ایڈوانس میں جتنی چاہو عیدی لے لو اور ابھی جو میں عیدی وصول کروں گا تو پھر اس پر نخرے مت دکھانا"۔ ایک آنکھ دباتے ہوئے اس نے اس کا ناک اور انگلیوں میں دبایا، تو یک لخت نمل کو شرمندگی نے آ گھیرا، اس کے لفظوں کے تیروں نے مدمقابل کے دل کو کتنا دکھایا اس کی بھیگی آنکھیں گواہ تھیں بے اختیار اس نے ہاتھ جوڑے جو فوراً تھام لیے گئے۔

"تم نے مہندی بھی نہیں لگائی اور کچھ بھی نہیں سیکھا ایسے ہی سسرال آ گئیں"۔ زبان پھسلی مگر ایک دم بریک لگا۔

"سوری یار! پرانی عادت ہے، جاتے جاتے ہی جائے گی"۔ اس نے سر کھجایا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، روحان نے اس کے ہاتھوں پر خود مہندی لگائی اور وہ حیرانی سے خوبصورت نقش نگار کو دیکھتی رہی، البتہ اس کی شوخ نظریں اور ان کی بے باک جسارتیں اسے خود میں سمٹنے پر مجبور کر رہی تھیں راہ فرار نہ پا کر وہ اس کے لمبے چوڑے سینے میں چھپ گئی، غلط فہمیاں ہر رشتے میں جنم لیتی ہیں مگر اسے وقت کے دھارے کے ساتھ پروان چڑھانے کے بجائے فوراً ختم کر دینا چاہئے کہ ابلیس بھی اپنے اس چیلے سے خوش ہوتا ہے اور انعام سے نوازتا ہے جو ابن آدم اور بنت حوا میں پھوٹ ڈلواتا ہے مرد اور عورت نکاح کے شرعی بندھن میں بندھ کے ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم بن جاتے ہیں کائنات کی بقاء ان ہی کی وجہ سے ہے۔

"لکھنے والے نے کیا خوب لکھا ہے کہ تنہا سفر کرنے کے برعکس لمبے سے لمبا سفر کسی بہت اچھے اپنے کے سنگ با آسانی طے کیا جا سکتا ہے ساتھ چلنے والے کی محبت کی ٹھنڈک اور احساسات کی گرمی ہمیں کبھی تھکنے نہیں دیتی وہ ساتھی ہمیں ہر قدم سنبھالے رکھتا ہے محبت کی خوشبو چار سو پھیلی ہماری ہمت کو بڑھاتی رہتی ہے طویل سے طویل سفر بھی محبت کے سائے تلے پلک جھپکتے طے ہو جاتے ہیں"۔ نمل اور روحان کے بیچ بھی ساری کثافتیں دھل چکی تھیں اور بارش کے بعد کا منظر ہمیشہ ہی دلفریب ہوتا ہے سو رات پیار کی معطر رم جھم کی برسات ان کے لئے ساتھ لائی تھی جس میں دونوں کا تن من بھیگ رہا تھا اور نمل کے دل میں روحان کا نام آویزاں تھا، اور صبح عید محبت کے سائے تلے ان کی منتظر تھی۔

☆☆......☆......☆☆



مہرین کنول

افسانہ

عہد سنگ ساون

"اف یہ گرمی! ابتدا ہے یا انتہا، اللہ خیر کرے"۔ پسینے سے شرابور ماہی، ورانی ہاؤس میں داخل ہوئی تھی، سفید کالج یونیفارم کاٹ رہا تھا بیگ صوفے پر ایک طرف پھینکتی نڈھال سی صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھی تھی۔

"ارے اماں! کوئی پانی تو پلا دو"۔ ماہی نے سانس بحال کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا جواب جوتے کے تسمے کھول رہی تھی۔

"یہ لو بیٹا پانی پی لو"۔ پانی سے بھرا گلاس شائستہ بیگم نے ماہی کو پکڑا دیا۔

"بیٹا! تمہارا ابھی سے یہ حال ہو گیا، رمضان شروع ہونے والا ہے، روزے رکھنے کی ہمت ہو تو روزہ رکھنا"۔ شائستہ بیگم کو فکر لاحق ہوئی تھی۔

"اماں! آپ کیوں فکر کرتی ہیں ٹھنڈے پانی سے نہا لیا کروں گی جیسے اب جا رہی ہوں"۔ ہنستے ہوئے ماہی الماری سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد نہا کر ماہی باتھ روم سے نکلی تھی۔

"چچی جان! کون کہتا ہے ساون سے کسی لڑکی کو عشق نہیں، ہر لڑکی ساون کو پسند کرتی ہے چاہے وہ مصنوعی ساون ہو"۔ اس نے ماہی کو دیکھ کر اس کے گیلے بالوں سے ٹپکتی پانی کی بوندوں کی طرف اشارہ کیا، ماہی جھینپ گئی۔

"دیکھو ساون تم مجھ سے زیادہ فری مت ہوا کرو

ورنہ..." ماہی نے اپنا بڑا سا بالوں کا برش تنبیہ کرتے ہوئے دکھایا۔

"میں تو چچی جان سے بات کر رہا ہوں فری آپ ہو رہی ہیں"۔ ساون چہرے پر سنجیدگی اور آنکھوں میں شرارت لیے دوبدو بولا۔

"اچھا تو یہ برش خود ہی خود چل رہا ہے میں تو کچھ نہیں کر رہی"۔

"آ... آ..." ماہی نے برش سے ساون کو مارنا شروع کر دیا۔

"ارے، ارے بیٹا ماہی بہت حد سے بڑھتی جا رہی ہو، تم سے کتنا بڑا ہے ساون"۔ شائستہ بیگم نے ماہی کے کان پکڑے۔

"ہائے امی"۔ دلخراش چیخ سن کر ساون نے چچی سے ماہی کے کان چھڑائے۔

"کوئی بات نہیں چچی جان! بچی ہے جانے دیں"۔ معاملہ گھمبیر ہوتا اس سے پہلے ساون نے شائستہ کو باتوں میں لگا لیا۔

"ہاں تو چچی جان آج شام کو سحری کا سامان لانا ہے لسٹ بتا دیجیے"۔ کن انکھیوں سے ماہی کو دیکھتا ہوا ساون شائستہ سے باتوں میں لگ گیا۔

کان مسلتی ہوئی ماہی کی آنکھوں سے دو موٹی موٹی بوندیں آنسوؤں کی نکل رہی تھیں۔

"میرے نیناں ساون بھادوں
پھر بھی میرا من پیاسا"

ساون گنگناتے ہوئے اس پر چوٹ کر رہا تھا۔

ماہی تپ کر آنسو صاف کرتی ہوئی سرعت سے وہاں سے چلی گئی۔ ساون کا فلک شگاف قہقہہ گونج اٹھا جو ماہی کی سماعتوں سے ٹکرا کر اسے سلگا ہی گیا، اسے نفرت سی محسوس ہونے لگی تھی ساون سے۔

☆..........☆..........☆

درانی صاحب اور انیلا بیگم کا گھر خوشحال گھرانوں میں سے تھا۔ درانی صاحب کے دو بیٹے اسفند درانی اور زریاب درانی تھے۔ اسفند درانی زریاب درانی سے آٹھ سال بڑے تھے پڑھ لکھ کر ایک کامیاب بزنس مین تھے۔ اسی دوران درانی صاحب نے ان کی شادی ماورا سے کر دی جوان کی بہن کی بیٹی تھی۔ ماورا کی ایک اور بہن کنزیٰ سے زریاب کی نسبت طے تھی مگر زریاب اپنی کلاس فیلو شائستہ ہاشمی سے محبت کرتے تھے اور ماں باپ سے بغاوت کر کے شائستہ سے شادی کر لی۔ گھر اور پڑھائی چھوٹ گئی، ایک دوست کے گھر میں رہ رہے تھے جب اسفند درانی اپنے چار سالہ ساون کے ساتھ زریاب کو لینے آئے تھے۔ زریاب اس گھر میں واپس جانے کو تیار نہیں تھے جہاں ان کی ہر خواہش کا احترام کرنے والے ماں باپ نے ان کی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ اپنی بے جا ضد پر ان پر تھوپنا چاہا تھا اور شائستہ کو حقارت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

اسفند درانی نے ہی درانی صاحب کی آخری وصیت بتائی تھی جس کے تحت انہیں اپنی بیوی شائستہ اور چھ ماہ کی ماہی کے ساتھ درانی ہاؤس آنا پڑا تھا۔ وہ اپنی ماں سے دور رہ کر ان کو مزید تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔ انیلا بیگم نے بیٹے بہو اور پوتی کو سینے سے لگا لیا تھا اور ماورا جل بھن گئی تھیں۔

☆..........☆..........☆

"السلام علیکم! کیا ہو رہا ہے جناب؟ ارے یہ بڑی بڑی آنکھیں ساون کیوں چھلکا رہی ہیں"۔ ساون نے لیپ ٹاپ اور فائلز لیے اندر داخل ہوتے ہی سلام کیا اور ماہی پر نظر پڑی جو پیاز کاٹ رہی تھی جسے دیکھ کر اسے خوشگوار سی حیرت نے گھیر لیا، ماہی کچھ الجھن سی محسوس کرنے لگی تھی۔

"آپ کو عقل کے ناخن لینے چاہئیں، میں رو نہیں رہی پیاز کاٹنے سے آنکھوں سے پانی بہہ ہی جاتا ہے"۔ ماہی نے غصے سے کہا۔

''توبہ ہے اس لڑکی کو ذرا تمیز نہیں، میرا بیٹا اس سے بڑا ہے اور اس کا ذرا ادب و احترام نہیں کرتی، اب بھی محترمہ بدتمیزی سے باز نہیں آ رہی ہے''۔ ماورا تائی آلو، پالک، بینگن اور ہری مرچیں ماہی سے کٹوانے کے لئے یہیں آ رہی تھیں، ماہی کو ساون پر بڑبڑاتے ہوئے سنا تو ماہی کو کھری کھری سنا کر حد سے تجاوز کر گئیں۔

''شائستہ نے کوئی تمیز نہیں سکھائی تمہیں، گھر داری پر توجہ دو اور بڑوں کا کچھ ادب و احترام سیکھو''۔ ماورا نے ماہی کی درگت بنانے کی ٹھان لی تھی جیسے۔

''تائی امی! مجھے جو بولنا ہے بولئے مگر میری ماں کے بارے میں آئندہ سے کچھ نہیں کہیے گا۔ آپ کی تربیت میں کمی کی مثال آپ کا بیٹا ہے انہیں ان کی حدود سمجھا دیجئے''۔ وہ غصے سے بولی اور وہ بڑے اشتیاق سے اپنی ماں اور ماہی کو دیکھ رہا تھا۔

''دیکھا کتنی لمبی زبان ہے اس کی اور تم ایسے کیا دیکھ رہے ہو''۔ ماورا نے ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہوئے ساون سے کہا۔

''دیکھ رہا ہوں جیسے ساس بہو کی ابھی سے لڑائی کی پریکٹس ہو رہی ہو''۔ ماورا کے خاک پلے پڑا تھا۔

''اپنی سوچ کے پر ان خوابوں تک اڑاؤ جو بلندی کو چھو سکیں، ورنہ منہ کے بل گرو گے''۔ ماہی نے طنز کیا۔

''ٹھیک ہی کہا میرے بیٹے نے، لڑاکا بہو بننے کی ابھی سے پریکٹس کر رہی ہو، پتہ نہیں کس کا گھر اجاڑنے جائے گی''۔ ماورا ماہی کو تاؤ دلا رہی تھیں۔

''امی جان! یہ تو کہیں نہیں جائے گی یہیں رہے گی ہمیشہ''۔ ماہی کی سماعت سن ہو گئی اور وہاں سے جانا چاہا مگر غیر معمولی شور سنتی ہوئی شائستہ کچن سے یہاں آ گئی تھیں۔

''کیا مطلب ہے تمہارا اس کے یہاں ہمیشہ رہنے سے؟'' ساون بوکھلا گیا اور پھر سنبھلتے ہوئے بولا۔

''بھئی کون چھوہڑ اور نکمی لڑکی کو بیاہے گا''۔ کہہ کر اس کی ہنسی چھوٹ گئی جو ہاتھوں سے اس کا منہ کٹ کھنی بلی کی طرح نوچنا چاہ رہی تھی مگر شائستہ نے اس کو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''ماہی! میں نے کتنی مرتبہ سمجھایا ہے بڑوں سے تمیز سے بات کیا کرو''۔ شائستہ نے ڈپٹ کر کہا۔

''امی! لڑائی انہوں نے شروع کی تھی میں نے نہیں''۔ ماہی شائستہ کے سامنے تھوڑی نرم پڑ گئی۔

''ابھی روزے کا خیال کر رہی ہوں ورنہ ایک تھپڑ کھا لیتیں تم مجھ سے''۔ ماہی روہانسی وہاں سے چلی گئی۔

''بھابی! معاف کیجئے گا بچی ہے گرمی بھی تو شدت کی ہے اور روزے سے ہے''۔ شائستہ نے بات ختم کرنا چاہی۔

''بھئی یہاں ہر کوئی روزے رکھتا ہے اور تمہاری بیٹی کے دماغ میں گرمی ہے تو میرے بیٹے پر کیوں گرم ہوتی ہے، اس کے سر پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا کرو اگر روزہ لگ رہا ہے اسے''۔ ماورا ناگواری سے کہتے ہوئے چلی گئیں۔

''چچی جان! معاف کیجئے گا میں تو مذاق کر رہا تھا''۔ ساون نے چچی کی آنکھوں میں آئے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ شائستہ بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسکرا دیں۔

☆............☆............☆

''ہائے کتنی گرمی ہے جو شدت ہی پکڑ رہی ہے، روزہ بھی ہے، امی کیا کروں؟'' ماہی پسینے سے شرابور ہانپ رہی تھی۔

''بیٹا! توبہ کرو اللہ سے۔ روزہ تم پر آفت نہیں ہے یہ تو آزمائش ہے اس پر صبر سے کام لو، اللہ کا نام لو''۔ اے سی کی کولنگ بھی کم پڑ رہی تھی۔

''یا اللہ! بارش برسا دے، پلیز یا اللہ اپنی رحمت برسا دے، ایسی رحمت جو زحمت نہ بنے، اپنی رحمت کی بارش برسا دے جو گرمی کا زور توڑ دے، کتنے ہی معصوم بچے، بوڑھے، جوان اس گرمی کی شدت میں روزے سے ہیں، جن کے پاس روزہ کھولنے کے لئے کھجور اور پانی کا انتظام بھی مشکل سے ہوتا ہے اور ایسے لوگ بھی ہیں جن پر سایہ کرنے والی دھوپ سے بچاتی چھت نہیں، تو تو ہر عالم کا مالک ہے سب جانتا ہے سب پر رحم کر دے، بارش برسا دے''۔ ماہی زاروقطار رو رو کے دعائیں مانگ رہی تھی۔

ساون، اسفند، زریاب، شائستہ، انیلا سب اپنی اپنی حالت بھول کر ماہی کی فکر کر رہے تھے۔

''بیٹا! حوصلہ رکھو، بارش بھی ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی برداشت سے زیادہ نہیں آزماتا، اس کا شکر ادا کرو''۔ شائستہ نے سمجھایا اور انیلا افسردگی سے اپنی پوتی کو دیکھ رہی تھیں۔

اللہ اللہ کر کے مغرب ہوئی، سب نے اذان کی آواز سن کر افطار کیا، ماہی مشروب پر ٹوٹ پڑی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد گھر کے سب ہی افراد چھت پر موجود تھے، ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں مگر فرش گرم تھا حالانکہ شائستہ نے پانی کا چھڑکاؤ کیا تھا۔

''بھئی اب تم تینوں آفس مت جایا کرو، روپے، پیسے کی ہمارے گھر میں کوئی کمی تو نہیں اور زریاب بیٹا تم تو اس گرمی میں ذرا بھی احتیاط نہیں کرتے، مجھے تو فکر ستانے لگتی ہے''۔ انیلا بیگم نے ساون، اسفند اور زریاب کو آفس جانے سے روک لیا تھا جب تک رمضان خیر سے نہ گزر جاتا۔ زریاب چونکہ ہارٹ پیشنٹ تھے اور ضدی تھے سو انہیں خاص طور پر تنبیہ کی تھی۔ ماہی کو اپنی دادی جان پر پیار آیا تھا، کتنی اچھی تھیں اس کی دادی جو اس کے باپ اور ماں کا خیال رکھتی تھیں، انہوں نے بہوؤں میں کبھی کوئی فرق نہیں کیا تھا۔

''بھئی دادی جان! برا نہ مانیں میں تو آفس ضرور جاؤں گا ورنہ بزنس چوپٹ ہو جائے گا اور گرمی کی فکر نہ کریں، آفس کے ہر روم میں اے سی لگا ہوا ہے''۔ ساون بولا تھا۔

''ہاں امی جان! ساون بہت ایکٹو اور صبر والا بچہ ہے، آخر کو سب کچھ اسی کا تو ہے، بزنس کی باگ ڈور اسے ہی تو سنبھالنی ہے''۔ اسفند درانی نے ماں کو بتایا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی صاحب، امی جان ساون تو اس گھر کا بیٹا ہے ہمارا وارث''۔ زریاب نے بھی تائید کی تھی۔ مادرا خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھیں جبکہ ماہی کو آگ ہی لگ گئی تھی۔

''اس گھر میں میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ساون کا، اگر یہ اکلوتا بیٹا ہے اس گھر کا تو اکلوتی بیٹی ہوں میں اس گھر کی۔ ساون مجھے دولت کی ہوس نہیں مگر تمہیں میں یہ جائیداد اکیلے ہڑپ کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی''۔ وہ نفرت سے سوچتی وہاں سے چلی گئی۔

☆..........☆..........☆

''آج سے میں آفس جانا شروع کر دوں گی''۔ روزہ رکھنے کے بعد صبح ماہی نے سب پر دھماکہ خیز انکشاف کیا تھا۔

''بیٹا! روزے میں مذاق نہیں کرتے، یہ جھوٹ ہوتا ہے''۔ شائستہ نے سب کے چہرے پڑھ لئے تھے اس لئے اس کی بات سنبھالتے ہوئے بولی تھیں۔

''امی! میں مذاق نہیں کر رہی، میں آفس کی باگ ڈور سنبھالنا چاہتی ہوں، ہمارے دادا کی ملکیت کو نمبر ون پوزیشن میں لانا چاہتی ہوں''۔

''بھئی پہلے اپنی پوزیشن تو ٹھیک کر لو، روزے تو

برداشت نہیں ہو رہے اور ہمارے گھر کی بیٹیاں بزنس میں دخل نہیں دیتیں، یہ مردوں کے کام ہوتے ہیں"۔ ماورا کو اشتعال آیا تھا۔

"یہ لڑکی تو اپنا حق تک مانگنے پر اتر سکتی ہے"۔ انہوں نے نفرت سے سوچا۔

"ماہی تم نے سوچا بھی کیسے؟ مجھے شرمندہ کیا ہے آج تم نے یہ بات کہہ کر"۔ زریاب اپ سیٹ ہو گئے تھے، انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

"زریاب! ماہی تو نادان ہے"۔ اسفند تایا نے مسئلہ گھمبیر شکل اختیار کرنے سے روکا تھا۔

"ارے لڑکی کے ہاتھ پیلے کریں بھائی صاحب، اس عید پر میں تو ساون کا نکاح اپنی بہن کی بیٹی تحریم سے طے کر چکی ہوں"۔ ماورا کا یہ انکشاف تجلی بن کر ساون کے سر پر گرا تھا۔

"امی! میں یہ نکاح نہیں کروں گا اپنی مرضی کے خلاف"۔ ساون بولا۔

"بیٹا اگر تمہیں کوئی اور پسند ہے تو بتا دو"۔ ماورا شش و پنج میں پڑ گئی تھیں۔

"مجھے ماہی پسند ہے"۔ ساون نے ماہی کو دیکھ کر کہا تھا۔

"لیکن بیٹا..." ماورا نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے ہی تھے کہ ماہی چلا اٹھی۔

"میں ساون سے ہرگز ہرگز شادی نہیں کروں گی"۔

"دیکھا میں جانتی تھی یہ ساون اس کو ایک آنکھ نہیں بھاتا، اسی لیے میں نے شائستہ کے آگے دامن نہیں پھیلایا، میں تو چاہتی تھی گھر کی بیٹی گھر میں ہی رہے"۔ ماورا نے چالاکی و ہوشیاری سے اپنے آپ کو صاف رکھا کیونکہ ماہی خود ہی ان کے بیٹے میں دلچسپی نہیں لے رہی تھی اور وہ بھی چاہتی تھیں۔ شائستہ نے کنزیٰ کی جگہ لے کر جو برچھی ان کے دل پر ماری تھی وہ تحریم کے ساتھ ساون کی شادی کر کے دراصل اپنے دل کے زخم پر مرہم رکھنا چاہتی تھیں۔

"بھابی! آپ فکر نہ کریں ماہی آپ کی ہی بہو بنے گی، اس کو تو میں ٹھیک کروں گی"۔ شائستہ نے ماہی کے سر پر چپت ماری تھی، ماورا تو گھبرا ہی گئیں۔

"امی! آپ دنیا میں کسی سے بھی میری شادی کر دیجیے مگر ساون سے نہیں"۔ ماہی نے ساون کے خلاف محاذ کھڑا کر دیا تھا۔ ماورا کے دل کو قرار مل رہا تھا، ساون اسے حیرت سے اور دادی تاسف سے دیکھ رہی تھیں۔

☆..........☆..........☆

"چھاجوں مینہ، برسات، بارش، بوندا باندی، ساون کی پھوار۔ آج ایک ایک لفظ کی قدر ہوتی ہے چہرے پر پڑتی ٹھنڈی ٹھنڈی بارش کے پانی کی پھوار آج بھی محسوس ہوتی ہے اس گرمی میں..." وہ اس کی ڈائری پڑھ کر مسکرایا تھا جو کرسی کی پشت پر سر ٹکائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ جس نے اسے ٹھکرایا تھا اور ماورا نے اسی بات کو دل سے لگا کر رونا پیٹنا ڈال دیا تھا اور اسے ماں کے آگے سر خم کرنا پڑا تھا مگر دل تھا کہ اس کی طرف ہی مائل ہوتا اسے اس کے پاس لے آتا۔ آج آخری شرارت کرنے کو دل نے اکسایا تھا، تبھی پاس پڑے ٹھنڈے پانی کے جگ سے پانی کی چھینٹیں اس کے صبیح چہرے پہ ماری تھیں، ماہی ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

"ساون کی پھوار کو ترس رہی تھیں، اس لیے یہ گستاخی کی ہے آخری بار"۔ ماہی نے جگ اس کے ہاتھوں سے لے کر اس کے سر پر انڈیل دیا اور وہاں سے بنا کچھ کہے چلی گئی۔

ساون کا رواں رواں اس کی محبت میں بھیگا ہوا تھا، اور اب آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں کے گرد اچانک اندھیرا سا چھا گیا تھا، ہر چیز

معدوم ہوگئی تھی گویا۔ تین دن سے بستر سے لگا ہوا تھا اسے کچھ ہوش نہیں تھا، چاند رات آگئی تھی، ماہی کو ہر کوئی کیا کچھ نہ سنا رہا تھا۔

''کٹھور، ضدی، ہٹ دھرم، کسی کے دل کا کوئی احساس نہیں''۔

''بیٹا مجھے معاف کر دینا مگر میرے بیٹے کو جھوٹا ہی دلاسہ دے دو، وہ تمہاری جدائی کا سوچ کر صدمہ لے بیٹھا ہے''۔ ماورا پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ ماہی نے کہیں سنا تھا کہ شادی اس سے مت کرنا جسے تم چاہو بلکہ اس سے کرو جو تمہیں چاہے۔ اس نے تو کسی کو نہیں چاہا تھا مگر چاہے جانے کا احساس اس کے دل کو عجیب لے پر دھڑکا رہا تھا، وہ اسے سوچنے پر مجبور ہوگئی تھی، کیا برائی تھی ساون میں، خوبصورت، وجیہہ شخصیت، ستواں ناک، کالی گہری چمکتی آنکھیں جو شرارت کا عکس لئے اسے دیکھتی رہتیں۔

''اگر ان آنکھوں کا دیا بجھ گیا تو... نہیں نہیں''۔ سوچ کر ہی اس کے بدن نے جھرجھری لی تھی اور وہ شائستہ کے پاس گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

''بیٹا تمہاری مرضی کے خلاف تمہاری شادی نہیں ہوگی، ماہی تمہارے لئے ہی بنی ہے''۔ دور سے میٹھی میٹھی پھوار سی ماں کی صدا سنائی دے رہی تھی۔

ساون کو ہوش آگیا تھا، وہ پہلے سے بہتر محسوس کر رہا تھا۔

بادلوں کی گڑگڑاہٹ کی آواز آ رہی تھی، عید کی خوشی میں بادلوں نے میلہ لگایا تھا۔ ساون، اسفند، زریاب نماز ادا کرنے مسجد چلے گئے تھے۔ نہا دھو کر خوبصورت شلوار سوٹ زیب تن کئے ہوئے تھے۔ ماورا، شائستہ، انیلا صدقے واری جا رہی تھیں ساون کو دیکھ دیکھ کر۔

ماہی نے نہا دھو کر خوبصورت سی بائیس کلیوں والی فیروزی اور سفید رنگ کے امتزاج کی فراک پہنی ہوئی تھی جن پر ہم رنگ نگینے جڑے تھے، جھمکے، سہارے پہنے، مہندی لگے ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے، بالوں کا جوڑا بنایا۔

گھن گرج کے ساتھ بادل برسنا شروع ہوگئے تھے۔ وہ سیدھی پائل چھنکاتی چھت پر آگئی تھی۔ چھاجوں مینہ برس رہا تھا، اس نے ہاتھ پھیلا کر آنکھیں موند لیں اور چہرہ آسمان کی طرف کر دیا۔

''آہم...'' ساون نے ہنکارا بھرا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔

''عید مبارک ماہی!'' سونے کے کنگن اس کی طرف بڑھاتا ہوا ساون سنجیدگی سے بولا۔

''آپ کو بھی''۔ ماہی نے کنگن قبول کرتے ہوئے آنکھیں شرم سے جھکالی تھیں۔

''میں نے بڑوں سے سنا ہے آج شام کو ہمارا نکاح ہے، کیا تم خوش ہو، میرا مطلب ہے تم پر دباؤ تو نہیں''۔ ماہی ساون کی سادگی و معصومیت پر ہنس پڑی۔

''ٹپ، ٹپ، ٹپ، سن رہے ہو، رم جھم برستا ساون کا موسم آگیا ہے کتنی رحمت برس رہی ہے اس عید پر''۔

''اور تمہاری زندگی میں ساون کی اہمیت کچھ زیادہ نہیں ہے''۔ ساون نے معنی خیزی سے ماہی کو دیکھ کر کہا اور اس کے ہاتھ تھام لئے۔

''عید سنگ ساون مناؤ''۔ ماہی کو اب اندازہ ہوا تھا کہ جو پانی کی چھینٹیں اس کے چہرے پر ساون نے ماری تھیں وہ یوں عید پر محبت بن کر اس کی زندگی میں برسنا شروع ہوں گی۔

وہ ہاتھ چھڑا کر نیچے بھاگی تھی، وہ بھی اس کے پیچھے لپکا تھا، ان کے نکاح کی تیاری جو ہو رہی تھی۔

☆..........☆..........☆

سعدیہ اقبال

افسانہ

میٹھی عید کا عہد

"عاشی! میری بات سمجھتی کیوں نہیں ہو، کتنی بار کہا ہے اگر ہمسفر اچھا اور یقین و محبت کرنے والا ہو تو زندگی سہل ہو جاتی ہے، پھر باقی سب کیسے ہیں ان باتوں سے فرق کم پڑتا ہے۔" امی کی نصیحت عائشہ کو ذرا پسند نہ آئی۔

جبکہ عائشہ کی سوچ بالکل الگ تھی، اس کے مطابق ساس، سسر، نندوں، دیوروں کو بھی پرفیکٹ ہونا چاہیے، کیونکہ اسے رہنا تو انہی کے ساتھ تھا مگر ہائے ری قسمت کیا کہیے ہر بار مہربانی تو نہیں کرتی۔

اس کا ادراک عائشہ کو شادی کے ایک مہینے بعد ہو چکا تھا، جب ساس سسر کے برے رویے اس پر آشکار ہوئے، ساس صاحبہ کو تو کچھ خاص بیر تھا عائشہ سے ہر کام میں نقص نکالنا، طعنے دینا، اس کی خدمت گزاری کو کسی کھاتے میں نہ لانا ساس کا شیوہ تھا اور تب عائشہ کو اپنی سوچ بالکل درست لگتی، وہ تمام دن کڑھتی رہتی۔

اور انہی الجھنوں میں پھنس کر وہ فیضان (شوہر) کی محبت، لگاوٹ اور یقین کو سمجھ نہ پائی، بس سارا دن دماغ میں یہی سوال گردش کرتا کیا ہو جاتا اگر سسرال والے اس سے محبت کرتے، اس کے محنت سے بنائے کھانے کی تعریفیں کرتے مگر مجال ہو جو ساس کبھی راضی ہوئی ہوں، ہر وقت طنز کے نشتر چلاتی رہتیں اور عائشہ کی سوچ کا دھارا وہیں کا ہو کر رہ جاتا، باقی وہ کچھ نہ سوچتی نہ دھیان دیتی۔

اسی کشمکش میں دو سال گزر گئے، اللہ نے عائشہ کو ایک خوبصورت بیٹے سے نوازا تھا، تاہم ساس کا رویہ آج بھی ویسا تھا کیونکہ وہ فیضان کی پسند تھی۔

☆......☆......☆

رمضان شریف شروع ہو چکے تھے، دن رات روزے کی حالت میں کام کرنا، بچے کو سنبھالنا عائشہ تھک جاتی، اوپر سے ساس صاحبہ بھی کسی بچے سے کم نہ تھیں۔

ابھی بھی وہ کچن میں کھڑی ساس کیلئے کھانا تیار کر رہی تھی بقول ساس کے "میں بیمار ہوں لہٰذا میں روزے نہیں رکھ سکتی، کھانا ٹائم پر ملنا چاہیے"۔ اچانک سوچ کی گاڑی رکی۔

"دھڑام..." کی آواز کے ساتھ فرحان کے بری طرح رونے کی آواز آئی، عائشہ ہڑبڑا کر کچن سے بھاگی۔

فرحان نا جانے کب نیند سے جاگ کر بیڈ سے اوندھے منہ گرا تھا اس کے ماتھے اور ناک پر لگی تھی، خون بہنے لگا، عائشہ کی جان نکل گئی، تبھی ساس اندر آئیں۔

"ارے گرا دیا منے کو، سارا دن منحوس کو ادھر اُدھر پھرنے سے فرصت ملے تو منے کا دھیان رکھے ناں"۔ ساس چلائیں۔

عائشہ نے چادر لی اور فرحان کو اٹھائے بھاگتی ہوئی ساتھ والے کلینک پر آ گئی اور خود بھی رونے لگی، ڈاکٹر نے فرحان کی پٹی کی اور تسلی دے کر گھر بھیج دیا، گھر آ کر سسر کی لعنت ملامت سن کر وہ کمرے میں بند ہو گئی، کچھ دیر میں فرحان پھر گہری نیند سو گیا۔

عائشہ گھبرائی ہوئی تھی، سارا دن رہ رہ کر ہولتی رہی کہ اب فیضان کو کیا جواب دے گی؟ فرحان میں جان تھی فیضان کی،



اس کے معاملے میں قطعی لاپرواہی پسند نہیں کرتا تھا وہ، اوپر سے ساس صاحبہ کی شکایتوں کی لمبی فہرست تھی۔

☆..........☆..........☆

پانچ بجے فیضان گھر میں داخل ہوا۔

"السلام علیکم!" وہ ماں کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"ارے سلام چھوڑ اپنی بیوی کے کارنامے سن، آج اگر میں نہ ہوتی ناں تو نا جانے کیا ہوتا میرے فرحان کا"۔

فرحان کا نام سنتے ہی وہ کمرے کی طرف بھاگا، زرینہ بیگم آگ لگا کر مطمئن ہوگئی تھیں۔

"فرحان کیا ہوا؟" کمرے میں آتے ہی اسے فرحان بیڈ پر سکون سے سویا ہوا ملا، ایک نظر اس کی پٹی اور سوجی ہوئی ناک پر ڈال کر اس نے عائشہ کی روئی صورت کی جانب دیکھا۔

"وہ... فیضان میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا"۔ عائشہ کانپ رہی تھی۔

آگے بڑھ کر فیضان نے اسے گلے لگا لیا، اسے یکدم عائشہ کی حالت پر ترس آ گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں میری جان! کوئی ماں جان بوجھ کر تھوڑی اپنے بچوں کو نقصان پہنچاتی ہے، اماں تو بڑی ہیں فکرمند ہو گئیں ہوں گی، تم تو میری پرفیکٹ بیوی ہو، جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو میری لائف خوشحال ہوگئی ہے، مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے، چلو رونا بند کرو"۔ وہ مسکرایا۔

"کل چاندرات ہے، تمہیں شاپنگ بھی نہیں کروائی میں نے اب تک، جاؤ جا کر تیار ہو جاؤ افطاری بھی باہر کریں گے"۔ اتنا کہہ کر وہ فرحان پر جھک کر اس کا بوسہ لینے لگا۔

عائشہ مسکراتی نظروں سے اپنے اتنے پیار کرنے والے ہمسفر کو دیکھتی رہی، اس کی محبت بھری باتوں نے عائشہ کے جلتے وجود پر ٹھنڈی پھوار ڈال دی تھی اور وہ کچھ دیر پہلے والا اپنی ساس کا کڑوا رویہ فراموش کر چکی تھی، آج اسے امی کی بات سو فیصد سچ لگی تھی اور اپنی سوچ غلط۔ اس عید پر اب وہ ایک نئی زندگی کا آغاز کرے گی، اپنے ہمسفر کی محبت اور اعتماد کے سنگ۔

☆..........☆..........☆

رابعہ ولی

عید ملن



افطاری کے بعد وہ چائے پی کے کمرے میں آچکے تھے منور کتاب میں سر دیئے جبکہ شاہ زمان لیپ ٹاپ پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

''یار! آج بہت تھکان محسوس ہو رہی ہے، لائٹ آف کردے ورنہ مجھے نیند نہیں آنے گی''۔ منور کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر سیدھا لیٹ گیا۔

''ہاں یار! بس تھوڑا سا کام ہے، تم سو جاؤ میں آتا ہوں''۔ وہ نظریں ہنوز اسکرین پر جمائے بول رہا تھا، وہ آہ بھر کر اٹھ بیٹھا۔

''پچھلے ایک گھنٹے سے یہی سن رہا ہوں، کراچی سے سکھر تک کا سفر طے کر کے آئے ہیں، تھکن سے چور ہوں اوپر سے چند گھنٹوں بعد پھر سے اٹھنا پڑے گا سحری کے لئے سوجا میرے باپ''۔ اب وہ باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہا تھا، وہ اسکرین فولڈ کر کے چیئر اس کی سمت گھما کر بولا۔

''لیکن مجھے تو ابھی تجھ سے تیرے گاؤں کے بارے میں بہت کچھ پوچھنا ہے''۔ اس کے بولتے ہی وہ جمائی لے کر پھر سے لیٹ گیا پر اب کی بار سیدھا نہیں الٹا لیٹا تھا شاہ زمان جواب نہ ملنے پر اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆☆

''یہ تیرے آنے کا ٹائم ہے، کہاں تھی اب تک''۔ وہ اس پر ٹوٹ پڑی۔

''بھابھی! آج حویلی میں منور بابو کے ساتھ کوئی شہری بابو آیا تھا کام بہت زیادہ تھا اس لئے دیر ہوگئی''۔ وہ ہکلاتی ہوئی صفائیاں پیش کرنے لگی۔

''ماروی! میرا دماغ نہ خراب کر، تیری مائی اور بابا سائیں تجھے میرے متھے مار کر چلے گئے اب میری عزت کی لاج رکھ لے تیرا ادا پیر توڑ دے گا تیرے''۔ وہ منہ جھٹک کر روانہ ہوگئی وہ بھی اس کے پیچھے ہو لی صحن میں تین چار پائیاں بچھی ہوئی تھیں جن میں سے ایک پر ادا دوسری پر بھابھی اور تیسری پر بھابی کے تین بچے ڈیرہ جمائے سو رہے تھے وہ چادر زمین پر بچھا کر لیٹ گئی اور سر بازو پر ٹکا دیا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا سحری کے لئے بھی اٹھ کر کھانا تیار کرنا تھا اور پھر صبح حویلی جانا وہ گہری سانس ہوا میں خارج کر کے بازو کی پشت سے آنکھوں کے نم گوشے صاف کرنے لگی دکھ اور تاسف دل میں امڈ آیا اک بات جیسے ہوا کی مانند نکل کر ہوا میں تحلیل ہو گئی۔

''بابے رخ قسمت۔''

☆☆☆☆

شاہ زمان اور منور میڈیکل کے فورتھ ایئر کے طالب علم تھے تین سالوں سے منور ہر رمضان کو شاہ زمان کے گھر ہوتا، پر اب کی بار معاملہ اس کے برعکس تھا کیونکہ اس بار شاہ زمان وڈے سائیں کی حویلی یعنی منور کے گھر آیا تھا وڈے سائیں اور شاہ زمان کے والد آرمی ریٹائرڈ آفیسر جواب اپنا بزنس سنبھال رہے تھے میں گہری اور پرانی دوستی تھی، دونوں کی خواہش تھی کہ اپنے بیٹوں کو ڈاکٹر بنائیں اور دونوں ہی اس پر عمل پیرا بھی تھے شاہ زمان اور منور کو رمضان میں انجوائے کرنے کا خیال آیا تو نکل پڑے سکھر ٹور پر''بقول ان کے کہ مزہ تو تب آتا ہے جب مل جاتی ہیں چھٹیاں، رمضان، دیہات اور کسان''۔

وہ دونوں ایک ہی کتاب پر جھکے پڑھ رہے تھے، سحری کے بعد نماز پڑھ کر وہ پڑھنے میں مگن ہو گئے تھے، نیم وا کھڑکی کے باہر اندھیرا اور اجالے کا ملا جلا منظر تھا جب اس کی چھینک پر وہ چونک پڑا۔

''کیا کر رہا ہے یار! کیوں خوامخواہ مجھ پر پھوار برسا رہا ہے''۔ شاہ زمان اپنا آستین دوسرے آستین سے رگڑتے ہوئے بولا۔

''اچھا صبر کر''۔ وہ ناک صاف کرنے کی غرض سے اس کی پینٹ کی جانب بڑھ رہا تھا وہ بدک کر پیچھے ہٹ گیا اور پھر کمرے کی فضاء میں قہقہہ گونجا وہ ناک آستین سے رگڑ کر پھر سے کتاب پر جھک گیا وہ بھی اس کے قریب آ بیٹھا۔

''منور وہ لڑکی کون ہے؟'' وہ پوچھنے لگا۔
''ماروی''۔ وہ جھٹ سے بولا۔
''تجھے کیسے پتہ چلا کہ میں اس کے بارے میں پوچھ رہا ہوں؟'' وہ حیران ہوا تھا۔
''تیری آنکھوں کی تاک سے بے شرم وڈے سائیں کے سامنے تو شرم کرلیا کر، اور ویسے بھی وہ تیرے چکر میں نہیں پھنسنے والی سمجھے''۔
''تو میں نے کب کہا کہ میں اسے اپنے چکر میں پھنسانا چاہتا ہوں اس کے آگے بھی تو کچھ ہوتا ہے،،۔ وہ دبی مسکراہٹ کے ساتھ بول رہا تھا۔
''ڈیاٹ..... یو مین لو''۔ منور کی آنکھیں پوری کی پوری باہر نکل چکی تھیں گویا ابھی زمین پر گر پڑیں گی۔
''ہوں''۔ وہ تحمل سے بولا۔
''بٹ اٹ ناٹ پوسیبل، وہ ایک ان پڑھ لڑکی ہے''۔
''یار پلیز! دل یہ باتیں نہیں سوچتا بتا کچھ اس کے بارے میں۔
''ہوں، جو آدمی ہمیں پک کرنے آیا تھا وہ اس لڑکی کا بھائی ہے، وہ ایک یتیم لڑکی ہے اور ہماری حویلی میں کام کرتی ہے اس کی بھابی کا رویہ اس سے بہت بدتر ہے یہ سب مجھے روشنی (منور کی بہن) نے بتایا ہے، اگر وہ لڑکی مان بھی گئی تو تم دونوں کا رشتہ کیسے ہوگا؟''
''کیا اس لڑکی کا بھائی وڈے سائیں کی بات مانے گا؟'' وہ پوچھنے لگا۔
''آنکھیں بند کر کے''۔
''پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، ابا وڈے سائیں سے بات کریں گے اور وہ ماروی کے بھائی سے''۔ وہ خوشی سے نہال ہو رہا تھا۔
''ٹھیک ہے، ویسے شاپنگ پہ کب جانا ہے، تین دن رہ گئے ہیں اور ہاں اس بار تو سندھی ٹوپی اور اجرک ضرور لے گا''۔ وہ اس کا شانہ تھپتھپانے لگا۔
''وائے ناٹ''۔ وہ مسکرایا۔
''دل بہت خفا خفا سا ہے، رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ گزر جائے گا اور پھر ایک سال بعد آئے گا،،۔ وہ اپنی بات پر زور دے کر بولا۔
''ہوں.....'' وہ بھی نظریں زمین پر ٹکائے اداس سا ہو گیا۔

☆☆☆☆

رمضان کا روحانیت سے بھرپور مہینہ گزر گیا، اور عید کا چاند اپنی تمام تر رعنائیاں لئے ایک خوشی کی لہر کے ساتھ نمودار ہوا، سب کے چہرے کھل اٹھے وہ کراچی میں ہوتا تو ایکدم کسی مارکیٹ کا رخ کرتا جو کھچا کھچ لوگوں سے بھری ہوتی شاپنگ تو انہوں نے کر لی تھی لیکن حویلی کی رونق بھی عروج پر تھی ساری حویلی کو باہر سے برقی قمقموں جبکہ اندر سے پھولوں سے سجایا جا رہا تھا تقریباً تمام ہی لوگ مصروف تھے اور جو کام نہیں کر رہے تھے وہ ناچنے میں مشغول تھے جو گیت ان کے ہونٹوں پر تھا وہ شاہ زمان کے سمجھ سے بالکل بالاتر تھا، مسکراہٹ اس کے چہرے پر رقصاں تھی وہ آہنی دروازہ عبور کرتا ہوا آگے بڑھ گیا سامنے پرانے کپڑوں میں ملبوس لڑکی پر اس کی نظر ٹھہر گئی، جو دیوار میں کیل ٹھونک کر اس پر پھولوں کی لڑی لگا رہی تھی۔
''یہ یقیناً ماروی ہے،،۔ سوچتے ہوئے وہ آگے بڑھا اتنے دنوں سے جو بات وہ چاہ کے بھی نہیں کہہ پا رہا تھا کم از کم آج کہنے کے موڈ میں تھا۔
''ماروی''۔ اس کی آواز پر وہ مڑی من موہنے نقوش والی سانولی سی لڑکی بڑی بڑی سی اداس آنکھیں شاہ زمان کو دیکھ کر جھک گئیں۔ پیروں میں پلاسٹک کی چپل اور ہاتھوں میں بڑے بڑے پلاسٹک کی کڑے، خوبصورت پر غربت کا بیان دے رہی تھی۔
''ماروی کئی دنوں کی کوشش کے بعد اب میں تم سے وہ بات کہنے جا رہا ہوں جو میرے دل میں ہے''۔ وہ سبھاؤ سے بولا۔
''زندگی گزارنے کے لئے ایک ہمسفر کی

ضرورت ہوتی ہے اور بہتر ہوتا ہے کہ جسے دل چنے ہم اسی کو شریک سفر بنالیں اس وقت میرا دل تمہاری گواہی دے رہا ہے میں تمہیں اپنی عزت بنانا چاہتا ہوں پلیز انکار مت کرنا''۔ وہ بھرپور نظروں سے ڈری سہمی انگلیاں مروڑتی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

''نن...... نہیں...... میں آپ سے شادی نہیں کرسکتی''۔ وہ ہچکچا رہی تھی۔

''کیوں کیا کمی ہے مجھ میں؟'' وہ بے چین ہوا تھا۔

''آپ میں کوئی کمی نہیں ہے کمیاں تو مجھ میں ہیں آپ جانیں گے تو خود ہی پیچھے ہٹ جائیں گے''۔

''میں سب جانتا ہوں اور پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے اب میرے دل کی سرزمین پر تم قدم رکھ چکی ہو، جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے چاروں طرف فلک بوس دیواریں حائل ہو چکی ہیں میں محبت کے راستے تمہارے چہرے کا طواف کر چکا ہوں،،۔ انسیت اور اپنائیت آمیز لہجہ اسے موم کی مانند پگھلا رہا تھا پینٹ کی جیب میں سے چمکتے خوبصورت وائٹ کڑے نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

''اگر جواب ہاں میں ہے تو کل اسے پہن کر آنا''۔ کہتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا اور وہ تذبذب کا شکار وہیں کھڑی رہی۔

☆☆☆☆

عید کی نئی صبح طلوع ہوتے ہی فضا میں کھلبلی سی مچ گئی، نماز عید کے بعد ''عید مبارک، عید مبارک'' کی بازگشتیں کانوں میں رس گھول رہی تھیں سب دل کھول کر عید کو انجوائے کر رہے تھے شاہ زمان بھی بہت خوش تھا لیکن خوف دل میں گڈمڈ کر رہا تھا ڈرے سائیں کے ساتھ سب ہی لنچ کے لئے ٹیبل پر موجود تھے اس سے اب تک سامنا نہیں ہوا تھا وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا ہاتھوں میں ٹرے لئے وہ کچن کی اور سے نمودار ہوئی آج غربت خوبصورتی پر حاوی نہیں تھی کیونکہ سب کے لئے عید کی شاپنگ حویلی والوں کی جانب سے کی گئی تھی اچانک ہی اس کی نظر اس کی سانولی کلائی پر گئی اور شدت کرب سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں کیونکہ کلائی خالی تھی اور کوئی بھی شے ندارد۔

''مجھے بھوک نہیں ہے میں بعد میں کھالوں گا''۔ کہتے ہوئے وہ پژمردہ سا اپنے کمرے میں چلا گیا دیوار پر مکا مار کر وہ کرنے کے سے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گیا دروازہ کھلتے ہی وہ اندر داخل ہوئی ہاتھوں میں پکڑی ٹرے ٹیبل پر رکھ دی جس میں شاندار کھانے سجے ہوئے تھے وہ اس کے قریب آ ٹھہری اور پلو سے کڑے نکال کر اس کے سامنے کر دیئے وہ بے حسی سے اسے تکنے لگا روح تک دکھی ہو چکی تھی۔

''شاید میری کوئی عید ایسی نہیں گزری،،۔ سوچ کر شکستگی سے اس کے ہاتھ سے کڑے لے لیے، اگلے ہی پل اس کی سانولی سی کلائی اس کے سامنے تھی وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا ایک بھرپور سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر رقصاں تھی۔

''پہناؤ نا''۔ وہ بھنویں اچکا کر آنکھوں کے اشارے سے اپنی کلائی اور پھر اسے دیکھ رہی تھی وہ مبہوت حیرت سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''خود کیوں نہیں پہنے؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''کیونکہ ہم آپ کے ہاتھ سے پہننا چاہتے تھے''۔ وہ جھینپ کر بولی۔

''تمہاری چٹیا نہیں سانولی کلائیاں مجھے اپنی اور کھینچتی ہیں''۔ وہ اس کے ہاتھ میں کڑے پہنا کر بولا اس کی نظروں کی تپش کو خود پر پا کر وہ جھینپ کر باہر بھاگ گئی۔

''واقعی میری آج تک کوئی عید ایسی نہیں گزری''۔ وہ سوچنے لگا۔

☆☆......☆......☆☆

افسانہ

دریچہ محبت

سفید شامیں، گہری رات امریکہ کی راتیں ایسی ہی تھیں، کبھی تو بہت خوبصورت اور کبھی حیران کر دینے والی۔ رات کے ساتھ تاریکی کا تصور بہت مضبوط اور حقیقی تھا، رات تو بہت ہو چکی تھی مگر



نیند ہنوز آنکھوں سے دور تھی۔ آنکھیں تو بھاری ہوتی تھیں مگر جب بھی آنکھیں بند کرتی یکلخت نیند کہیں اڑن چھو ہو جاتی۔ اس کے ماضی کی تمام سرگزشت دانستہ طور پر اس کی آنکھوں کے آگے سے گزرتی تھی، کروٹیں بدل بدل کر نڈھال ہو جاتی تھی وہ مگر ظالم نیند کو رحم نہ آتا تھا۔ تنگ آ کر وہ کھڑکی کے سامنے آن کھڑی ہوتی، گلاس ونڈو ہٹاتی اور بالکونی میں آ کر کھڑی ہو جاتی سڑک کی جانب دیکھتی اور پھر وہی سوچ۔

سوچتی کہ یہاں لوگوں کی کتنی مصروف زندگی ہے، نہ کوئی کسی سے سروکار۔ وہ اپنے جذبات، احساسات کسی کو بتانا چاہتی تھی مگر پھر یاد آتا کہ اس کا ہمدرد ہی اس کا ہمدرد نہ رہا تو کوئی اور کیسے اس کا ہمدرد، سخی، ہمدم بنے گا۔

"عنایہ میری بچی زندگی میں جب ایک اور موقع ملے ناں تو کبھی اسے کھونا نہیں چاہیے، زندگی بھی ایک سبق ہے جو سکھاتی ہے، ہاں لو تمہارا ماضی ہی تمہارا سبق ہے، ایسا سبق جو شاید تم دنیا کی کوئی کتاب پڑھ کر بھی نہ سیکھ سکتیں"۔

مگر وہ سبق کتاب نے نہیں ایک وقت نے سکھا دیا۔ بابا جان نے اس کے لیے ایک لڑکے کو پسند کیا تھا اور وہ عجیب سوچوں کے گرداب میں بری طرح پھنسی تھی کہ کیا فیصلہ کرے، وہ متفکر تھی اپنی سوچوں سے، الجھ کر اس نے بالآخر خواب آور گولیاں لیں اور آخرکار نیند مہربان ہوگئی۔

☆..........☆..........☆

ایک زبردست شاور نیم گرم پانی سے لے کر وہ دن بھر کے لیے تیار ہوئی۔

وہ میوزیم جانے کے لیے بس میں بیٹھ چکی تھی۔

"ہائے لیڈی!" اس سے کلام کرتے ہوئے وہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"ہائے"۔ وہ اس کی طرف چہرہ کرتے ہوئے بابت سے بولی۔

ایک طلسماتی چہرہ، گہری کتاب جھیل سی گہری آنکھیں اس نے اُسے دیکھا اور پھر... دیکھتا رہ گیا۔ کتنا شائستہ لہجہ تھا ناں اس کا۔ وہ سوچتا ہی رہ گیا۔ وہ شاید دیر تک سپاٹ اس کی جانب دیکھتا رہتا اگر وہ اپنی مخملی انگلیاں اس کے سامنے لہرا کر اسے چونکاتی ناں۔

"آئی ایم سوری"۔ اسے ندامت محسوس ہوئی تو معافی مانگنے لگا۔

"اٹس اوکے"۔ وہ مبہم سا مسکرا کر بولی۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ؟" اس نے استفسار کیا۔

"پوشکن میوزیم"۔

"اچھا میں بھی اسی جگہ جا رہا ہوں"۔ اس کے جواب پر وہ حیرت سے بولا۔

"ایک بات کہوں پتہ نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے کہ آپ اداس ہیں"۔ وہ مکمل وثوق سے بولا۔ وہ اس کی بات پر اسے دیکھتی رہ گئی۔ اب وہ اتنی اداس تھی کہ کوئی بھی آسانی سے اس کا چہرہ پڑھ سکتا تھا۔

کتنی تلخ حقیقت تھی ناں...

"مگر آپ کو کیسے پتہ؟" وہ قدرے حیرت سے بولی۔

"وہ لوگ جو عقل و فہم و شعور رکھتے ہیں ناں وہ دوسروں کے جذبات سے واقف ہوتے ہیں"۔ وہ مطمئن انداز میں بولا۔

"ویسے آپ یہاں کی نہیں لگتیں"۔ وہ نہایت تحمل سے بولا۔

"ہاں میں پاکستان سے ہوں"۔ عنایہ بولی۔

"اوہ کون سے شہر سے؟"

"لاہور سے"۔ وہ جواب دینے لگی۔

"واؤ یہ تو اتفاق ہے میں بھی وہیں سے ہوں"۔

وہ حیرت سے ابرو اچکاتے ہوئے بولا۔

"اچھا میں اپنا تعارف کرواتا ہوں۔ میں دائم شاہ ہوں بزنس کے سلسلے میں امریکہ آیا ہوں اور ہاں 9 مئی کو وکٹری ڈے ہے ناں سو آتش بازی بھی دیکھنی تھی، MBA کیا ہے اور ہاں خاص بات سنگل ہوں"۔ وہ نہایت اخلاق سے مگر آخری بات رازدارانہ انداز میں بولا۔ وہ بدستور بیرونی نظاروں میں مگن تھی۔

"ناٹ یور ٹرن"۔ وہ اپنی انگشت کو اس کی جانب کرتے ہوئے سپاٹ انداز میں بولا۔

"میرا نام عنایہ ہے عمر چھبیس سال، ایک بزنس ویمن ہوں"۔

"بس اتنا تعارف، ایک بات کہوں مجھ پتہ ہے اجنبی ہوں مگر آپ مجھے بتا سکتی ہیں اپنی اداسی بھی"۔ دائم بولا۔

"اچھا کیا بتاؤں، ایک بھولی بھٹکی مسافر ہوں، تنہا اکیلی"۔ وہ نہایت کرب سے بولی۔

"کون تھا وہ؟" وہ اب اس کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

"وہ جو بھی تھا ایک آئینہ تھا جس نے مجھے میری اصلیت بتائی، اس پر میرا مان میرا غرور توڑا اس نے، میرے پاؤں شل ہو چکے ہیں، اس نے کہا عنایہ مختار تم ایک ذلیل لڑکی ہو مر جاؤ تم، میں نے تو تمہارے ساتھ شادی کر کے غلط کیا، تم میرے ٹائپ کی نہیں ہو، مجھے بولڈ لڑکیاں پسند ہیں اور تم دبو سی ہو، جانتے ہو میں ایک طلاق یافتہ ہوں، ایک داغ لگی عورت، خدا نہ کرے کوئی ایسے غم سے پریشان ہو"۔ اس نے دیکھا تھا اس کی آنکھیں نم تھیں، وہ رو رہی تھی۔ وہ دم سادھے اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔ اس کی عمر سے بڑے درد اس نے سہے تھے۔

"میں جانتا ہوں یہ بہت کربناک ہے جس سے محبت ہو اس کو کھو دینا مگر رونا کیا؟ شکر کرو اس کا تمہیں پتہ چل گیا وہ تمہیں پارٹیوں کی زینت بنانا چاہتا تھا، مگر شکر کرو تم بچ گئیں"۔ وہ نفرت سے بولا۔

"پتہ ہے دکھ یہ ہے کہ جب ہم کسی پر اندھوں کی طرح اعتبار کریں، والدین کے مخالف جائیں اور پھر وہ یہ ثابت کر دے کہ حقیقتاً ہم اندھے ہیں تو بہت دکھ ہوتا ہے"۔ بہت گہرے کنویں سے اس کی آواز سنائی دی۔

اور ایک دم بس رک گئی اور وہ دونوں چلنے لگے۔

"محبت کیا ہوتی ہے؟" دائم یکلخت بولا۔

"محبت بہت پیاری، بہت خاص وہ جس میں ہم ایک دوسرے کو تمام خوبیوں اور خامیوں سمیت چاہتے ہیں"۔ عنایہ کی آنکھیں جھلملائیں۔

"ایک بات سنو! کسی کی وجہ سے خود کو اداس کرنا کہیں کا انصاف نہیں ہے، کسی کے چھوڑ جانے سے زندگی نہیں رکتی، تلخ اور سرد حقیقتوں کو سہنا پڑتا ہے۔ کبھی خود کے علاوہ کسی اور پر بھروسہ نہ کرو، زندگی کے فیصلے آسانی سے نہیں لیے جاتے، کیا پتہ اس بار جو آپ کے پاپا چاہیں وہ ٹھیک ہو"۔ وہ نہایت انہماک سے بولا۔

"ہونہہ... یعنی سارے تجربے آزما لوں"۔ وہ نہایت حقارت سے بولی۔

"نہیں سچے پیار کی بنیاد حفاظت، سچ اور عزت پر ہوتی ہے، اس پیار کو ڈھونڈو اور باقی استخارہ کر لو جو ہوگا بہتر ہوگا۔ یقین رکھنا اللہ پاک کی ذات پر، صدیوں میلوں کی مسافت طے کرنے سے تو بہتر ہے"۔ وہ ایک لیکچر دینے کے بعد وہاں سے چلا گیا اور وہ دیر تک اس کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

☆..........☆..........☆

اس کی باتوں نے اتنا اثر کیا کہ وہ بابا جان کی

بات پر راضی ہو گئی، اس نے بھروسہ کیا کہ وہ صرف اللہ پر بھروسہ رکھے گی۔

''السلام علیکم!'' وہ ریسٹورنٹ میں چیئر پر بیٹھی تھی جب بابا جان کے ساتھ کھڑی شخصیت نے اسے چونکا دیا۔ نظریں ملیں، دل کی دھڑکنیں تیز ہوئیں، بے ربط سی سانسیں... آہ وہ اتنے دن سے اسے ہی تو ڈھونڈ رہی تھی۔ اس کو جس نے اس کے دل پر اپنی چھاپ چھوڑ دی تھی۔ وہ جس کی باتیں اس کے کان میں بازگشت کرتی تھیں۔

''آپ...'' دونوں یکلخت بولے اور مسکرا دیئے۔ عنایہ ساکت تو تھی، مگر سامنے ٹیبل کے پاس بیٹھے بابا جان کی شرارتی نگاہوں نے اس کے ہر استفسار کا مفہوم اسے سمجھا دیا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ نہایت محبت سے بولا۔

''بہت ہلکا محسوس کر رہی ہوں بہت زیادہ''۔ وہ نہایت جذب سے بولی۔

''آپ مجھ سے شادی کریں گی؟'' وہ اٹکتے ہوئے بولا۔

''مجھ جیسی طلاق یافتہ سے، ایک داغ لگی لڑکی سے...؟'' جس سے شناسائی اور واقفیت ہی نہیں، وہ خوش تھی مگر اس کا ماضی اس کے احساسات کو دفن کر دیتا تھا۔ وہ نہایت گمبھیر آواز میں بولی۔

''آپ کو یہ حق کس نے دیا کہ مجھ جیسی والا لفظ استعمال کیا۔ جانتی ہیں میں نے ہی انکل سے کہا تھا کہ میں ایک انجان بن کر ملنا چاہتا ہوں آپ سے۔ میرا کوئی ارادہ نہ تھا آپ سے شادی کرنے کا مگر جب آپ کو دیکھا تو ساکت رہ گیا، آپ جیسی خوبصورت لڑکی نہیں دیکھی میں نے، شرم آگیں آنکھیں، شستہ انداز، ایک گڑیا کی طرح اور جانتی ہیں مجھے آپ کے ماضی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ آپ کی کوئی غلطی نہ تھی یہ قدرت کا فیصلہ تھا، آپ کو دیکھتے ہی مجھے آپ سے محبت ہو گئی، میں جانتا ہوں اظہار یکلخت ہے مگر میں اپنے دل کی بات دل میں نہیں رکھتا اور کہتے ہیں ناں محبت خوبصورت جذبہ ہے، جو چھپائے نہیں چھپتا اور مجھے اپنے احساسات چھپانا پسند نہیں ہے، مجھے آپ سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت ہے، اور آج آپ کا ہی آپ سے یہ حق چھینتا ہے یہ آپ خود کو برا کہیں اور آپ نے خود کو کچھ کہا ناں تو میں ناراض ہو جاؤں گا''۔ وہ بچوں کی طرح منہ بسورتے ہوئے بولا۔

''اور ہاں I Love You'' وہ ہر شرم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بولا۔

اس کی آخری بات پر عنایہ کی سایہ فگن خمدار پلکیں جھک گئیں۔

''تم اپنی زندگی اس کے ساتھ گزارو جو تم سے محبت کرتا ہے نہ کہ اس سے جس سے آپ خود محبت کرتے ہو، کیونکہ چاہنے سے زیادہ چاہے جانے کا احساس خوبصورت ہوتا ہے''۔ ذہن میں ایک خوبصورت سی بات جگمگائی اور وہ مسکرا دی، اس وثوق کے ساتھ کہ اس کا کیا ہوا استخارہ... اب اس کے ساتھ جو ہوگا بہتر ہوگا۔ دل میں محبت کی کونپل پھوٹی تھی چاہے جانے کا احساس پیدا ہوا اور خوشی حد درجہ تھی۔ وہ اس کے ساتھ مخلص تھا اس نے خود سے وعدہ کیا کہ اسے خوش رکھے گا۔

''اب شادی تک دونوں کا پردہ ہے''۔ بابا جان بلند آواز میں بولے تو دونوں مسکرا دیئے۔

اور آج اسے پہلی بار سفید راتیں پسند آئی تھیں۔ محبت کی رات چاندنی بھی مسکرا رہی تھی اور دو دل بھی۔

☆..........☆..........☆

عید سروے

سوالات

☆عید کے حوالے سے اچھا یا برا کوئی یادگار واقعہ؟
☆عید کے چاند اور آپ کے چاند میں کیا مماثلت ہے؟
☆کبھی پردیس میں عید گزارنے کا اتفاق ہوا ہے؟
☆عید کارڈ کی روایت کو کس حد تک نبھائے ہوئے ہیں؟
☆فیملی میں عیدی دینے میں زیادہ کنجوس کون ہے؟
☆شیر خرمہ پکانے میں ماہر ہیں کہ کھانے میں؟
☆عید کے حوالے سے ردا ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی پسندیدہ تحریر کون سی ہے؟

شازیہ مصطفیٰ عمران ـــــ کراچی

☆عید کے حوالے سے واقعہ پہلے یاد آیا جو میں پہلے بھی بتا چکی ہوں شاید۔

میری طبیعت پہلے سے خراب چل رہی تھی۔ عید پر بارش ہوگئی تھی میں کہیں گئی تھی۔ راستے میں بارش سے بھیگ گئی مجھے استھما کا اٹیک ہوگیا تھا۔ عید بھی خراب ہوگئی تھی میں بستر پر جو پڑی اور اچھا واقعہ یہ ہے میں نے اور میرے ہسبینڈ نے پچھلی عید بغیر لڑے گزاری کیونکہ ہم دونوں میں اکثر جھگڑا ہوتا تھا۔ اس لیے عمران گھومنے پھرنے سے چڑتے ہیں وہ آنے جانے سے بچتے ہیں اس پر ہی ہماری لڑائی ہوتی ہے اور میرا موڈ خراب ہوجاتا ہے۔

☆عید کے چاند میں اور میرے چاند میں یہ مماثلت ہے ہماری بیٹی ایمان ہمارا چاند ہی ہے اللہ سے اس کے نصیب اچھے ہونے کی دعا کرتے ہیں۔ ویسے شادی سے پہلے چاند تو عموماً وہی ہوتے ہیں، ''پیا جی''۔

☆پردیس میں تو آج تک عید نہیں گزاری۔ البتہ لاہور میں گزاری ہے وہ بھی کزن کی شادی میں شرکت کرنے گئی تھی۔ وہاں عید گزارنے میں مزہ نہیں آیا۔ اور اب ساری عید پیا کے دیس میں گزرتی ہیں اور ہمیشہ پیا کے سنگ گزرتی رہیں، آمین۔

☆پہلے تو عید کارڈ کے ساتھ گفٹ دیتی تھی اور میں کہتی ہوں یہ روایت بہت اچھی ہے اس سے محبت اور پیار کا احساس رہتا ہے مگر شادی کے بعد میں کارڈ وغیرہ نہیں دیتی۔ کیونکہ فرینڈز اور کزنز بھی شادی کے بعد مصروف ہوگئی ہیں فون پر وش کر لیتے ہیں۔

☆عمران اپنی فیملی میں عیدی خود دیتے ہیں اور میکے میں عیدی میں خود دیتی ہوں۔ کنجوس دونوں میں سے کوئی نہیں ہے کسی معاملے میں بھی نہیں۔

☆شیر خورمہ پکانے میں ماہر تو نہیں ہوں البتہ ٹھیک بنا لیتی ہوں یہ بھی اپنی بہن سے سیکھا تھا وہ بہت لاجواب بناتی ہیں مگر ان جیسا پھر بھی نہیں بنا پاتی یہ عمران بھی کہتے ہیں اور رہی کھانے میں ماہر وہ نارمل کھاتی ہوں زیادہ کھانے کا شوق نہیں البتہ عمران کو میٹھے میں ہر ڈش پسند ہے۔

☆عید کے حوالے سے ردا ڈائجسٹ کی تمام تحریریں لاجواب ہوتی ہیں کیونکہ میری شادی سے پہلے عید ردا کے سنگ گزرتی تھی۔ پورے ڈائجسٹ

پاک سوسائٹی پر مُوجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

میں تحریریں اچھی ہوتی ہیں مزا آتا ہے اور آج بھی ڈائجسٹ اور خوب صورت ہوگیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اجازت تمام لوگوں کو رمضان اور عید کی مبارک باد۔

نظیر فاطمہ ——— لاہور

السلام علیکم! سب سے پہلے میری جانب سے ردا اسٹاف اور قارئین سب کو ڈھیروں عید مبارک۔ اللہ تعالیٰ خوشیوں بھری عید کو آپ سب کا مقدر کرے، آمین۔

☆ اچھا یا برا تو نہیں مگر ایک یادگار واقعہ ہے۔ ہمارے ہاں چاند رات کو لڑکیوں کو بازار جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک دفعہ ہم دو تین کزنز (تب ہم ٹین ایجرز تھیں) اپنی امیوں کو بلیک میل کر کے ساتھ والی آنٹی کے ساتھ بازار نکل گئے۔ بازار جا کر ہماری تو ہمت ہی ماری گئی...... اتنا ہجوم...... دھکے...... گانوں کی آوازیں...... شاید رمضان ختم ہونے کے بعد شیطان بھی آزاد ہوگیا تھا۔ لڑکیوں کی ادائیں...... دکاندار لڑکوں کی شوخیاں...... بھانت بھانت کی بولیاں اور تو اور ہم نے علاقے کے ہر آوارہ لڑکے کو چوڑیوں کے اسٹال پر کھڑے دیکھا جو چوڑیاں پہنانے کے بہانے حسیناؤں کے ہاتھ پکڑ کر دبا رہے تھے۔ میرا تو حیرت کے مارے منہ کھل گیا۔ میں نے ساتھ نظر ڈالی تو باقی کزنز کا بھی یہی حال تھا۔ منہ بند کر کے سامنے دیکھا تو آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں۔ ہمارے سب سے غصیلے بھائی صاحب سامنے سے آرہے تھے۔ ہم نے چھپنے کی کوشش کی مگر بے سود، وہ ہمیں خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے گھر چلے گئے۔ ہم ''عزت افزائی'' کے خوف سے لرزتے ہوئے گھر آئے مگر خیر گزری کہ صرف ایک دو جملوں کے بعد جان چھوٹ گئی۔ شاید باہر کے حالات دیکھ کر ہماری شکلوں پر ابھی تک ہونق پن چھایا ہوا تھا۔ اس کے بعد ہم نے چاند رات کو بازار جانے سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلی جس پر ہم سب آج تک کاربند ہیں۔

☆ ہوں...... مماثلت۔ دو چیزوں کے درمیان مماثلت بیان کرنے کے لیے ان دونوں کا سامنے ہونا ضروری ہے۔ اب عید کا چاند تو میرے سامنے ہے مگر وہ جو ''دوسرے والا چاند'' ہے نا وہ ابھی تک نظر نہیں آیا...... تو...... میں مماثلت بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ اس سلسلے میں میری دلی معذرت قبول کیجیے، ہاہاہا۔

☆ پردیس میں؟ مجھے تو کبھی لاہور سے باہر عید کرنے کا اتفاق نہیں ہوا، پردیس تو پھر دور کی بات ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ زیادہ تر رشتے دار لاہور میں ہی ہیں۔ کچھ جو لاہور سے باہر ہیں عید پر ان کے ہاں جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔

☆ اب بے چارے عید کارڈ کہاں؟ اب تو ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے، موبائل سے میسج کردیا۔ دور رہنے والوں کو ای میل یا واٹس اپ کے ذریعے وش کردیا اور بات ختم۔

☆ کوئی نہیں...... سب اپنی حیثیت کے مطابق خلوص اور محبت سے عیدی دیتے ہیں اور خلوص اور محبت سے دی ہوئی عیدی ایک روپیہ ہی کیوں نہ ہو میرے لیے بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

☆ پکانے میں ماہر تو نہیں کہہ سکتے مگر گزارے لائق پکالیتی ہوں۔ جہاں تک تعلق ہے کھانے کا تو میں میٹھے کی بالکل شوقین نہیں ہوں۔ عید کے دن جو بھی میٹھا بنا ہو، اس کے ایک دو چمچ کھا کر سنت پوری کرلیتی ہوں۔

☆ ردا میں شائع ہونے والی تحریر......! سوچ رہی ہوں پر نام تو یاد نہیں آرہا کیے! میں ڈائجسٹ میں چیک کر کے آتی ہوں۔ جی تو عید کے حوالے سے پچھلے سال کی سب سے اچھی تحریر شاہ کنول کی ''یہ عید اور وہ ایک'' تھی۔

فریدہ فرید ——— پاکپتن شریف

السلام علیکم پیاری سکھیوں عید سروے کی روایت

ردا ڈائجسٹ کا خاصا ہے۔ خود میں بھی سال میں ایک مرتبہ افسانہ نہیں حقیقت لکھنا اچھا لگتا ہے۔ الحمد للہ ہماری زندگی کی حقیقت تلخ ہرگز نہیں مگر کسی کونے سے بھی افسانوی نہیں ہے اس لیے سادہ سے سوالات کے سادہ جوابات حاضر ہیں۔

☆ عید کے حوالے سے سب سے تکلیف دہ عید وہ تھی جس میں اپنے ابو جی کا چہرہ نہیں دکھائی نہ دیا تھا۔ ابو جی پردیس میں ملازمت کرتے تھے یوں تو کئی عیدیں ان کے بنا گزاریں مگر وہ عیدیں بالآخر ملاقات کی امید لیے ہوتی تھیں مگر وہ ایک آخری عید جس میں کوئی امید نہ کوئی آس نہ تھی گزر گئی تڑپاتے ہوئے۔

بچپن کی عیدالاضحیٰ کے حوالے سے ایک واقعہ یاد ہے جسے ہم اکثر بیان کرتے رہتے ہیں میری بڑی بہن رابعہ افضال اور بڑے بھائی ثاقب افضال زندگی میں پہلی دفعہ ہم سے دور پنجاب کسی شادی پر گئے تھے۔ ان کو عید سے قبل لوٹ آنا تھا مگر ان کی ٹرین اتنی لیٹ ہوئی کہ تین دن اسٹیشن پر گزارنے پڑے اسی دوران عید کا پہلا اور دوسرا دن انتظار میں گزر گیا جانور قربان نہیں ہوا ہم نے نئے کپڑے پہننا تو دور کی بات منہ تک نہ دھویا کیونکہ امی جی بے حد پریشان تھیں کہ ان کے معصوم بچے گھر سے باہر ہیں بے امان ہیں خیر عید کے تیسرے روز ان کی خیر سے آمد ہوئی اور ہماری بھی عید ہوئی۔

☆ عید کے چاند اور ہمارے چاند میں کچھ بھی مماثلت نہیں ہے عید کا چاند سال میں ایک بار نظر آتا ہے اور الحمدللہ ہمارے چاند ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں۔ اللہ ہمیشہ رکھے اور پھر عید کا چاند ہماری منشا پر تو نکلتا نہیں جب کہ ہمارے چاند سے ہم اپنی مرضی کرا لیتے ہیں۔

☆ پردیس میں بہت ہی خوب صورت عید گزاری ہے۔ 2015ء کی عیدالفطر جو ہم نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گزاری نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کا ہر لمحہ عید ہے مگر انتہائی خوب صورت لمحہ تھا جب معتکفین چاند نظر آنے کے لیے دعا گو تھے اور مغرب کے بعد اعلامیہ ہوتے ہی خواتین نے مسجد ہی میں ایک دوسرے کو مہندی لگانا شروع کر دی۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر نکلے تو مٹھائیاں اور کھجوروں کو بانٹتے عید سعید کہتے مناظر نے دل موہ لیا تھا۔ صبح میں نماز عید کی سعادت زندگی میں پہلی بار نصیب ہوئی اور پھر وہاں پھر راہ چلتے بازاروں میں ہوٹل میں مسجد میں عید مبارک کی صدائیں اب بھی کان میں گونجتی ہیں انتہائی یادگار اور لازوال عید تھی اللہ پھر دیکھنا نصیب فرمائے، آمین۔

☆ عید کارڈ کی روایت شادی سے قبل تو پوری شان اور دیانتداری سے نبھاتے تھے۔ شادی کے بعد دوسرے شہر آ جانے کے بعد والدین بہن بھائیوں کی حد تک تو نبھا رہے ہیں مگر عزیز و اقارب اور دوست احباب کے معاملے میں کنجوسی کر جاتے ہیں اپنی کوتاہی کا احساس ہے۔

☆ فیملی میں عید دینے میں کنجوس میرے میاں ہیں۔ سسر جی اور دیور عید دینے میں فراخ دل ہیں مگر جن سے چاہیے وہ حیل وحجت سے کام لیتے ہیں اب ہم نے بھی مانگنی چھوڑ دی ہے انتہائی شرافت سے خود ہی جیب سے نکال لیتے ہیں۔

☆ شیر خرمہ پکانے میں ماہر ہیں نہ ہی کھانے میں، مجھے میٹھا جتنا پسند ہے میٹھے میں شیر خرمہ سے اتنا ہی لگاؤ کم ہے۔ اصل میں ہمیں چھوہارے پسند نہیں ہیں اور چھوہارے شیر خرمہ کا زیور ہیں اسی لیے ہم اس ڈش سے پرہیز ہی کرتے ہیں۔

☆ عید کے حوالے سے ردا ڈائجسٹ کی مستند حیثیت کو چیلنج کرنا ممکن نہیں اتنی کثیر تعداد میں خوب صورت، چلبلی سی تحاریر شائع ہوتی ہیں کہ کسی ایک کی تعریف کرنا ممکن نہیں خود میری عید کے حوالے سے سات تحریریں ردا کی زینت بن چکی ہیں۔ اپنی ذاتی تحریروں میں مجھے "عید سفر" بے حد پسند ہے اور دیگر سکھیوں کی تحریروں میں مصباح مسکان کی "حادی،

حدی اور عید" تحریر بے حد دل کو بھائی تھی اور نائلہ طارق کی "اترے چاند دریچے میں" آج تک یاد ہے۔ دیگر دوستوں سکھیوں کو عید مبارک کے ساتھ اجازت۔

گیتی آراء ________ کراچی

☆ عید کے حوالے سے کوئی ایسا خاص یادگار واقعہ یاد تو نہیں آ رہا لیکن ایک واقعہ جو کہ پتا نہیں مجھے آپ لوگوں سے کیوں شیئر کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔

یہ برسوں پہلے عید کی بات ہے جب میرے اماں بابا حیات تھے اور اس روز عید پر میری طبیعت کچھ خراب تھی اور مجھ میں عید کی تیاری کرنے یا عید کے کپڑے بدلنے کی قطعی ہمت نہیں تھی۔ سو میں اس روز خلاف توقع گھر کے نیوی بلیو سوٹ یعنی شلوار قمیض میں پھر رہی تھی کہ تب ہی میرے بابا کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ بہت خفا ہوئے کہ میں نے آج کے دن عید کے کپڑے نہیں بدلے اور یوں ماتمی انداز میں کیوں پھر رہی ہوں۔ گو کہ یہ بات بابا نے مذاق میں کہی تھی لیکن اتنی بڑی بات کہنے کے بعد مجھے چاہیے تھا کہ میں کسی بھی صورت تیار ہو جاتی، مہندی لگواتی چوڑیاں پہنتی، عید کے کپڑے بدلتی لیکن اس روز پتا نہیں کیوں لاکھ چاہنے کے باوجود مجھ میں تیار ہونے کی ہمت نہ ہوئی اور میں طبیعت کی خرابی کے باعث سارا دن منہ لپیٹے بستر پر پڑی رہی اور پھر اس سال یا شاید اسی ماہ میرے جوان بھائی کی اچانک ایک ایکسیڈنٹ میں موت ہو گئی اور اتفاق سے اسی روز میں وہی نیوی بلیو کلر کا شلوار قمیض پہنے اپنے جوان بھائی کی میت پر آنسو بہا رہی تھی اور اب میں سوچتی ہوں کہ اگر میں اس روز عید پر اگر بابا کے کہنے پر ہی عید کا جوڑا زیب تن کر لیتی تو یہ بدشگونی نہ ہوتی۔ وہ دن ہے اور آج کا دن اب اگر میں تکلیف سے مر بھی رہی ہوں تو عید کے موقع پر عید کا نیا جوڑا ضرور بدلتی اور تیاری کرتی ہوں کہ کہیں خدانخواستہ کوئی بدشگونی نہ ہو جائے۔

☆ عید کا چاند تو عید کا چاند ہے سب سے حسین اور جدا اس کا بھلا کسی سے کیا مقابلہ اور کیا مماثلت۔

☆ ارے ہم نے تو کبھی اپنا ملک اپنا وطن پورا نہیں دیکھا، گھوما تو پھر پردیس میں عید گزارنے کی بات تو خواب و خیال ہے۔ ہاں البتہ بچپن حیدر آباد میں گزارا تو بچپن کی کچھ عیدیں وہاں بھی گزریں اور پھر کراچی آنے تو یہیں کے ہو کے رہ گئے اور اب تک یہیں عیدیں منا رہے ہیں۔

☆ جہاں تک عید کارڈ کی روایت کی بات ہے تو پہلے خاص خاص دوستوں اور جاننے والوں کے علاوہ بھانجی بھانجے وغیرہ کو بھی بھیج دیتے تھے لیکن اب کچھ بڑھتی مہنگائی، بڑھتی مصروفیت کی بناء پر صرف خاص خاص دوستوں اور جاننے والوں کو ہی دیتے ہیں (وہ بھی کبھی کبھار)۔

☆ کنجوسی کا تو پتا نہیں اپنی فیملی ہی میں سب سے بڑی ہوں تو مجھے ہی سب کو، چھوٹوں کو عیدی دینی پڑتی ہے اور پھر ہماری کوئی اولاد بھی نہیں ہے کہ ہماری طرف بھی عیدی آئے بس دینی ہی دینی پڑتی ہے۔

☆ شیر خرمہ پکانے میں بھی ماہر ہوں اور کھانے میں بھی ماہر کیا دیوانی ہوں۔ شیر خرمہ سوئیٹ ڈش میں سب سے فیورٹ ڈش ہے میری۔ بشرطیکہ شیر خرمہ ہی ہو، شیر خرمہ کے نام پر دودھ والی بادام پستے والی سوئیاں نہ بنا دی ہوں۔

☆ عید کے حوالے سے رواداجسٹ میں شائع ہونے والی تحریروں میں سے یوں تو سبھی تحریر اپنی مثال آپ تھیں اور ہوتی ہیں کوئی زیادہ اچھی اور کوئی کم یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن پچھلے سال عید نمبر میں چھپنے والی تحریروں میں یوں تو سبھی بہترین تھیں لیکن صالحہ آپی کی تحریر "چھپ گیا چاند دھند لکے میں" ایک دل میں اتر جانے والی تحریر تھی۔ کس طرح ایک عورت اپنے دلی جذبات و احساسات کو چھپا کر لوگوں کی خوشی کے لیے چہرے پر ظاہری مسکراہٹ سجا

کر ملتی ہے۔ عورت کی بے بسی پر لکھی یہ تحریر ہر گھر کی کہانی معلوم ہوتی ہے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ سب کچھ ہم پر بیت چکی ہو۔ کہانی کا ہر منظر ہماری آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہو اور حسین لفظوں اور ڈائیلاگ کی جادوگری تو آپی کے قلم اور کہانی کا خاصا اور کمال ہے ہی خوب صورت منظر کشی خوب صورت ڈائیلاگ جیسے یہ جملہ ''سیاہ بادلوں نے سنہرے چاند کو ڈھانپ لیا تھا۔ ایک روشن چہرہ آہستہ آہستہ بادلوں کی سیاہی میں تحلیل ہو گیا تھا۔'' اور ایک یہ خوب صورت ڈائیلاگ ''دکھ اس بات کا نہیں کہ تم مر گئی دکھ تو مجھے اس بات کا ہے کہ میں کیوں زندہ ہوں۔'' واہ دل کو چھو لینے والی کہانی خوب صورت منظر کشی اور ڈائیلاگ۔ حقیقت سے قریب تر، افسانہ نگاری اسے یادگار بنا گئی۔

ماریہ یاسر ______ کراچی

☆ عید کے حوالے سے کوئی خاص واقعہ تو یاد نہیں بس ایک معمولی سا واقعہ ہے ہوا یوں کہ چند سال قبل چھوٹی عید سے ایک روز قبل اپنی ساری تیاری مکمل کی اور چاند رات کو خوشی خوشی خوب بھر کے مہندی بھی لگائی اور اگلی صبح کے لیے بہت پر جوش ہی ہو کے سو گئی۔ عید کی صبح جو آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ میرا ایک کزن (جو بہت زیادہ باتونی ہونے کی وجہ سے مجھے خاص پسند نہ تھا) اپنے گھر سے دور نوکری کرتا تھا سو عید گزارنے ہمارے گھر تشریف لا چکا ہے۔ پسند نہ کرنے کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ ہماری امی کو اپنے اس رشتے وار سے کافی زیادہ انسیت تھی اس کے آگے ہمیں بھی کم کم ہی لفٹ کراتی تھیں۔ سو خوب جی بھر کے بدمزہ ہوئے۔ سارا دن بہانے بہانے سے آنسو بہتے رہے (ارے غصے سے۔ آنسو ہر موقع پر ہمارا ساتھ جو نبھاتے ہیں) غصے سے سارے کام کیے۔ اس خاص دن امی ابو سے بھی تھوڑی بدتمیزی کر بیٹھے۔ وہ سارا دن گزار کے جب شام کو دوسرے رشتہ داروں سے ملے تب جا کر غصہ تھوڑا کم ہوا لیکن پھر کیا فائدہ سارا دن تو ہمارا برباد کر ہی دیا تھا۔

☆ عید کے چاند اور ہمارے چاند میں کوئی خاص مماثلت تو نہیں سوائے اس کے جیسے چاند رات کی تاریکی میں روشنی بکھیرتا ہے اسی طرح یاسر بھی میری زندگی میں روشنی کی مانند ہیں۔ اس کی مثال میں یوں دوں گی کہ انہوں نے لکھنے کے اس جنون میں میرا ساتھ دے کے مجھے روشن منزل کی طرف گامزن کیا ہے۔ اس کے لیے شکریہ میرے چاند (ہی ہی ہی)۔

☆ پردیس میں تو عید گزارنے کا ابھی تک اتفاق نہیں ہوا۔ ہاں البتہ میکے ہری پور میں عیدیں گزار کے اب چار سال سے سسرال کراچی میں عید گزارنے کا اتفاق ہو رہا ہے لیکن اس بار انشاء اللہ میں چھوٹی عید اپنے والدین کے پاس کروں گی۔ حورین کی چھٹیوں کا انتظار ہے بس۔ ویسے سنا تو ہے کہ پردیس میں عید بہت روکھی پھیکی گزرتی ہے۔ اب تو یہاں بھی عیدیں ویسی بارونق نہیں ہوتیں جیسی بچپن میں ہوتی تھیں۔

☆ عید کارڈ کی روایت تو کالج لائف ختم ہوتے ہی ختم ہو گئی۔ نہ ہم کسی کو دیتے ہیں اور نہ ہمیں کوئی کیونکہ اب ساری دوستیں اپنی اپنی زندگی میں مصروف تو ہم مصروف تر۔ البتہ Msg اور فون کر کے مبارک باد دے دی جاتی ہے۔ کالج عید کارڈ چوڑیاں گفٹ تو لازمی لیتے اور دیتے تھے۔ اب تو وہ زندگی خواب ہی لگتی ہے پرسکون سا خواب۔

☆ فیملی میں عیدی دینے میں کافی لوگ کنجوس ہیں جن کے نام لکھے تو ان کے منہ بن جائیں گے سو جانے دیں۔ ایک چپ سو سکھ۔

☆ کیا سوال کر ڈالا۔ شیر خرمہ کھانے میں تو ساری زندگی ماہر رہے (شادی سے پہلے) امی بناتیں اور ہم کھاتے لیکن اب تو پکا پکا کے ماہر بھی ہو چکے ہیں لیکن پکاتے پکاتے دل اوب سا جاتا ہے پھر کھانے میں وہ مزہ نہیں آتا۔ حالانکہ یاسر بہت تعریف کرتے ہیں شیر خرمہ کی۔

☆ عید کے حوالے سے تحریر تو کوئی بھی اس وقت یاد نہیں آ رہی۔ میں یادداشت کے معاملے میں کافی

کمزور واقع ہوئی ہوں۔ اکثر اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی کہانی لکھنا شروع کی تھوڑی لکھنے کے بعد وقت کی کمیابی کی بنا پر اٹھنا پڑا اور ایک دو دن بعد جب دوبارہ لکھنے بیٹھوں تو ساری کہانی بھول چکی ہوتی ہوں کہ لکھا کیا ہے۔ سوچو اور جتنا لکھنا ہوتا ہے سب پڑھتی ہوں تب جا کے کہیں یاد آتا ہے کہ کس موضوع پر لکھ رہی تھی۔ اس لیے اس سوال کے لیے معذرت۔

ماریہ عمران ______ کراچی

☆ السلام علیکم! میری طرف سے تمام اہل وطن کو، صالحہ آپی اور پوری ٹیم کو تہہ دل سے عید کی مبارک باد قبول ہو اور دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ پاک ہر سال ہر گھر کو عید کی خوشیوں سے آباد کرے اور جو لوگ سالوں سے پردیس میں ہیں اپنے گھر والوں سے دور، خداوند کریم انہیں اپنے اپنوں سے ملوا دے تاکہ عید کا مزا دوبالا ہو جائے۔ عید کے حوالے سے کوئی یادگار واقعہ تو نہیں ہے بس اتنا کہ جتنا مزا سسرال کی عید میں ہے وہ میکے میں کہاں! واقعی عورت کا اصلی گھر اس کے پیا کا گھر ہے تو صحیح معنوں میں حقیقی خوشیاں مجھے عمران کے سنگ عید منانے میں محسوس ہوتی ہیں۔ میری ہر عید اپنے میاں کے ساتھ یادگار اور حسین ہے ایسے میں، میں میکے کی عیدیں نہیں بھول سکتی اس کا بھی ایک الگ ہی مزا تھا۔ عید والے روز بہن بھائیوں کی کمی اور مما پاپا کی کمی کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔ بس ایک کمی تا زندگی رہے گی میری دادی مرحومہ کی جواب ہمارے ساتھ عید کی خوشیوں کا حصہ نہیں ہوں گی۔ اللہ پاک انہیں جنت میں جگہ دے، آمین۔

☆ ہاہاہا...... اتنا مزے کا سوال ہے، بخدا اگر میرے میاں کے بال نہ ہوتے تو شاید میرا ایک ہی جواب ہوتا

کون کہتا ہے میرا محبوب گنجا ہے
کبھی چاند کے سر پر بھی بال ہوا کرتے ہیں

☆ پردیس میں کبھی عید نہ گزاری نہ کبھی گزرے ایسی خواہش ہے۔ وہ عید ہی کیا جس میں اپنوں کا ساتھ نہ ہو۔

☆ یقین کریں کہ عید کارڈز نہ دینے کا سلسلہ رکنے کی اصل وجہ انٹرنیٹ اور اس سے استعمال ہونے والی ایپلی کیشنز ہیں جنہوں نے عید کارڈز والوں کا کاروبار ہی ٹھپ کر دیا۔ اس کے باوجود بھی میں ہر سال اپنے میاں اور والدین کو عید کارڈز ضرور دیتی ہوں بلکہ اب میری کوشش ہوتی ہے کہ بچے خود اپنے ہاتھوں سے کارڈ بنائیں۔

☆ آہاہاہا...... نہیں نہیں...... نہیں نام نہیں لے سکتی اگر انہوں نے پڑھ لیا کہ ان کا نام کنجوسوں میں شمار ہوتا ہے تو میری درگت بنا دیں گے۔

☆ شیر خورمہ مجھ سے کبھی خاص نہیں بنتا۔ شیر خرمہ میری ماں اور میری نند بہت زبردست بناتی ہیں تو میں کھانے میں ماہر ہوں بجائے بنانے کے۔

☆ عید کے حوالے سے تمام تحاریر بہت مزیدار اور دلچسپ ہوتی ہیں۔ گوشہ آگہی سے لے کر ہر تحریر کا اپنا ہی ایک مزا ہوتا ہے۔ زیادہ مزا شازیہ مصطفیٰ کی تحریر میں آتا ہے۔ ان کی ایک کہانی میں کبھی نہیں بھول سکتی شاید اس کا نام ''پتھر کے پھول'' تھا۔

سحر مبین ______ فیصل آباد

السلام علیکم! ڈیئر قارئین، صالحہ و نورین آپی، مما، پاپا، ڈیئر فرینڈز اور دیگر ردا اسٹاف کو سب سے پہلے تو میری طرف سے دل کی گہرائیوں سے ڈھیروں ڈھیر عید مبارکاں۔ آہا! ایک اور عید آ گئی خوشیوں کا تہوار اور ایک اور عید ردا کے سنگ اور ردا کے نام۔

☆ یار! سوال نے تو سوچنے پر مجبور کر دیا اب تو ہر عید ہی یادگار ہوتی ہے۔ عید کا تو لمحہ لمحہ یادگار ہوتا ہے۔ اچھے واقعات میں سے گزشتہ کچھ عیدوں کی چاند رات کے واقعات ہیں جب بنیامین (میرا

بھائی) ماشاء اللہ سے اعتکاف کی سعادتیں حاصل کرتا ہوا گھر لوٹتا ہے، خوب چہل پہل، خوشی اور نورانیت کا ماحول ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ گزشتہ سال تک بھی بچپن کے سے انداز سے عید گزارتے آئے ہیں۔ عید کے حوالے سے ایک اور اہم یادگار اچھا واقعہ گزشتہ عیدالفطر کی شاپنگ ہم سب فرینڈز نے روزے کے ساتھ خوار ہوتے ہوئے کی اور پھر عید کے دوسرے روز اقراء کی سالگرہ اس کے گھر بہت اچھے انداز میں منائی۔ ہر عید ہی یادگار۔ ہر لمحہ ہی اہم ہے ایک اور یادگار واقعہ۔ میں اس دفعہ پہلی دفعہ نماز عید کی ادائیگی کے لیے مما کے ساتھ گئی تھی۔ اور اللہ معاف کرے یہ میری پہلی اور آخری نماز عید ہی تھی جو میں نے مسجد میں ادا کی۔ ہمیشہ گھر میں ہی رہ جاتی ہوں اور گھر میں ہی پڑھتی ہوں۔ حالانکہ سبھی اصرار بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ لو جی واقعہ کی بات کر رہی تھی۔ مجھے تو کافی دلچسپ لگا تھا آنٹی کا ایک جملہ وہ وہاں نماز عید کی ادائیگی کے لیے آئی تھیں اور مما کی کوئی سہیلی تھیں۔ محلے کی مسجد کے امام صاحب کی بیٹی انہیں بہت عزت و تکریم مل رہی تھی اس دن۔ میں گویا کہ بہت سادہ ہوتی ہوں اور تب تو سادگی کے سبھی ریکارڈ توڑے ہوئے تھے۔ وہ کہتیں ''لو تم سے زیادہ تو تمہاری مما کا رعب ہے'' (ہاہاہا) یار! مما تو میک اپ جیولری میں لشکارے مار رہی تھیں اور مابدولت حد سے زیادہ سادہ۔ ویسے بھی ماشاء اللہ سے مما کا مجھ سے زیادہ ہی رعب تھا۔ ہمارا ایج ڈیفرنس بھی اتنا زیادہ نہیں ہے اور مما ہیں بھی تھوڑی کیوٹ۔ ایسے میں جب وہ سب ہتھیاروں سے لیس ہوں اور ہم بالکل ہی سادہ تو ان کے دوستوں کو تو بطور خاص ان کے لیے اور کوئی نظر ہی نہیں آتا ہمیں بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں تبھی ایک اور آنٹی کا جملہ یاد آ گیا۔ ''بہت ماروں گی اگر اسے اب مما کہا تمہاری بڑی بہن جتنی ہے آپی بولا کرو۔'' ہاہاہا۔ اب آپ ہی بتا سکتے ہیں کہ یہ عزت افزائی والے گزشتہ عید کے تازہ ترین واقعات اچھے ہیں یا برے؟

☆ آہم! یار کیا سوال پوچھ لیا۔ عید کا چاند اور ہمارا چاند...... ان میں مماثلت میرا چاند؟ کون میرا چاند؟؟ (ہاہاہاہا)۔ اگر کوئی ہو بھی تو میں اسے چاند سے تشبیہ نہیں دیتی۔ خیر! سوال کی جانب آتے ہیں۔ عید کے چاند اور میرے چاند میں یہ مماثلت کہ عید کے چاند کو دیکھ کر بھی خوشی ہوتی اور مجھے میرے چاند کو دیکھ کر بھی۔ عید کے چاند کو دیکھنے سے زیادہ اپنے چاند کو دیکھنے کا انوکھا اور میٹھا احساس ہوتا ہے (آہم) (سوال کا جواب ہے بس)۔ جیسے عید کے چاند کو دیکھ کر بے اختیار ہاتھ دعا کے لیے اٹھتے ہیں اسی طرح میرے چاند کو دیکھ کر لب بے اختیار دعا کے لیے ہلے۔

☆ نہیں، کبھی نہیں پردیس میں جانے کا اتفاق کم ہی ہوتا ہے اور عید تو کبھی بھی نہیں گزاری ہاں عید سے اگلے روز فیملی کے ساتھ دور دراز کبھی کہیں آؤٹنگ کے لیے چلے جاتے ہیں۔

☆ عید کارڈ کی روایت کچھ کچھ بس ایڈونچرز کی حد تک۔ یا دوستوں کو کوئی سرپرائز وغیرہ دینا ہو تو پھر ورنہ یہ خالص بچپن کی باتیں ہیں۔

☆ یار پوچھیں، فیملی میں عیدی دینے میں کون زیادہ کنجوس نہیں ہے؟ (خیر مذاق ہے یہ تو)۔ ہم مم مم...... سوچنا پڑے گا۔ یقیناً میری ممانیاں، ہاں جی! واقعی ممانیاں ہی وہ ہستی ہیں جو عیدی دینے میں کنجوس ہیں چونکہ ماموں لوگوں کا گھر بھی ہمارے پاس ہی ہے تو پھر آنا جانا لگا رہتا ہے۔ اگر دور بھی ہوتا گھر میرے خیال میں ممانیوں کی طرف سے عیدی ملنے میں کنجوسی جوں کی توں برقرار رہنی تھی۔ اب بھی ہے خیر!!

☆ ماہر...... ماہر تو خیر دونوں کاموں میں نہیں مگر کسی حد تک دونوں کام ٹھیک طریقے سے کرتی ہوں۔

شیر خرمہ کی شوقین بھی ہوں کھانے میں اسپیشلی عید کے کھانوں میں اور اچھے ذائقے والا بنا بھی لیتی ہوں گزشتہ عید پر میں نے ہی بنایا تھا۔

☆عید کے حوالے سے ردا میں تقریباً سبھی تحریریں جو شائع ہوتی ہیں مزے کی ہوتی ہیں۔ میری خود کی کچھ تحریریں جو عید کے حوالے سے شائع ہوئیں وہ مجھے کسی حد تک ٹھیک لگیں اور اس کے علاوہ ہلکی پھلکی سنجیدہ قسم کی عید کے حوالے سے شامل سبھی اچھی ہیں جی تو سوال نامہ پہنچا اختتام کو کیسا لگا؟ آپ کی رائے کی منتظر ہوں۔

آخر میں ایک بار پھر سب دوستوں، فیملی اور ''خاص خاص'' کو عید مبارک۔ اللہ اس عید کو سب کے لیے خاص بنا دے اور سب کو اچھے عمل کرنے اور عید کی خوشیوں سے لطف اندوز ہونے کی توفیق دے۔

مون بخاری ______ سرگودھا

پیاری آپی صالحہ جانی، جملہ اراکین ردا، عزیز دوستوں اور قارئین کرام السلام علیکم۔ دل کی گہرائیوں سے عید مبارک۔ دعا ہے کہ آپ کو سچی خوشیاں نصیب ہوں اور تمام مسلمانوں کے لیے عید خوشیوں کا پیغام بن کر آئے، آمین۔

☆بہت یاد کرنے پر بھی عید کے حوالے سے کوئی اچھا یا برا واقعہ ذہن میں نہیں آیا۔ عید آتی ہے گزر جاتی ہے، بس اور کیا؟ کبھی کوئی خیال نہیں گزرا، معذرت۔

☆عید کے چاند اور میرے چاند میں یہی مماثلت ہے کہ بہت دیر سے نظر آتے ہیں اور بڑی مشکلوں کے بعد۔ کیا بتاؤں جی جیسے جیسے دیدار کے لمحے قریب آتے ہیں ہر لمحہ جان پر انتظار بھاری پڑتا ہے۔ جی...... اور ردا بھی تو دوسرا چاند ہے میرا۔ کیا بتاؤں دن گن گن کر گزارتی ہوں پھر بھی تڑپا دیتا ہے۔ اس کا انتظار۔ کمال تو یہ ہوا کہ اپریل کا ردا دستیاب نہیں ہو سکا۔ ہم پر چاند کے دیدار کی محرومی سے کیا گزری؟ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا۔

☆جی نہیں خدا سے دعا ہے کہ میری ہر عید ارضِ پاک میں گزرے یا مدینہ منورہ میں عید نصیب ہو، آمین۔

☆آہ.....! ''عید کارڈ'' خواب ہو گئے۔
دیوانے کا خواب۔ تمہی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

☆شکر ہے کہ کوئی فرد کنجوس نہیں ہے۔

☆شیر خورمہ ہماری مرغوب غذا نہیں ہے۔ پکانا پڑا کبھی تو پکا لیں گے فی الوقت کھانے میں ماہر ہیں۔ ویسے کھیر پسند ہے۔

☆عید کے حوالے سے محبوب رسالے میں شائع ہونے والی ہر تحریر پسند آتی ہے۔ کسی ایک کا نام لینا درست نہیں لگتا۔

امید ہے ان پیار بھرے سوالات کے جوابات آپ کو پسند آئے ہوں گے کیونکہ پیار سے دیے ہیں اگر پسند نہیں آئے تو جناب ہم کیا کر سکتے ہیں جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔

قرۃ العین سکندر ______ لاہور

☆واقعہ یہی یاد آیا ہے کہ میں چونکہ اپنی سسرال میں دوسرے شہر رہتی تھی اور وہ ذریعہ معاش کی بدولت لاہور میں مقیم تھے۔ شادی کے بعد پہلی عید پر وہ گھر کے لیے چاند رات کو گاڑی میں بیٹھے۔ چونکہ ان کے کاروبار کی نوعیت ایسی ہے کہ ان کو صرف عید پر دو ہی چھٹیاں مل پاتی ہیں۔ اس لیے جب میں شادی کے بعد آس کا دیپ جلائے ان کا انتظار کر رہی تھی کہ شادی کے بعد پہلی عید تھی سردیوں کے دن تھے۔ وہ گاڑی میں بیٹھے آدھا سفر طے کر چکے تھے کہ شدید دھند کی لپیٹ میں پورا شہر آ گیا اور موٹر وے بند کر دی گئی۔ اب وہ نہ جا سکتے تھے واپس اور نہ گھر آ سکتے تھے۔ رات کی تاریکی صبح کی سپیدی میں بدلی تو

وہ گھر آئے اور ان کا موڈ بے حد خراب تھا مگر مجھے دیکھ کر کھل اٹھے تھے۔ میں سج سنور کر محو انتظار جو تھی۔

☆ آہم آہم عید کا دن بھی یکتا اور نرالا ہے اور میرے چاند بھی فقط ایک ہی ہیں۔ رداڈائجسٹ کے توسط سے میں اپنے میاں جی سکندر صاحب کو محبت بھری عید مبارک کہنا چاہوں گی۔

☆ کبھی پردیس میں عید گزارنے کا اتفاق نہیں ہوا ہاں جب چھوٹے تھے تو دوسرے شہر ننھیال عید منانے جاتے تھے۔ خوب ہلہ گلا کرتے تھے۔ بہت مزہ آتا تھا۔

☆ عید کارڈ کی روایت تو اب ختم ہی ہو چکی ہے لیکن میری امی اور بڑے بھائی والد سب باہر مقیم ہیں تو عید کارڈ کی روایت برقرار ہے اب تک۔ میری کچھ عزیز دوست بھی شادی کے بعد بیاہ کر دوسرے شہر میں مقیم ہیں۔ ان کو بھی یہی طریقہ ہے وش کرنے کا۔

☆ جب ہم چھوٹے ہوتے تھے ابو جی عید نماز پڑھ کر واپس گھر لوٹتے تھے ہم سب بچے ان کے اطراف میں اکٹھا ہو کر عیدی کی گردان شروع کر دیتے تھے۔ اللہ پاک سلامت رکھے میرے والد کھلے دل کھلے ہاتھ سے عیدی دیتے تھے جسے ہم شام تک مختلف آئٹم کھا کر اڑا بھی دیا کرتے تھے۔ اب شادی کے بعد عیدی کو ترس گئی ہوں۔

☆ شیر خرمہ میں اچھا بناتی ہوں۔ جب ہم ہر عید پر دوسرے شہر سسرال جا کر عید مناتے ہیں تو میں ہی اکثر و بیشتر بناتی ہوں۔ بلکہ میرے ہاتھ کی کھیر سب کو پسند ہے۔ میں کھیر بھی ساتھ بناتی ہوں۔ کھانے کی نوبت کم ہی آتی ہے کام کاج میں۔

☆ عید کے حوالے سے رداڈائجسٹ کی شائع ہونے والی ہر تحریر میری پسندیدہ تحریر ہے۔ کیونکہ رداڈائجسٹ میں میرا قلمی سفر شروع ہوا جو مجھے از حد پسند ہے۔

سپاس گل ـــــ رحیم یار خان

☆ الحمدللہ عید کے حوالے سے برا واقعہ کوئی نہیں ہے اور اللہ پاک سے دعا ہے کہ کبھی ہو بھی نہیں، آمین۔ اچھا اور یادگار واقعہ یہ ہے کہ عید کے دوسرے دن ہماری بھانجی ندا پیدا ہوئی تھیں۔ آج ماشاءاللہ الحمدللہ وہ چھ برس کی ہو چکی ہیں اور تین برس کی پیاری سی گڑیا جیسی لگتی ہیں۔ ہمارے لیے تو ہر وہ عید اچھی اور یادگار ہوتی ہے جس پر ہم سب گھر والے ایک ساتھ ہوتے ہیں۔ اللہ پاک ہمارا یہ ساتھ محبت و احساس کے ساتھ ہمیشہ بنائے رکھے، آمین۔

☆ بھئی عید کا چاند تو سال میں دو بار نظر آجاتا ہے جب کہ ہمارا چاند کچھ زیادہ ہی شرمیلا واقع ہوا ہے ہمیشہ بادلوں فاصلوں کے پردوں میں چھپا رہتا ہے، ہاہاہا۔

☆ جی ہاں ایک بار اتفاق ہوا تھا پردیس میں عید گزارنے کا۔ بس گزارنے کی ہی اذیت محسوس کی تھی۔ اپنوں کے بنا پردیس میں عید ایسی ہی ہوتی ہے جیسی چینی کے بنا سویاں اور دودھ کے بنا شیر خرمہ، چوڑی کے بنا سونی کلائی اور مہندی کے بنا بے رنگ اور پھیکے ہاتھ۔ عید کا اصل لطف اور حقیقی مزا تو اپنے دیس میں اپنے بھیس میں اپنے رشتوں اور اپنوں کے ساتھ ہی آتا ہے۔

☆ شاید ہم وہ نادان ہیں جو ماضی کے دریچوں سے ابھی تک لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں۔ اسکول، کالج کے سب شوق ختم ہو چکے مگر عید کارڈ بھیجنے کا شوق، روایت اور خوب صورت اظہار ہم نے ابھی تک ختم نہیں کیا اپنی کلوز فرینڈز کو ہم آج بھی عید کارڈز بھیجتے ہیں پھر چاہے وہ ہمیں عید کارڈ بھیجیں یا نہ بھیجیں ہم تو عید کارڈ میں اپنی شاعری بھی لکھ بھیجتے ہیں جبھی ویسے تو وہ سنتے نہیں ہیں ہاہاہا۔ تو عید کارڈ کے بہانے اپنا کلام بھی نذر کر دیتے ہیں۔ ہے نا ایک پنتھ دو کاج؟

☆ ہم ہاں جناب ہم ہی کنجوس ہیں یا تو ہم عیدی دیتے نہیں ہیں اور اگر دیتے ہیں تو پھر حاتم طائی کی قبر پر ایسی لات مارتے ہیں کہ وہ بھی بلبلا اٹھتا ہوگا قبر میں، ہاں تو اور کیا۔ بچوں کی جیب گرم کر دیتے ہیں اور اپنی ٹھنڈی، ہاہاہا۔

☆ شیر خرمہ پکانے میں ہم ماہر ہیں الحمدللہ۔ کھانے میں چور ہیں۔ امی حضور کئی بار کہتی ہیں کہ تم بھی کھا لو تم تو کھا لیتیں تب کہیں جا کے ہم ایک پیالی کھانے کی زحمت کرتے ہیں ویسے ہمیں شیر خرمہ پسند بہت ہے۔

☆ عید کے حوالے سے ردا کی ہر تحریر ہی خوب صورت ہوتی ہے۔ ہمیں تو عید سروے صالحہ آپی کا ''گوشہ آپی'' بہت اچھا لگتا ہے۔ عید کی شاعری پکوان بھی لاجواب ہوتے ہیں۔ ردا میں آخر میں صالحہ آپی! نورین ملک آپی اور ردا کے تمام رائٹرز، ٹیم اسٹاف اراکین کو ریڈرز کو تمام مسلمانوں کو عید الفطر بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ! عید کا دن ہم سب کے لیے ہمارے وطن کے لیے حقیقی خوشیوں کے ساتھ ہماری زندگیوں میں طلوع کرے، آمین۔

ماور اشارت چیمہ ——— وزیر آباد

السلام علیکم! تمام ردا اسٹاف اور قارئین کو تہہ دل سے عید الفطر کی مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ سخت گرمی کے روزوں کے بعد عید واقعی ہی انعام باری تعالیٰ ہے۔ اب آتے ہیں سوالات کی طرف۔

☆ عید کے حوالے سے کوئی برا واقعہ تو نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے اچھے واقعات بہت ہیں۔ مہمان آتے ہیں اور سب مل کر سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں تو عید کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ سب سے زیادہ خوشی جس چیز سے محسوس ہوتی ہے وہ سفید پوش لوگوں کو اپنے ساتھ اپنی خوشیوں میں شامل کرنے سے ہوتی ہے۔ میں سب سے گزارش کروں گی اپنی خوشیوں میں ایسے لوگوں کو یاد رکھیے جو آپ کی نظر کرم کے حقدار ہیں۔

☆ ہاہاہا...... واہ مزہ آ گیا سوال پڑھ کر۔ تو عید کے چاند اور میرے چاند میں یہ مماثلت ہے کہ دونوں خوب صورت ہیں...... انوکھے، دلکش، روشن ہیں۔ بس اتنا کافی ہے کہیں عید کا چاند شرما نہ جائے۔

☆ جی نہیں۔ کبھی ایسا واقعہ یا اتفاق نہیں ہوا۔ مستقبل میں امید ضرور ہے۔ وہ تجربہ پھر سہی۔

☆ میرے بچپن کے دن
کتنے اچھے تھے دن

تو عید کارڈ کی روایت بچپن کے ساتھ ہی چھوٹ گئی۔ اب تو شادی کارڈ کی نوبت آ پہنچی ہے۔

☆ اس معاملے میں کنجوس میری ماما ہیں۔ سب کو دیتے، دیتے میری باری سب ختم۔ ''حسرت ان غنچوں پہ جو بن کھلے مرجھا گئے۔''

☆ کھانے میں ماہر ہوں لیکن ہیلپ ضرور کرتی ہوں ہر کام کے لیے۔

☆ ہر تحریر اعلیٰ ہوتی ہے لکھنے والے نے اپنے جذبات لکھے ہوتے ہیں تو جذبات کی قدر کرنی چاہیے۔

ایقان علی ——— کمالیہ

☆ ویسے تو ہر عید ہی یادگار ہوتی ہے۔ اب جب سے رمضان گرمیوں میں آنے لگا ہے تو ریکارڈ توڑ گرمی ہر عید کو یادگار بنا دیتی ہے۔ پہلے بہت پہلے کی وہ عید یاد ہے جس پر میرے ابو کی دادی کا انتقال ہو گیا اور سب گھر والوں کو ادھر جانا پڑ گیا۔ وہ تاریخی جملہ ''اس دادی کو بھی آج ہی مرنا تھا''۔ پچھلے سال مجھے انٹری ٹیسٹ کی تیاری کرنی تھی تو عید ہیکٹر پا، ویکٹرز اور آرگینک کیمسٹری کو رٹے مارنے میں گزر گئی۔

☆ عید کے چاند اور میرے چاند میں کوئی مماثلت نہیں۔ عید کا چاند تو جناب نظر ہی نہیں آتا۔ آ بھی جائے تو شرمیلا اتنا کہ جھٹ سے غائب اور پھر ہے ایک لکیر برابر، پورے جوبن پر آ جائے تو داغ دھبوں سے بھر جاتا ہے۔ میرا چاند تو ماشاء اللہ چندے آفتاب (نہیں چندے ماہتاب نہیں......) ایسا حسین، ایسا جمیل، ایسا...... ایسا کہ کیا بتاؤں دل چاہتا ہے بس اسے ہی دیکھتے چلے جائیں۔

ایک منٹ...... آپ کیا سمجھ رہی ہیں میں ''میرا چاند'' کسے کہہ رہی ہوں؟ نہیں نہیں آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میرا چاند مطلب میرا بقلم خود میرا چہرہ شریف...... آپ کیا سمجھیں؟

☆جی نہیں۔

☆عید کارڈ تو ہم تب بھی نہیں بھیجتے تھے جب یہ اپنے عروج پر تھے۔ کسے بھیجیں؟ رشتے وار سارے بھونکنے لائق ہیں (اف اللہ اگر جو کوئی پڑھ لے یہ تو کیسا فساد برپا ہوگا)

☆یہ کنجوس پن کے تو جی مقابلے لگتے ہیں ہمارے خاندان میں۔ ایک سے ایک بڑھ کر مہا کنجوس۔ اول پوزیشن ہمارے ماموں صاحب کو ملنی چاہیے۔ اف..... ایک پھوٹی کوڑی دینے کو راضی نہیں۔ دوسرے نمبر پر ہمارے والدِ محترم..... اس دور میں بھی ان کا بس نہیں چلتا ہمیں دس دس روپے پکڑا دیں..... تیسرے نمبر پر ہمارے سارے ددھیال والے سب کے سب۔

☆شیر خرمہ؟ یہ کیا کھانے کی چیز ہوتی ہے؟ عائشہ آپی یہ شیر خرمہ کیا ہے؟ جواب آیا جب شیر زور سے دھاڑتا ہے تو سب خراماں چلنے والے جانور سرپٹ دوڑنے لگتے ہیں۔ اسے ہی کہتے ہیں کیا واقعی؟ ماما ماما یہ کیا ہے۔ شیر خراماں..... نہیں نہیں شیر خرمہ اچھا اچھا وہ سویاں جو گلاس میں ڈال کر پیتے ہیں۔

ناں جی، نہ تو ہم کھانے میں ماہر اور نہ ہی پینے..... میرا مطلب ہے پکانے میں ماہر ہیں۔

☆عید کے حوالے سے ایک تحریر یاد ہے جس میں وہ ہیرو ہیروئن پسند کی شادی کرلیتے ہیں۔ غالباً ماریہ اور دانیال، پھر ان میں جھگڑے ہوجاتے ہیں اوہ ہاں یہ تو میری اپنی کہانی ہے۔

ایک اور کہانی بھی یاد ہے جس میں ہیرو ایک غیر مسلم لڑکی کے لیے اپنی بیوی کو چھوڑتا ہے..... عائشہ والی اوہ اگین یہ میری ہے..... اوہ سوری..... چاند رات کا..... نہیں نہیں یہ بھی میری ہے..... میں کیوں اپنے منہ خود میاں مٹھو بن رہی ہوں۔

اچھا اب بہت ہوگیا مذاق..... عید کے حوالے سے کہانیوں میں مصباح مسکان کی "حادی، حدی اور عید" یاد ہے۔ رانی میرے خوابوں کی جویریہ اتنا تلخ نہ لکھا کرو یار۔

فریدہ فرید کی "عید وصال" اچھی رومینٹک کہانی تھی۔ عائشہ الیاس کی "چاند رات کی چاندنی" اگین جویریہ کی "محبت سجوگ ہے جاناں" میں نے ہی ڈھونڈی تھی ناں ایسی شاندار شاعری۔ نائلہ طارق کی "اترے چاند دریچے میں" جس سے محبت ہوتی ہے تو اس کو خوش رکھنے والی ہر چیز سے محبت کی جاتی ہے۔ ویلڈن۔

آخر میں ردا ڈائجسٹ کی آپی صالحہ محمود کو، تمام مصنفین اور قارئین اور ساری ٹیم کو ایقان علی کی طرف سے ایڈوانس عید مبارک۔ (بہت عجیب لگ رہا ہے شعبان کو ہی عید مبارک کہنا)۔

شہلا گل سحر صالح ــــ کوہاٹ

☆عید کے حوالے سے واقعات بہت ہیں۔ بہت سے یادگار بھی ہیں مگر ایک عید پر ہم نے چاند رات پر بہت اہتمام کیا تھا۔ روم کی نئے سرے سے سیٹنگ کی تھی۔ گھومنے پھرنے کا پروگرام بنایا تھا مگر عید کی صبح میری نانی کی اچانک Death ہوگئی تھی۔ ہم سب کزنز ملی تھیں مگر رونی دھونی اور اس عید پر شدید بارش بھی ہوئی تھی۔ عید کا دن نانی سے دائمی جدائی کا دن بن گیا تھا۔

☆زبردست مماثلت ہے۔ دونوں سال کے بعد ہی نظر آتے ہیں۔

☆ہائے ہائے مجبوری، یہ عید اور یہ دوری۔ شوہر کے بغیر سسرال پردیس سے کم نہیں ہے۔

☆بہت عید کارڈ لیے بہت دیئے مگر اب نیٹ اور موبائل نے سب کچھ ختم کردیا۔

☆توبہ توبہ دینے میں سب کنجوس اور لینے میں انتہائی ڈھیٹ۔

☆پکانے میں ماہر ہے۔ انگلیاں چاٹ لی جاتی ہیں (آزمائش شرط ہے)

☆جولائی 2015ء میں صالحہ آپیا کا افسانہ "چھپ گیا چاند دھند لکے میں" بے اختیار آنکھیں نم ہوگئیں۔ ہماری بھی ایک بڑی بہن ہے جو ہم سب کو بہت پیاری ہے۔ ☆☆

رداکی ڈائری

عائشہ کی ڈائری سے

عید اب کے برس نہیں آئی

ہے وہی آسماں، زمین وہی
ماہ و انجم اسی طرح روشن
کہکشاں اب بھی مسکراتی ہے
پھول کلیاں مہک رہی ہیں یونہی
بعد مدت کے سارے پردیسی
اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے
ہر طرف رنگ و بو کا میلہ ہے
اور تنہا میں اپنے کمرے میں
کب سے بیٹھی ہوں اور سوچتی ہوں
جانے کیا بات ہے کہ گھر میں میرے
جو گزشتہ برس تھی رونق اب
وہ کہیں بھی نظر نہیں آتی
ہے فضا میں عجیب سناٹا
ہاں فقط ایک تیرے جانے سے
ایسا محسوس ہو رہا ہے مجھے ۔
رت خوشی کی ہے ہر طرف آئی
صرف چھوٹے سے میرے آنگن میں
عید اب کے برس نہیں آئی
عید اب کے برس نہیں آئی

خدیجہ کی ڈائری سے

ایک نظم

بھیڑ دیکھی تو خیال آیا ہمیں
جانے کب بچھڑے ہوئے لوگ ملیں
جی میں آیا ابھی تم سے کہیں
عید کا چاند مبارک ہو تمہیں
ہم نہیں خاموش ہمیں ڈر ہے یہی
لب کھلیں گے تو پکاریں گے تمہیں
تم سے بچھڑے ہوئے برسوں بیتے
تم سے کہنا ہے یہی آج ہمیں
مانگنا بھول نہ جانا ہم کو
چاند کو دیکھ کر اگر ہاتھ اٹھیں

نوشین بدر کی ڈائری سے

عید مبارک

ہجر کے لمحوں کی ساری
اذیت اس پل ہوگئی دور
تم نے جب دھیرے سے چاہت بھرے
وصل لمحوں کی مہک کے ساتھ کہا
عید مبارک

عاصیہ نیازی کی ڈائری سے

فاطمہ نجیب کی نظم

عید آئی گلاب مہکے
ہماری آنکھوں کے خواب مہکے
مہکتی کلیوں کو دیکھ کر پھر
محبتوں کی وہ سوئی خواہش
چیخ کے بیدار ہوگئی ہے
گلوں کے شانے پر سر ٹکا کے

ہوا بھی سرشار ہو گئی ہے
وہ بھولے بسرے تمام لمحے
وہ ساعتیں وہ تمام جذبے
جو وقت کی دھول میں اٹ گئے تھے
خود اپنے اندر سمٹ گئے تھے
وہ لے کے انگڑائیاں جی اٹھے ہیں
ہماری آنکھوں میں جھانکتے ہیں
اے کاش دل کی ویران زمیں پر
محبتوں کی پھوار برسے
بری برکھا کہاں مقدر
دو بوند ہی تیرا پیار برسے
تو دیکھنا پھر کہ جان جاناں
ہماری آنکھوں کے ٹمٹماتے
چراغ یوں لو دے اٹھیں گے
کہ چاند سورج مدھم لگیں گے
دل کے غنچے یوں کھل اٹھیں گے
کہ پھول بھی مسکرا کے اپنی
قباؤں کو پھر سمیٹ لیں گے

کیتی آراء کی ڈائری سے

علامہ اقبال کی ایک خوب صورت غزل

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی
تمہارے پیار نے سب راز کھولا
خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی
بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا
تیری آنکھ مستی میں ہشیار کیا تھی
تامل تو تھا ان کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طرز انکار کیا تھی
کھنچے خود بخود جانب طور موسیٰ
کشش تیری اے شوق دیدار کیا تھی
کہیں ذکر رہتا ہے اقبال تیرا
فسوں تھا کوئی تیری گفتار کیا تھی

ریما نور رضوان کی ڈائری سے

سباس گل کی غزل

عید کا دن اور ہم جاناں
آنکھ پھر سے ہوئی نم جاناں
روز عید تو کبھی آ کے عید ملتے ہیں
ہم سے ملتا ہے تیرا غم جاناں
وہی لمحہ بنے گا عید اپنی جب
گھر میں قدم رکھو گے جاناں
ہم زمین پر اور چاند افق پر تنہا
فاصلہ یہ ہو گا کیسے کم جاناں
گئے برس کی طرح پھر سے عید آئی ہے
ڈھونڈتی ہے تمہیں چشم نم جاناں
دیر اب بھی نہیں ہوئی آؤ
عید مل کر منائیں جاناں

روشنی فیصل کی ڈائری سے

امجد اسلام امجد کی ایک غزل

تم سے بچھڑ کر ملنا اچھا لگا
تم سے تم تک کا فاصلہ اچھا لگا
غصے سے گھور کر تمہارا دیکھنا
پھر کھلکھلا کے ہنسنا اچھا لگا
تمہارا آنکھوں سے آنکھیں ملا کر دیکھنا
یوں شرارت سے اچھا لگا
تمہارے ہونٹوں پہ پھیلتی
بے ساختہ سی مسکراہٹ دیکھنا اچھا لگا
پوچھا مجھ سے میں کیسا لگا
تمہارا یوں پوچھنے کا انداز اچھا لگا

☆

اشعار

مریم .... کراچی
خط میں لکھا ہے عید کب ہو گی
ہم کو تاریخ لکھ کر بھجوائیں
چونکہ جھگڑا تھا اس لیے ہم نے
لکھ دیا آپ جب بھی آجائیں

عانیہ نیازی .... ربوہ
تارے اترے جب پھیلایا دامن کو
عید کے چاند میں دیکھا میں نے ساجن کو
چاند رات کی مہندی مجھ سے کہتی ہے
تم بھی اک پیغام لکھو نا ساجن کو

حنا علی .... سیالکوٹ
عید آئی ہے تو آنکھوں میں اتر آئے ہیں
ہجر کی اوس میں بھیگے ہوئے پنچھی کتنے

رابعہ منیر .... سرگودھا
اک بچھڑے ہوئے انسان کی رفاقت کے بغیر
گلشن دل میرا ویران رہا عید کے دن
اے غم دوست تجھے میری وفاؤں کی قسم
میری پلکوں پہ ستارے نہ سجا عید کے دن

نوشین مدثر .... لاہور
ہلال عید دیکھ کے مانگتی رہی ہوں جو دعا
اب کی بار شاید وہ باثر ہو جائے

امبرین حیدر .... اسلام آباد
میں تیری راہ میں بکھر جاؤں خوشبوؤں کی طرح
میرے لیے تو بس یہی ہے ملتجائے عید

نگہت توقیر .... چیچہ وطنی
جس سے چاند تیرے بام پر ابھرا ہو گا
تو نے اس پل میں اسے غور سے دیکھا ہو گا
عید کے کارڈز تیری میز پر بکھرے ہوں گے
اور سرہانے کوئی پھول بھی رکھا ہو گا

حیا سحر .... ہارون آباد
اس نے بھیجے ہیں چاہت میں لپٹے ہوئے
پھول، خوشبو، حنا، چوڑیاں عید پر
کاش وہ آجائے جس کے ہیں منتظر
میرا دل بام و در کھڑکیاں عید پر

نور بانو .... کوئٹہ
سچ سچ اگر ہے الفت لوٹ آؤ جانِ جاں
لگاتا ہے اور آگ یہ بھیجا ہوا ساماں
تحفہ کیا ہر دفعہ ہی دوری میں عید ہو
تحفہ دو تو یہ دو جو تحفہ دید ہو

اریشہ .... کمالیہ
کاش عید سعید کے حسین لمحوں میں
میری ذات گم گشتہ بھی تجھے یاد آئے

عمارہ شکیل .... کوہاٹ
چاک داماں کو جو دیکھا تو ملا عید کا چاند
اپنی تصویر کہاں بھول گیا عید کا چاند
ان کے ابروئے خمیدہ کی طرح تیکھا ہے
اپنی آنکھوں میں بڑی دیر چھپا عید کا چاند

نیناں تبسم............... راولپنڈی
وفا کا سندیس لے کر اترے تمہارے آنگن میں
گواہ رفاقتوں کا محبتوں کا بن کر ہلال عید
تمہارے روز و شب یونہی فروزاں رہیں ہر دم
ہر شب، شب برات ہو ہر روز روزِ عید
سباس گل............. رحیم یار خان
سنو تم چاند جیسے ہو
مگر گہنا نہیں جانا
فرزانہ شوکت........... کراچی
تم مجھ سے بچھڑ کر میری خواہش نہ رہنا
جب دھوپ کو سہنا ہے تو بارش میں نہ رہنا
سچائی کے رستے میں نہیں سائبان کوئی
چلنا ہے تو پھر چھاؤں کی خواہش میں رہنا
راؤ تہذیب حسین تہذیب......... رحیم یار خان
اس طرح بچھڑے چمن سے طائرا نہ دلربا
ایک ویرانی سی اب اس گلشنِ ہستی میں ہے
کیا کوئی گل پھر فدا شان چمن پر ہو گیا
کیسی یہ آواز رونے کی چمن بستی میں ہے
سعدیہ عابد.............. کراچی
میں اگرچہ آخری زمانے میں پیدا ہوا ہوں
لیکن وہ کام کروں گا جو میرے پیشرو نہ کر سکے
سید بشارت شاہ............. کراچی
ڈرنے لگے ہیں ان سے ہم خاک نشین لوگ
دیتے ہیں پتھروں کو اذیت حسین لوگ
ریما نور رضوان............ کراچی
سنا ہے کوئی اور چاہنے لگا ہے تمہیں جان
ہم سے بڑھ کر چاہے تو بس اسی کے ہو جانا
امینہ رؤف.............. جہلم
یہ بارش کی ادا بھی کتنی ظالم ہے مسکان
یاد دلاتی ہے بڑی شدت سے اپنے بچھڑوں کی

مصباح مسکان............. جہلم
بدلی نہیں تدبیر سے کبھی کسی کی تقدیر مسکان
جو ہو رب کو منظور وہ ہوتا ہے ضرور
سعدیہ اقبال............. کراچی
مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں
میری آہٹوں سے نہ سوال کر
میری سانسیں کب کی ہیں تھم چکیں
تم ہی تو ہو میرے زوال گر
ہاجرہ امین خان ہاجی............ کراچی
ان کے روٹھنے کی یہ ادا بھی کیا خوب ہے ہاجی
آنکھ پر ہاتھ رکھ کے کہتے ہیں ہم خفا ہیں آپ سے
امبر ہاشمی.............. کراچی
یاد رکھنا ٹوٹے اگر ہم تو بکھر تم بھی جاؤ گے
ہم نے خود میں تم کو پرویا ہے تسبیح کی طرح
رمشا.............. کراچی
ملنے کا وعدہ منہ سے تو ان کے نکل گیا
پوچھی جگہ جو میں نے کہا ہنس کے خواب میں
سدرہ شاہین............. خانیوال
لب پر مسکان لاتے کیوں ہو؟
ہم کو روز ستاتے کیوں ہو؟
کردو نا اظہارِ محبت
شاہین سے کتراتے کیوں ہو؟
نوشین مدثر............. لاہور
یہ کیا ہوا کہ بھرے آسمان کے آنگن میں
بچھڑ گیا وہ ستارہ جو ہمارے نام کا تھا
بڑھا کے اس سے راہ رسم یہ سوچتے ہیں
وہی بہت تھا رشتہ جو دعا سلام کا تھا
رابعہ منیر............... سرگودھا
آئینہ دیکھ کے خوش ہیں میری آنکھیں بے حد
کہ میرے چہرے میں شباہت میری ماں کی ہے

......☆......

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

کیا واقعی دنیا گول ہے

ہم اس دھرتی کا گز بنے اور بحرِ ظلمت میں گھوڑے دوڑائے لیکن ہمیں تو ہر چیز چپٹی ہی نظر آئی۔ دنیا سے زیادہ گول تو ہم خود ہیں کہ پیکنگ سے لڑھکتے ہوئے پیرس پہنچ گئے اور کوپن ہیگن سے پھسلے تو کولمبو میں آکر رکے بلکہ ''جکارتہ'' پہنچ کر دم لیا۔ دنیا کے گول ہونے کا اقرار کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یقین نہ ہو تو مشرق کی طرف جاؤ، چکر کاٹ کر مغرب کی طرف سے پھر اپنے تھان پر آکر کھڑے ہوں گے اس میں ہمیشہ ایک یہ ہی خطرہ نظر آیا ہے کہ کہیں گولائی کی طرف رینگتے ہوئے نیچے نہ گر پڑیں چونکہ یہ کوئی چھپکلی تھوڑی ہی ہیں۔ اس لڑکے کا واقعہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ آدھ سیر تیل لینے کے لیے کٹورا لے کر گیا تھا کٹورا تھا چھوٹا بھر گیا دکان دار نے کہا ''باقی کس میں ڈالوں؟''

برخوردار نے کٹورا اوندھا کر کے کہا۔

''ادھر پیندے کے حلقے میں ڈال دو۔''

پیندا اوپر کر کے گھر گیا ماں نے کہا۔

''بیٹا! میں نے آدھا سیر تیل لانے کو کہا تھا بس اتنا سا؟''

اس دانش مند نے اسے بھی الٹ کر کہا۔

''ادھر بھی تو ہے۔''

''دنیا گول ہے'' ابن انشاء

انتخاب: دھنک ناز......کراچی

اس ماہ کے اقوال

☆ جہاں محبت ہلکی ہو عیب بھاری نظر آتے ہیں۔

☆ اسے المیہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ آج کا انسان کچھ بھی کھوئے بغیر بہت کچھ پانا چاہتا ہے۔

☆ محبت دکھ نہیں دیتی یہ دکھ ہم خود مستعار لیتے ہیں اپنے غلط فیصلوں اور غلط نقطۂ نظر سے۔

☆ عالم سے ایک گھنٹے کی گفتگو دس برس کے مطالعے سے زیادہ بہتر ہے۔

☆ سیدھی اور صاف بات کہنے سے نقصان بہت تھوڑا مگر فائدہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

☆ اپنی بات کی وضاحت مت کرو، تمہارے دوست کو اس کی ضرورت نہیں ہوگی اور تمہارے دشمن اس پر یقین نہیں کریں گے۔

سدرہ علی......مظفر گڑھ

اس ماہ کا مزاحیہ قطعہ

نسلِ نو

یونہی نسلِ نو سے کچھ مایوس ہیں اہلِ قلم
جب کہ میرا مشورہ اک نوجواں کو بھا گیا
یہ کہا تھا اب قلم پر بھی توجہ دیجیے
اگلے ہفتے نوجوان قلمیں بڑھا کے آگیا

نوشین مدثر......لاہور

اس ماہ کا قطعہ

چل دیئے اور میرا درد بڑھا کر ظالم
مہرباں وہ جو میرا درد بٹانے آئے
اجنبی بن کے زمانے میں رہے ہم تہذیب
ہم پہ کچھ وہ بھی زمانے میں زمانے آئے

راؤ تہذیب حسین تہذیب......رحیم یار خان

اس ماہ کا بچھڑنا

عید کے دن تم آئے
ہمارے بچھڑنے کی
نوید سنگ لائے!!

ماہ نور......کراچی

اس ماہ کے اقوال حضرت علیؓ

☆ جس شخص میں حیا نہیں ہوتی اس میں کوئی خیر اور خوبی نہیں ہوتی۔
☆ سب سے زیادہ بچانے والی چیز پرہیزگاری اور گناہوں سے دوری ہے۔
☆ حاسد کو کبھی شفا نہیں، خائن سے کبھی وفا نہیں اور بخیل سے کبھی مروت نہیں۔
☆ گونگا ہونا جھوٹ بولنے سے بہتر ہے۔
☆ استقامت میں سلامتی اور برائی میں ندامت ہے۔
☆ بردباری عقل کا اور سچائی بزرگی کا کمال ہے۔
☆ سچائی ایمان کا نہایت مضبوط ستون ہے۔
☆ اگر کوئی شخص دوستی کے اہل نہ ملے تو کسی نااہل سے دوستی مت کر۔

نور بانو......کوئٹہ

اس ماہ زندگی کیسی لگتی ہے؟

مفکرین اور دانشوروں نے زندگی کی اپنے اپنے انداز میں تعریف و وضاحت کی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ زندگی زندہ دلی ہے تو کسی کا کہنا ہے کہ زندگی ایک آزمائش ہے مگر دراصل "زندگی" ہمارے لیے خدا کا ایک بہترین انعام ہے۔ ہمیں ہر آن اس نعمت خداوندی کا احسان بجا لانا چاہیے کیونکہ یہ اشرف المخلوقات کے لیے انتہائی خوب صورت اور اہم ہوتی ہے۔ زندگی رشتوں کے باہم امتزاج اور محبت سے پروان چڑھتی ہے۔

زندگی چونکہ انسان کو فقط ایک بار ملتی ہے اس لیے اس کو بھرپور طریقے سے جی لینا چاہیے۔ ہم اس دنیا میں اللہ رب العزت کے خلیفہ بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم اس معبود برحق کے احکامات کی پیروی کر کے اپنی زندگی کو پرسکون اور پرلطف بنائیں۔ اس کے علاوہ دین کے ساتھ ساتھ دنیاوی طور پر بھی ہماری زندگی کے مختلف مقاصد اور فرائض ہیں۔ مثلاً بہترین تربیت، اعلیٰ تعلیم کا حصول اور سب سے بڑی بات خلق خدا کی خدمت اور حسن اخلاق۔ ان تمام باتوں کو اگر ہم اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں تو اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ زندگی انتہائی دلکش و حسین ہو جائے گی۔

لیکن ہمارے معاشرے میں بعض ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو زندگی کو بے حد مایوسی اور اداسی سے بسر کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ زندگی میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں، خوشی اور غم کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے مگر کسی بھی غم یا پریشانی پر اداس ہو کر ساری زندگی مایوسی کا شکار رہنا قطعاً غلط اور بزدلانہ عمل ہے۔ ایسے لوگ زندگی جیسی عظیم نعمت کی قدر نہیں کرتے۔ اس لیے ہمیشہ مایوسی و کرب میں مبتلا رہ کر خود کو برباد کر لیتے ہیں۔ وہ زندہ رہ کر بھی زندہ لوگوں میں شمار نہیں ہوتے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم بھرپور طریقے سے خوش و خرم ہو کر زندگی گزاریں اور اس کا لطف اٹھائیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

ایس امتیاز احمد......کراچی

نورین ملک

خوشبو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مٹ چکی تھی تو اس کو ان لوگوں کے ثواب کے برابر اجر ملے گا جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں ہوگی اور جس نے کوئی بدعت کا کام ایجاد کیا جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پسند نہیں فرماتے تو اس کو ان لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ملے گا جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی"۔(ترمذی)

رسول کریمؐ سورج ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے 4 رکعت (سنت) پڑھا کرتے اور آپؐ نے فرمایا: "یہ ایسا وقت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا نیک عمل (نماز پڑھنا) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو"۔(ترمذی)

حضرت عمران بن حسینؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اپنے مومن، تنگ دست، سوال سے بچنے والے بال بچوں والے بندے سے محبت فرماتا ہے۔"

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "نادار مومن دولت مندوں سے آدھا دن یعنی پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔(صحیح مسلم)

سیدہ نورین۔ کراچی

حکایت

عربی کی ایک حکایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین گئے تو انہیں بخار نے آلیا اور اس کے بعد بھوک ستانے لگی تو انہوں نے دعا مانگی۔

"اے میرے رب! میں مسافر بھی ہوں، مریض بھی ہوں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

اللہ جل شانہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے موسیٰ (علیہ السلام) کیا تو جانتا ہے کہ غریب کون ہے۔ مریض کون ہے اور بغیر مال والا کون ہوتا ہے؟"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ "اے میرے پروردگار مجھے اس کا کچھ علم نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "غریب وہ ہے جس کا مجھ جیسا پروردگار نہ ہو۔ مریض وہ ہے جس کا مجھ جیسا طبیب نہ اور بغیر مال والا وہ ہے جس کا مجھ جیسا کارساز نہ ہو۔"

ریحانہ۔ لاہور

مہکتی کرنیں

☆ جب ہم کسی سے رشتہ جوڑتے ہیں تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے بعد میں وجہ ختم ہو جاتی ہے، رشتہ رہ جاتا ہے۔

☆ بعض لوگوں کی زندگی میں اگر غم بڑھ جائیں تو قہقہوں میں شدت آجاتی ہے کبھی شعوری طور پر اور کبھی لاشعوری طور پر۔

☆ فاصلے بڑھ جائیں تو دلوں کے بندھن کمزور نہیں پڑتے کبھی کبھی ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔

☆ انتظار مرتا نہیں، آنکھوں میں جم جاتا ہے
ہاں بس آنکھیں مرجاتی ہیں۔
☆ اکثر محبتیں اس لیے ضائع ہو جاتی ہیں کہ ہم غلط انسان کو سونپ دیتے ہیں۔
☆ رشتے جب اذیت کے سوا کچھ نہ دیں تو ان سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے خواہ وقتی ہی سہی۔
☆ میں نے دو طرح کے لوگوں سے دھوکا کھایا ہے ایک وہ جو میرے اپنے نہیں تھے اور ایک وہ جو میرے بہت اپنے تھے۔

دھنک ناز۔ کراچی

کبھی کبھی

کبھی کبھی زندگی میں صحیح آدمی کا انتظار اسی طرح ہے جیسے ایئرپورٹ پر کھڑے ہو کر ٹرین کا انتظار کیا جائے۔

ابرین حیدر۔ اسلام آباد

فرق

صورت اور سیرت میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ صورت دھوکا دیتی ہے جب کہ سیرت پہچان کراتی ہے۔

حنا علی۔ سیالکوٹ

حضرت علیؓ کے اقوال

☆ مشکلات ہمیشہ بہترین لوگوں کے حصے میں آتی ہیں کیوں کہ وہ اس کو بہترین طریقے سے انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
☆ دنیا اس کو یتیم سمجھتی ہے جس کے ماں باپ نہیں ہوتے مگر میں اس کو یتیم سمجھتا ہوں جس کے اچھے دوست نہ ہوں۔
☆ بیکاری میں عشق بازی یاد آجاتی ہے۔
☆ عقیدہ میں شک رکھنا شرک کے برابر ہے۔
☆ موت ایک بے خبر ساتھی ہے۔
☆ زمانہ کے پل پل کے اندر آفات پوشیدہ ہیں۔

☆ معافی نہایت اچھا انتقام ہے۔

رخسانہ۔ جلالپور

وہ بیتے دن یاد ہیں......!

زمانہ واقعی بدل چکا ہے۔ اب تو ہر پل بیتے دن یاد آتے ہیں۔ بچپن میں جب ہم چھوٹے تھے تب ہم کاکے تھے اور آج بھی ہم نام کے کاکے ہی ہیں۔
جب ہم واقعی چھوٹے تھے تو محلے میں کوئی امیر خاندان بکرا قربانی کے لیے خریدتا تو سب لوگ ان سے پوچھتے۔ ”بھائی صاحب بکرا کتنے میں خریدا؟“ اور وہ کہتے۔ ”2 ہزار میں لیا ہے۔“ یہ بات پورے محلے میں پھیل جاتی اور اگلی عید تک قربانی کے بکرے کا چرچا رہتا۔ وقت بدلا، ہزار والا بکرا 20 ہزار میں بدل گیا جب کہ چرچے والی بھی نہ ہوئی۔
اب جدید زمانے میں لوگ بکرے کو تو نہیں البتہ آٹے کے تھیلے کو نایاب بنا بیٹھے ہیں۔ کل ایک نوجوان آٹے کا تھیلہ لے کر گزرا تو سارے محلے نے پوچھا۔ ”بھائی کتنے کا لیا اور کہاں سے لیا؟“ یہ سن کر مجھے بچپن والا بکرا یاد آگیا۔ اب بکرا تو مل جاتا ہے آٹے کا تھیلا نہیں ملتا۔ روٹی نہیں مل رہی بکرا مل رہا ہے۔ ہمارے ملک کا تو امریکہ سے بھی زیادہ نخرہ ہو گیا ہے۔ آٹے کی قلت ہے اور بکرے کی فراوانی۔
پچھلے زمانے میں ساس اور بہو، ماں بیٹی کے روپ میں ایک دوسرے کا خیال رکھتی تھیں۔ جدید زمانے میں بھارتی چینلز نے ساس، بہو کو دشمن کے روپ میں پیش کر کے لوگوں کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ ماں ہر روپ میں رحمت اور نعمت ہے اور رہے گی۔ بہو ہر روپ میں عزت اور پیار کے قابل رہی ہے اور رہے گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساس اور بہو ایک دوسرے کی عزت کریں۔ انڈین ڈراموں پر لعنت بھیجیں اور گھر کو جنت بنائیں۔ ماضی میں بھی گھر پیار کے بندھن میں بندھے تھے اور آج بھی بندھ سکتے ہیں صرف خلوص اور محبت سے۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

خوشبو

☆ اخلاق وہ چیز ہے جس کی قیمت کچھ نہیں دینی پڑتی مگر اس پر انسان خریدا جا سکتا ہے۔

☆ خوشی انسان کو اتنا نہیں سکھاتی جتنا غم۔

☆ جن کا کوئی اچھا دوست نہیں وہ خزاں رسیدہ پتوں کی طرح ہوتے ہیں۔

☆ جس دل میں برداشت کی ہمت ہو وہ کبھی شکست نہیں کھاتا۔

☆ خاموشی ایسا درخت ہے جس پر کبھی کڑوا پھل نہیں لگتا۔

☆ ذہانت ایسا پودا ہے جو محنت کے بغیر نہیں لگتا۔

☆ انسان کو خاک سے آسمان پر پہنچا دینے والی اس کی دعا ہی ہے۔

☆ بے شک مشکل وقت بتا کر نہیں آتا مگر سمجھا کر اور سکھا کر بہت کچھ جاتا ہے۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

قطعہ

میرے وطن کے سپاہی ہیں جب تلک زندہ
بقا پہ پاک وطن کی نہ آنچ آئے گی
یہ وہ وطن ہے جسے جانیں لٹا کے پایا ہے
وفا کی خوشبو نہ اس کی فضا سے جائے گی

سباس گل۔ رحیم یار خان

شرط

ایک انگریز اور ایک آئرش تھیٹر میں فلم دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ فلم میں ایک سین آتا ہے کہ ایک شخص ایک بدکے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور گھوڑا بہت تیز دوڑ رہا ہوتا ہے۔ انگریز فوراً چیخ کر کہتا ہے یہ ضرور گر جائے گا۔ آئرش بھی چیخ کر کہتا ہے کہ نہیں گرے گا۔ دونوں میں شرط لگ جاتی ہے۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ آدمی گھوڑے سے گر جاتا ہے۔ انگریز چہکتے ہوئے بولتا ہے دیکھا میں نے کہا تھا ناں یہ گر پڑے گا۔ آئرش منہ لٹکاتے ہوئے کہتا ہے۔ "دراصل میں نے کل رات بھی یہ فلم دیکھی تھی اور یہ کل رات بھی گر پڑا تھا تو میرا خیال تھا کہ اس بار یہ گھوڑا سنبھل کر چلائے گا۔

صائمہ قریشی۔ حیدرآباد

زعفرانی قطعات

چلن آلودگی نے اس طرح بدلا ہے دنیا کا
جو تھے ایذا رساں اپنے مسیحا ہوتے جاتے ہیں
بدن پہ چل کر کبھی مرض کی تشخیص کرتی ہے
ہمیں بستر پہ مچھر رات بھر ٹیکے لگاتے ہیں

☆

مالک نے ڈانٹا تو نے مچھر تو مارنے تھے
بھیں بھیں کی کچھ صدائیں کانوں میں ہو رہی ہیں
نوکر یہ بولا مچھر تو مر چکے ہیں سارے
بیوائیں ان کی آ آ کر کانوں میں رو رہی ہیں

مریم نواز۔ کراچی

مددگار

محبت خان میں مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنے کا بے حد جذبہ تھا۔ ایک روز وہ سائیکل پر اپنے گھر جا رہے تھے کہ ایک سنسان گلی میں انہوں نے ایک لمبے تڑنگے طاقتور آدمی کو دیکھا، جو ایک کمزور اور پست قد آدمی کو مار رہا تھا۔

''خبردار.... رک جاؤ، بزدل کہیں کے!'' محبت خان نے طاقتور آدمی کو للکارا اور سائیکل سے اتر کر دو چار زبردست قسم کے گھونسے رسید کر کے اسے بے ہوش کر دیا۔

تب کمزور اور منحنی سا آدمی کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا اور زمین سے ایک بٹوا اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''اب ہم اس بٹوے کے پیسے آدھے آدھے کر لیتے ہیں، جو میں نے اس آدمی کی جیب سے نکالا تھا''۔

شہروز احمد۔ سکھر

......☆......

ذرا پھر سے کہنا

رمضان کی برکتیں لو سمیٹ

رمضان کی برکتیں لو سمیٹ
مسلمانوں نیکیاں تم بھی لولوٹ
اجر نیکیوں کا ملے دونوں جہان
قربان کرو غریبوں پر سوٹ بوٹ
زندگی میں ہی کما لو نیکیاں
کیا پتا اگلے سال پھر ملے چھوٹ
ہیرا پھیری سے کنارہ کشی کرلو
ترک کردو تم فریب جھوٹ
جو آگے بھیجا سمجھو بچالیا
جو پیچھے چھوڑا اپنا پتھر، اینٹ
دو چار دن کی زندگی
نہ مچایا کرو لوٹ کھسوٹ
زبان سے نکالو میٹھی باتیں
ہو جنت نصیب کروٹ کروٹ
غریبوں یتیموں کو لو ڈھونڈ
دوسرے نہ لے جائیں لوٹ

صغریٰ کوثر

اب کے میں یوں تجھے مناؤں گی

وہ بھی عیدیں تھیں
جب تم دور تھے
بہت مجبور تھے
گزر جاتے تھے وہ دن بھی
جی رہے تھے ہم تم بن بھی
چوڑیاں میں سجاتی تھی
بن بات کھلکھلاتی تھی
دل کو یوں بہلاتی تھی
بیل بوٹے بنوا کے مہندی کے
نام تمہارا لکھواتی تھی
اب کے برس پھر آئی عید ہے
جب ہر لمحے اب تم پاس ہو
ان آنکھوں کو تمہاری دید ہے
اب کے میں یوں عید مناؤں گی
گھر اپنا روشن کر کے
گیت محبت کے گنگناؤں گی
تم سنگ ڈھیروں باتیں کر کے
تنہا چاند کو جلاؤں گی
کبھی چھیڑوں گی تم کو
کبھی خود روٹھ جاؤں گی
اب کے میں یوں عید مناؤں گی
پا کر تمہاری چاہت شکر رب کا بجالاؤں گی

درخشاں ضیاء

تحفہ عید

اعمالن داں دارومدار
نیتاں نال
نیتاں داں اثر

دعاواں نال
دعاواں داں ثواب
عبادتاں نال
عبادتاں داں احساس
روزاں نال
روزاں داں مہینہ
رمضان نال
رمضان داں دھاگہ
مسلمان نال
بندے داں تعلق
رب نال
رب دا کرم
صلاح نال
ہورا!
خوشیوں دی عطائیاں
تحفۂ عیداں

مدیحہ اعجاز

بچپن کی عیدیں

بچپن کی وہ عیدیں سنہری
بھر دیتی تھیں جھولی خوشی سے
رات کو جو خواب تھے بُنتے
صبح کو ان کی تعبیریں تھے چنتے
وہ شیر خرمہ، چوڑیاں اور مہندی گہری
خوشی سے کر دیتی تھی مست دیوانی
وہ عیدیں لینا اور مسرور رہنا
اسی خوشی میں
صبح سے شام کر دینا
نہ تھی کوئی فکر نہ ہی پریشانی
مست کر دیتی تھیں وہ عیدیں سہانی
بھلے گزار دوں میں عیدیں ہزاروں ماہی
نہیں بھولوں گی وہ عیدیں پرانی

ماریہ یاسر

کسی اپنے کے نام

سنو جاناں!
عید آنے والی ہے
سنگ اپنے خوشیاں لانے والی ہے
مسکراہٹ بکھرنے والی ہیں
مگر جاناں
میرے دل کو عید کی کوئی خوشی نہیں ہے
اس بار بھی نہ تو امنگیں جاگی ہیں اور نہ ہی خواب
دل ایک ویران جنگل کی طرح ہو گیا ہے
لیکن
اگر تم چاہو تو
اس عید پر میرے ویران جنگل کو آباد کر دو
اس عید پر آؤ اور مجھے حیران کر دو
چھوڑ دلاہور کی فضاؤں کو
میرے گھر آؤ اور
مجھے حیران کر دو تب
کہیں جا کر ہم بھی خوش ہوں
ہمارے اندر بھی خواب جاگیں اگر تم چاہو تو
ورنہ ہمیں ویران ہی رہنے دو
تنہا ہی رہنے دو ہر بار کی طرح
اس بار بھی

ثناء کنول اے ڈی

غزل

اس کا حرف حرف پھول جیسا تھا
اس قدر پیار سے نہ پکارے کوئی
نہیں دیکھا جاتا تجھے غمگین و اداس
لا دے مجھے تری آنکھوں کے ستارے کوئی

میں جو اک ناکام و نامراد راقم ہوں
میرے ہر لفظ کو سنوارے کوئی
تیرے پیار میں مٹ پر انمٹ ہوئے
میری طرح اک عمر گزارے کوئی
نہ دیکھ ہمیں ترس بھری نگاہوں سے
نہیں ڈھونڈنے نکلے ہم سہارے کوئی
بخدا سچ بولیے رب کی قسم
کیا نہیں لگتے آپ ہمارے کوئی
دل کا تار تار گریہ سے بھر آتا ہے
اس درجہ شدت سے نہ پکارے کوئی

قرۃ العین سکندر

نظم

رہتے ہیں فکر مند
تمہارے لیے
ایسی ہے یہ مشکل کھٹن
ہمارے لیے
ہر وقت ساتھ رہتا ہے
تیرا خیال
جانے کیا کیا آتی ہے سوچ
تمہارے لیے
ہے یہ محبت تم سے دشوار
ہمارے لیے

زروہ وصمان

مجھے فخر ہے اپنے ابو پر

صبح سویرے جو نکلتے کام پر
شام ڈھلے ہی آتے گھر
بھول کے دن بھر کی ساری تھکان
ہمیں کھیل کھلاتے وہ
کفالت کا ذمہ ہے ان کے سر پر
مجھے فخر ہے اپنے ابو پر
ہماری چھوٹی بڑی خواہشوں پر
دل جن کا نہ ہوتا منکر
کبھی گڑیا کبھی کتابیں
اچھے تحفے دلاتے وہ
بُری باتوں سے دور رکھتے مگر
مجھے فخر ہے اپنے ابو پر
گرچہ ہو کوئی ان کو ذاتی فکر
پر ہماری ہر خوشی پر
بھول کر سارے غم اپنے
ہمارے لیے محفل سجاتے وہ
ہمارے ہر درد کی ان کو رہتی ہر پل خبر
مجھے فخر ہے اپنے ابو پر
ان کے بوڑھے کندھوں پر
ہماری کامیابیوں کی بنیاد ہے
ان کے دل میں محبتیں
ہمارے لیے بے حساب ہیں
انہیں آج بھی ہوتی ہے ہماری فکر
مجھے فخر ہے اپنے ابو پر
آج ہیں ہم جس مقام پر
اس کا سہرا بھی ہے ان کے سر
ان کی کوشش اور لگن
نیک تمنائیں رہیں ہم پر سایہ فگن
دعائیں برسیں بن کر ابر
مجھے فخر ہے اپنے ابو پر

درخشاں ضیاء

غزل

مقدر یہ دن بھی دکھاتا ہے
مل کے کوئی کیوں بچھڑ جاتا ہے
ہر پل تجھے سوچتے ہی سوچتے رہنا

تمہیں یاد کرنے پر بھی بہانہ ہے
بہت دیر تلک تم ساتھ چلے
لحد کا راستہ تو تنہا کاٹنا ہے
وہ باتیں وہ اعتبار کا موسم
اس سینے کو ٹوٹ جانا ہے
کبھی یاد کر کے کبھی بھلا کے سحر
ایسے ہی دل کو بس بہلانا ہے
شہلا گل

ہم وہ بے درد ہیں کہ......

ہم وہ بے درد ہیں کہ
خواب لٹا کے بھی جنہیں نیند آ جاتی ہے
سوچ سوچ کر جن کے ذہنوں کو
کچھ نہیں ہوتا
ٹوٹ پھوٹ کے بھی جن کے دل
دھڑکنا یاد رکھتے ہیں
ہم وہ بے درد ہیں کہ......
جن کے آنسو آنکھوں میں ہی جم جاتے ہیں
ٹوٹ کر رونے کی خواہش میں
ہنستے ہیں اور ہنستے ہی چلے جاتے ہیں
جس کے آنسو آنکھوں کا راستہ بھول کر
دل پر گرتے ہیں
اور گرتے ہی چلے جاتے ہیں
روز مر جانے کی خواہش میں جو
روز جیتے اور جیئے ہی چلے جاتے ہیں
ہم وہ بے درد ہیں کہ جو......
فرزانہ شوکت

نظم

اداسی
دھڑکنوں کی بے ترتیبی
بے قراری، بے چینی
آنکھیں انتظار سے بھری
اک تیرے جانے کا دکھ
مجھے کیا سے کیا بنا گیا
میری ہستی کو مٹا گیا
ماورا بشارت چیمہ

غزل

پل بھر میں ہو جاتا ہے انسان ختم
جیسے چاہنے والوں کا پیمان ختم
آہ و بکا سے گونج اٹھی ہے یہ بستی
جوں ہی ہوا ہے شاہ کا ایک اعلان ختم
جانے کس طوفان نے اپنا کر ڈالا
بے حس دل، مردہ جذبے ایمان ختم
عمرِ رواں بہتی جاتی ہے گردش میں
ہوتے جاتے ہیں دل سے ارمان ختم
کون دوامی عمر کے اوپر قادر ہے
پیر، فقیر و رند فنا سلطان ختم
سعید ساجد

نظم

کسی کو مل جاتی ہے رنگین بھری زندگی
کسی کو چین بھی نہیں ملتا
کسی کو پینے کو سمندر ملتا ہے
کسی کو اک قطرہ بھی نہیں ملتا
کسی کا دل خوشیاں مناتا ہے
کسی کا دل دکھ بھی بیان نہیں کر سکتا
کسی کو اک دن کی چھٹی نہیں ملتی

تو!
کسی کی ہمیشہ کے لیے چھٹی کر دی جاتی ہے
یہ کیسی زندگی سائرہ

جس میں کسی کی قبر پر بنتا ہے
تاج محل
تو!
کسی کو کفن بھی نہیں ملتا

سائرہ ناز محمد شفیق

اردو ماہیا

دلکش ہے فضا کتنی
پیار میں ملتی ہے اب دیکھو سزا کتنی
اب بادل برسیں گے
وہم و گمان بھی نہ تھا تیری دید کو ترسیں گے
ہاتھوں میں رومال ہوگا
چھوڑ کے جاتے ہو میرا جینا محال ہوگا
میخانے میں آ بیٹھے
ہاتھ میں ساغر ہے یاد ان کی بھلا بیٹھے
گجرے تری بانہوں میں
دکھ سکھ دیکھے ہیں ان پیار کی راہوں میں
میٹھا پانی اناروں کا
تجھ بن کیا کرتے موسم یہ بہاروں کا
ہے غم کی فراوانی
سونے نہیں دیتی ہمیں اپنی پریشانی
کیوں اتنا ستاتے ہو
دل پر فرقت کے کیوں تیر چلاتے ہو
بند کمرے میں رو لوں گا
داغ جدائی کے میں اشکوں سے دھو لوں گا

ریاض حسین قمر

غزل

ظلم کتنا روا ہے مت سوچو
آدمی بے وفا ہے مت سوچو
ان کی محفل میں بیٹھ جانے سے
کتنا غم مل گیا ہے مت سوچو
پھول دامن میں بھر کے لے جاؤ
باغباں لٹ گیا ہے مت سوچو
امتیاز خستہ جان دنیا میں
کتنا غم کھا گیا ہے مت سوچو

ایس امتیاز احمد

نظم

اب کے عید جو
آئے گی ساجن
تیری یاد
تڑپائے گی ساجن
ہونٹوں پہ پُر نم تبسم
نیناں چھم چھم
برسائے گی ساجن
تیرے ہجر کی
پیاس ہے
دھڑکن نوحہ
گائے گی ساجن
عید کا چاند
دیکھ کے زبان
زیر لب تیرے
نام کی تسبیح پڑھتی
جائے گی ساجن
کاش!
تو اس عید کو
آ جائے
نگاہ بار بار
آسمان پہ جائے گی ساجن

شہلا گل سحر صالح

☆

نسرین کے دکھ پر

مت رو سکھی تو تنہا نہیں، ماں سب کی سانجھی ہے
مت رو سکھی یہ دکھ سانجھا ہے
دل زخمی ہے آنکھوں میں برساتیں ہیں
یادوں کے انبار لگے ہیں
دل میں سنبھال کر رکھ لے سکھی، طاقچوں میں سجی
گڑیوں کی طرح
مت رو سکھی یہ دکھ سانجھا ہے
اگلے برس جب آئے سہاون، برسات کی رت یہ موسم
ماں کے گھر جب جانا ہو
ابر بھری برساتوں کی طرح، آنچل میں چھپا کر
چہرہ اپنا رو لینا سکھی
دل دکھ سے پھٹ جائے گا
دھل نہ سکیں گے یہ زخم، ہر سو میلے ہوں گے
ہر دل کے اندر زخم پرانے ہوں گے
دل جیسے کسی ویرانے میں، بھٹکا ہوا مسافر ہو گا
جو گھر کا رستہ بھول گیا سکھی
یہ دکھ تیرا میرا سانجھا ہے
ہر پل جب اس کی یاد آئے، ہر لمحہ لب پر دعا رکھنا
آؤ سکھی ہم ہاتھ اٹھا کر دعا کریں
ہر طرف ابر ہو، نور کی چادر میں
نیکی کا اک دیا روشن ہو سرہانے اس کے
ابر رحمت برستا رہے قبر پر اس کی
اندھیری رات میں قبر کی، وہ تنہا نہ ہو کبھی
پھول مہکیں اس کے جسد خاکی میں

ابر باراں کی ہر شب رات رہے
خوشبوؤں سے پیراہن مہکا کرے
لمحہ لمحہ نیکی کا اک اک ذرہ، حصار میں اترے
خدا کرے اس کی ابدی نیند کہ جب ٹوٹے قبر میں
تو خوشبوؤں بھرے پیراہن میں اٹھے
صدا لاالٰہ کی، اس کے ہونٹوں پر ابھرے
تا قیامت تا ابد، جب وہ سو کر اٹھے
بہشتی زیور میں ہو ملبوس، مقام جنت میں ہو اس کا
حوریں غلام ہوں اس کی
اک ہستی تھی جو زمانے سے کوچ کر گئی
نجانے کتنے دلوں کو ویران کر کے
سفر آخرت پر چلی گئی
مگر آباد ہیں دلوں میں اس کی دھڑکن
اس کے چہرے کی شفق، اس کے ہونٹوں کی ہنسی
اس کے وجود کی خوشبو، اس کے پیراہن کی آہٹ
ایک بیٹی لیے سرمایہ حیات ہے
میری ماں 18 جون کو روٹھ گئی تھی
تم 3 جون کو ردئی ہو فرق صرف اتنا ہے
یہ دکھ یہ غم ہم دونوں کا سانجھا ہے

صالحہ محمود

سندیسے

درخشاں ضیاء ــــــ کراچی

پیاری صالحہ آپی سوئیٹ سی نورین آپی اور تمام قارئین کو میرا محبتوں بھرا سلام قبول ہو۔ امید کرتی ہوں کہ ردا کا مکمل اسٹاف اور قارئین خیریت سے ہوں گے۔ اس دفعہ تو کمال ہی ہو گیا ردا 4 تاریخ کو میرے ہاتھوں میں تھا۔ اس بات سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ نئے لکھنے والوں کے لیے یہ پلیٹ فارم ہے اور آپ ہمیشہ نئے لکھنے والوں خوش آمدید کہتی ہیں اور خاطر خواہ حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ ہمیشہ خوش رہیں آپی اور اسی طرح ہماری حوصلہ افزائی کرتی رہیں۔ رمضان نمبر واقعی لاجواب رہا۔ ''پگلی میراں'' کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں صالحہ آپی آپ کے افسانے کی تعریف کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہو گی مگر پھر بھی میں کہنا چاہوں گی کہ بہت بہت کمال لکھا آپ نے۔ اکثر شرافت کے لبادے میں بھیڑیے چھپے ہوتے ہیں۔ میراں کا کریکٹر مجھے کبھی نہیں بھولے گا۔ میراں کے جیسا ہی ایک کریکٹر حیدر آباد میں ہے۔ وہ ایک مرد ہے لیکن آپ یقین کریں وہ جہاں جاتا ہے وہاں خوش حالی آجاتی ہے اگر کسی کے ٹھیلے پر کھڑا ہو جائے تو منٹوں میں اس ٹھیلے کا سامان بک جاتا ہے۔ کسی کو دعا دے دے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ قرۃ العین سکندر کا ناولٹ ''ذرا پھر سے کہنا'' ایک ہلکا پھلکا ناولٹ تھا جس میں مزاح، رومانس اور سبق سب کچھ تھا۔ ضوریز، عائشہ ذوالفقار کا افسانہ نارمل افسانوں سے ہٹ کر ایک نئے موضوع کا افسانہ تھا۔ میری بہن عائشہ کمال لکھا تم نے اور نام ضوریز بہت ہی اچھا ہے۔ ''جھوٹا حلف'' گل مہر کا افسانہ بہت اچھا لگا۔ لوگ بنا سوچے سمجھے اللہ پاک کی جھوٹی قسم اور قرآن کی قسم کھا لیتے ہیں۔ ثوبیہ ملک کا ناولٹ ''تیری چاہت میں صنم'' اچھا لگا۔ رابعہ تمہارا افسانہ بہت اچھا لگا ہلکا پھلکا افسانہ اس شدید گرمی میں بہار کا جھونکا لگا۔ افسانہ ''غلطی کس کی'' میں سحرش فاطمہ نے ایک اہم ایشو پر قلم اٹھایا۔ اسویرہ علی کا ناولٹ ''متاع جاں ہے تو'' مزا دے گیا۔ کہانی میں کہیں کوئی جھول نہیں تھا۔ فریدہ ڈیئر کمال لکھا تم نے ''زیاں رسیدہ'' بلاشبہ ایک بہترین افسانہ تھا۔ فرحین اظفر کا افسانہ ''بلا ہے زندگی'' اچھی تحریر تھی۔ بہت اچھا سبق دیا۔ بیوہ کو دوسری شادی کا مکمل حق ہے۔ ''رب کی رضا'' تہمینہ بانو کا افسانہ بہت اچھا تھا جو چیزیں ہمارے نصیب میں لکھ دی گئیں وہ ضرور ملیں گی۔ ردا کی ڈائری میں موجود تمام کلام بہت اعلیٰ تھا۔ صدف سعد کا شکریہ۔ اشعار میں بھی تقریباً سب ہی کا انتخاب اچھا تھا۔ نورین آپی کی محنت نظر آتی ہے۔ ''اس ماہ میں'' بھی لاجواب تھا۔ ''خوشبو'' کی تو کیا بات ہے۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں سب نے اپنے قلم کا حق ادا کیا۔ ''سندیسے'' میں بھی خوب رونق رہی۔ دوستوں کے نام پیغام میں رنگ برنگ پیغام پڑھ کے مزا آجاتا ہے۔ فریدہ ڈیئر آپ کے منفرد طریقے سے عید مبارک کہنے کا انداز دل کو بہت بھایا۔ شکریہ دوست

یاد رکھنے کے لیے۔ ''کچن'' سب سے زیادہ اچھا لگا۔ رمضان کے حوالے سے اچھی تراکیب تھیں۔ شہلا آپی ''سنگھار'' سے میں نے ایک خاص بات نوٹ کرلی ہے کہ رمضان میں زیادہ سے زیادہ فروٹس کھانے ہیں۔ ماریہ ڈیئر واقعی تم بہت اچھا لکھتی ہو شکریہ کی ضرورت نہیں ہے۔ رابعہ ڈیئر ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اب چلتے ہیں افسانہ آف دی منتھ کی طرف جو کہ جاتا ہے ون اینڈ اونلی ہماری پیاری صالحہ آپی کو اور دوسرے نمبر پر جو افسانہ ہے فریدہ فرید کا ''زیاں رسیدہ'' ناولٹ آف دی منتھ جاتا ہے قرۃ العین سکندر کو ''ردا کی ڈائری آف دی منتھ'' جاتا ہے۔ اسماء جمشید کو آف دی منتھ جاتا ہے۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' آف دی منتھ جاتا ہے۔ حکیم خان حکیم کی غزل اور سباس گل کی نظم کو ''سندیسہ'' آف دی منتھ جاتا ہے، رابعہ افضال خان کو انشاء اللہ جولائی میں جب رسالہ آپ کے ہاتھ میں آئے گا عید کی آمد آمد ہوگی۔ اسی لیے ایڈوانس میں میری جانب سے صالحہ آپی، نورین آپی، شہلا آپی، صدف سس، رابعہ افضال، ماریہ یاسر، فریدہ فرید، گیتی آراء، افشاں علی، فرزانہ سس، صبا عبدالغنی، فرحین اظفر، قرۃ العین سکندر، نائیلہ طارق، شازیہ مصطفیٰ، عائشہ ذوالفقار اور تمام لکھنے پڑھنے والوں کو بہت بہت عید مبارک، جن کے نام رہ گئے ہیں ان تمام سے معذرت۔ دوستوں عید کی خوشیوں میں اپنے ان غریب بہن بھائیوں کو ضرور یاد رکھیے گا جن کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ ان کی مدد سے آپ کو سچی خوشی حاصل ہوگی اور عید کی خوشیاں مزید دوبالا ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ اگلے ماہ بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔ اجازت دیجیے۔

زروہ وصمان ـــــــ کراچی

السلام علیکم صالحہ آپی! بعد سلام کے عرض ہے کہ میں پہلی دفعہ شامل ہو رہی ہوں سندیسے میں اور تہہ دل سے آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری نظمیں شائع کر کے مجھے شکریہ کا موقع دیا۔ میں ''خوشبو'' اور ''سنگھار'' بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ ''کچن'' گیلری میں نئی نئی ریسپیز اور کم بجٹ میں تیار ہونے والی ہوتی ہیں۔ میں جو نظمیں نورالصباء کے نام سے لکھتی رہی ہوں۔ اب میں اپنا نام تبدیل کر رہی ہوں۔ آئندہ میں زروہ وصمان کے نام سے تحریر کروں گی اک بار پھر آپ کا بہت بہت شکریہ۔

افشاں علی ـــــــ کراچی

محبت کے خوب صورت گلدستے میں چاہتوں اور دعاؤں سے عطر بیز پھولوں کو سجائے افشاں علی سندیسے کی محفل میں حاضر ہے۔ معزز اور ہر دل عزیز صالحہ اپیا، کیوٹ سی نورین ملک، پیاری پیاری قارئین ورائٹرز بہنوں کو افشاں علی کا پر خلوص سلام الفت تہہ دل سے قبول ہو۔ رحمتوں، برکتوں، نعمتوں و مغفرتوں سے بھرپور سجا ماہِ صیام ہم پر سایہ فگن ہے، رب تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ہم سب کو رمضان کی برکتوں سے فیض یاب فرمائیں، آمین۔ ساتھ ہی پیاری پیاری سکھیوں کو عیدالفطر کی میٹھی میٹھی مبارک قبول ہو، گزشتہ دو ماہ سے حیدر آباد میں قیام کے باعث میں ردا کی محفل میں شامل نہ ہو پائی، یہ کمی میں نے بہت محسوس کی اور امید ہے آپ سب نے بھی کی ہوگی۔ ''گوشۂ آگہی'' صالحہ اپیا سے گویا روبرو بات کرنے کے مترادف ہے، اپیا میں آپ کی بات سے اتفاق کرتی ہوں بلاشبہ ردا ایک اکلوتا ڈائجسٹ ہے جہاں نئے لکھنے والوں کو نہ صرف متعارف کروایا جا رہا ہے، بلکہ چھوٹی بڑی غلطیوں کی اصلاح کر کے ان تحریروں کو شائع اشاعت بھی کیا جاتا ہے، ایسے میں اس پلیٹ فارم کی خلاف ورزی کرنا بہت ہی معیوب بات ہے۔

یہ صالحہ آپا کی ہمت، محبت، حوصلہ افزائی و تعاون ہی تو ہے، جو بہت سے نیو نام ہر ماہ منظر عام پر آ رہے ہیں۔ ردا گائیڈ کارنر نے بہت سے نو آموز رائٹرز کی بہت عمدہ و بہتر طریقے سے رہنمائی کی ہے۔ یہاں تک کہ ردا سے جو میرا رشتہ پانچ سال پہلے جڑا اور ہر ماہ میرا نام ردا میں شامل ہوتا ہے، اس کا کریڈٹ بھی محترمہ صالحہ آپا کو جاتا ہے۔ اللہ ہماری پیاری سی آپا کو صحت و تندرستی اور ڈھیروں خوشیوں سے نوازے، آمین۔ ردائے جنت فضائل و مبارک سے سجا نظر آیا۔ عائشہ ذوالفقار کا ناول انتا زبردست ہے کہ جی چاہتا ہے پڑھتے ہی رہیں، آگے جاری ہے کا بورڈ نظر نہ آئے۔ ویل ڈن عائشہ بہت عمدگی سے آپ ناول کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ صالحہ آپا آپ کے لکھے افسانے تو ہوتے ہی ہیں خاص بالکل اس افسانے ''ویگی میراں'' کی طرح۔ افسوس ہوتا ہے ان لوگوں پر جو معاشرے میں بہروپیے بن کے گھومتے ہیں۔ ذرا پھر سے کہنا، تیری چاہت میں صنم، متاع جان تم ہو، سبھی اچھے ناولٹ تھے، سبھی افسانے اس ماہ بھی شاندار تھے، جیسے ''صنوبریز'' نام ہی کی طرح منفرد افسانہ ''پھول اور کانٹے'' شروعات سے ہی متاثر کرتا افسانہ ''میں ہاری'' مختصر مگر حقیقت بیان کرتا افسانہ تیری چاہت میں صنم، جھوٹا حلف، ہم تیری یاد سے اک پل بھی بے خبر نہ ہوئے، محبت سے بھرپور افسانے زندگی بلاتی ہے، رب کی رضا، آگ سی رہگزر، ہمت و حوصلہ بڑھاتے افسانے، غلطی کس کی، زیاں رسیدہ، سبق آموز افسانے، آؤٹ ڈیٹڈ، حب الوطنی سے بھرپور افسانہ الغرض ردا کی انفرادیت کی طرح اس میں شامل ہر طرح کی تحریریں ہمیں بہت سے نشیب و فراز سے متعارف کروائی ہیں۔ باقی دونوں قسط وار ناول دھیمی دھیمی رفتار سے اچھے جا رہے ہیں۔ اب بات ہے مستقل سلسلوں کی تو ''ردا کی ڈائری میں'' اسماء جمشید اور صائمہ ظہیر کی ڈائری پسند آئی۔ سبھی ''اشعار'' اپنی جگہ اچھے تھے۔ ''اس ماہ میں'' اور ''خوشبو'' میں شامل سبھی چیزیں بہترین تھیں۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں ریما نور رضوان، مریم ماہ منیر، ماریہ یاسر، قرۃ العین سکندر اور سائرہ ناز کی شاعری پسندیدگی کی سند پر براجمان نظر آئی۔ اب آتے ہیں ردا کی شان ''سندیسے'' کی جانب۔ سندیسے کی محفل دن بہ دن پر رونق ہوتی جا رہی ہے۔ سندیسے میں شامل ہو کر ایسا لگتا ہے گویا ہم سب آپس میں محو گفتگو ہیں۔ واقعی سندیسے بھی نصف ملاقات کے مترادف ہیں۔ پھر چاہے گیتی آرا کا سندیسہ ہو یا صبا عبدالغنی کا رابعہ افضال ہو یا پیاری عانیہ نیازی، ماریہ یاسر، سحر مبین، ریما نور رضوان، درخشاں ضیاء، نور بانو، ہو یا دھنک ناز، فریدہ فرید الغرض سب ہی کی شرکت سندیسے کی محفل کو چار چاند لگاتی ہے۔ اس بار دوستوں کے نام پیام پر نظر پڑی تو دل باغ باغ ہو گیا، فریدہ فرید کا منفرد و نرالا انداز نہ صرف دل کو بھایا بلکہ اتنی خوشی دے گیا کہ بیان سے باہر ہے بہت بہت شکریہ۔ شہلا گل اور ریما کا پیغام بھی پسند آیا۔ ساتھ ہی پیاری سی سویٹ سی حنا اشرف کا پیغام اور اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ پیاری سی لڑکی یاد آوری کے لیے شکریہ۔ ایم جے قریشی کی نظم بھی دل کو چھو گئی جب کہ کچن اور سنگھار تو ہمیشہ ہوتا ہی اچھا ہے۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت کے رب تعالیٰ ہمارے ردا کو یونہی ترقی و کامرانی سے ہمکنار کرے، آمین۔ افشاں علی کو اجازت انشاء اللہ اگلے ماہ پھر حاضر محفل ہوں گی۔

سیدہ مون بخاری ___ سرگودھا

پیاری آپی صالحہ محمود السلام علیکم۔ میری دعا ہے خدا آپ کو اپنی امان میں رکھے، آمین۔ ماہ مارچ اور مئی کا شمارہ پا کر خوشی ہوئی۔ بھیجنے کے لیے بے حد شکریہ۔ مارچ اور مئی دونوں مہینوں میں ردا کی کہانیاں بہت اچھی رہیں۔ اپریل کا شمارہ دستیاب

نہیں ہو سکا پورا سرگودھا چھان مارا۔ مجھے اپریل کا ردا "مس" ہونے کا بڑا افسوس ہے۔ اچھی آپی میری درخواست ہے کہ "ناسور" اور "ظلم یاتِ نظیر" کو جلد شائع کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم کر دیں اگر ہو سکے تو "ناسور" کو پہلے جگہ دیجیے۔ مہربانی ہوگی۔ آپ سے مان کا رشتہ ہے اور آپ ہی ہیں جن سے میں بے جھجک بات کرتی ہوں۔ آپ کے لہجے میں اُمڈتا پیار اور نرمی بھرا تاثر ہر بات کھل کر کہہ دینے کی ہمت بخشتا ہے۔ میرا ہر لفظ کسی بھی خوشامد سے پاک سو فیصد سچ ہے۔ آپ کی وجہ سے شناخت بنانے کا موقع ملا۔ میری خواہش ہے میں شہرت کی بلندیوں کو چھوؤں اور دعا ہے کہ اس سفر میں آپ اور ردا معاون رہیں۔ یہ ساتھ ہمیشہ رہے، آمین۔ میری روٹین بے حد ٹف ہے۔ مصروف بھی رہتی ہوں۔ اس کے علاوہ "پوسٹنگ" کروانے کے بھی مسائل ہوتے ہیں۔ اس لیے میں مستقل شرکت سے معذور ہوں۔ میری عاجزانہ درخواست ہے کہ میری غیر حاضریوں پر دریا دلی سے معاف کرتی رہیے گا اور ہمیشہ اپنے حافظے میں محفوظ رکھیے گا۔ میں "سندیسہ" لکھ نہ پاؤں تو بھی ردا کی یادداشت میں یاد رکھیے گا کہ ردا میں شامل اپنا نام دیکھ کر بے حد سکون حاصل ہوتا ہے۔ آخر میں التجا ہے کہ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ امن و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

مصباح مسکان روف اور امینہ ـــــ روف جہلم

پیارے پاکستان اور پیارے پیارے پاکستانیوں کو مصباح مسکان روف اور امینہ روف کی طرف سے رمضان کریم اور میٹھی پیاری عید بہت بہت مبارک ہو۔ جون کا شمارہ پہلی بار 6 تاریخ کو ہی مل گیا۔ میری دونوں تحریروں کو جس پیار اور فراخ دلی سے سراہا گیا اس کے لیے میں پیاری بہنوں افشاں علی، ریما نور رضوان، عانیہ نیازی، فریدہ فرید، مہرین کنول، رابعہ افضال، کیتی آراء، ماریہ یاسر، ثوبیہ ملک، سحر مبین، درخشاں ضیاء کی بہت مشکور ہوں۔ فریدہ فرید آپ کا منفرد انداز میں عید مبارک سیدھا دل میں اتر گیا۔ ڈیئر سوئیٹ فریدہ آپ کو بھی ہمارے دل کی گہرائیوں سے عید مبارک جی۔ سحر مبین ہم ٹھیک ٹھاک ہیں۔ آپ سنائیں کیسے گزر رہے ہیں روزے؟ گرمی زیادہ تو نہیں؟ سلسلے وار ناول حسب معمول زبردست عائشہ ذوالفقار، حائقہ کا دوبارہ عروج بہت اچھا لگا۔ عمیر جیسے بے حس اور خود غرض انسان کا تو بہت ہی برا حال ہونا چاہیے۔ مکمل ناول سمعیہ عباسی نمبر ون تھا۔ باقی رہی بات تیرہ افسانوں اور تین ناولٹ کی تو بھئی فہرست میں رائٹرز کے نام دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا ہے کہ رمضان کریم میں ردا کے ساتھ اچھا وقت گزرنے والا ہے۔ یعنی لفافہ دیکھ کر ہمیں خط کا مضمون معلوم ہو گیا ہے۔ اب ساری کہانیاں اگر ایک ہی بار پڑھ لی تو پورا مہینہ کیا کریں گے۔ ہمیشہ کی طرح اشتہار، سنگھار، کچن، خوشبو اور ڈائری اے ون تھے۔ آخر میں ایک بار پھر سب قارئین کا مصباحِ مسکان کی پذیرائی کا شکریہ۔ آپ پیاروں کی دعائیں اور حوصلہ افزائی ساتھ رہی تو انشاء اللہ یہ ساتھ نہیں چھوٹے گا، رداڈائجسٹ کے لیے

جب تک ہے اس دل میں دھڑکن
تیرا میرا ساتھ نہ چھوٹے

دل کی اتھاہ گہرائیوں سے پورے پاکستان کو عیدالفطر کی خوشیاں بہت بہت مبارک۔ اللہ پاک ہمارے پاک وطن پر اپنا کرم کرے اور امن و سلامتی کے ساتھ ہم سب کو ڈھیروں خوشیاں نصیب فرمائے۔ زندگی رہی تو آئندہ انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی تب تک کے لیے مصباح مسکان روف اور امینہ روف کو اجازت دیں۔

گیتی آراء ——— کراچی

پیاری آپی اور نورین السلام علیکم! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ سب سے پہلے تو آپ کو، نورین کو اور ردا کے تمام قارئین کو رمضان شریف اور عید کی مبارک باد۔ اللہ آپ سب کو، ہم کو ایسی ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے، آمین۔ 6 جون کو ردا کیا ملا کہ دل خوشی سے ناچ اٹھا اور پیاری آپی پر ٹوٹ کر پیار آگیا اب بات ہو جائے ماہ جون کے ردا کی تو سب سے پہلے تو سرورق کی گرین گرین سی دلہن جیولری سمیت دل میں اتر گئی۔ ''گوشہ آگہی'' مزے مزے کی باتیں پڑھ کر آگے بڑھے تو ''ردائے جنت'' کی باتیں اور رمضان کے فضائل مشعلِ راہ بن کر ہمارے دلوں کو منور کر گئیں۔ سبحان اللہ اور اب باری تھی افسانوں کی جن میں سے صالحہ آپی کی تحریر اور ان کا نام ہی ڈائجسٹ کی شان بڑھانے کو کیا کم تھا کہ ''پگلی میراں'' نے اگلے پچھلے تمام کہانیوں کے ریکارڈ توڑ ڈالے پھر کیا جون کے ردا کے ناول، ناولٹ، افسانے، پگلی میراں نے ہمیں ایسا اپنے حصار میں گھیرا کہ ہم سب کچھ بھول بھال کاغذ قلم سنبھال کر بیٹھ گئے۔ اسپیشل پرسن پر لکھی گئی تحریر ان کی بے بسی ولاچارگی کی منہ بولتی تصویر تھی ایک بے بس اور لاچار و مجبور اسپیشل پرسن کے ساتھ یہ معاشرہ کیا سلوک کرتا ہے خاص کر اس وقت جب کہ وہ جوان لڑکی ہو، ہمارے معاشرے کے بظاہر شریف النفس انسانوں کے پیچھے بھیانک اور درندہ صفت انسانوں کو آپی نے جس خوبی سے بے نقاب کیا ہے وہ ایک قابلِ تعریف و قابلِ ستائش عمل ہے۔ ویلڈن آپی۔ باقی ناول ناولٹ افسانے ہمیشہ کی طرح ردا کے قارئین سب نے خوب لکھا۔ ''ردا کی ڈائری سے'' سبھی انتخاب اچھے تھے خاص کر فاخرہ بتول، نقاش کاظمی، مریم ماہ منیر کا انتخاب بہترین تھا۔ ''اس ماہ میں'' اور ''خوشبو'' ہمیشہ کی طرح بہترین تھے۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' ریما نور کی ''رمضان میرا اول میری جان'' سے لے کر تمام غزلیں نظمیں اچھی رہیں۔ ''سندیسے'' ہمیشہ کی طرح دلچسپ رہا۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' میں فریدہ فرید کا عید مبارک کا یہ نیا انداز پڑھ کر مزہ آگیا۔ پڑھ کر گھنٹوں انجوائے کرتے رہے اتنے ڈھیر سارے پیار کے لیے بہت بہت شکریہ۔ سدا خوش رہو، آمین۔ ساتھ ساتھ ریما نور کو بھی ڈھیروں دعائیں پیار عید مبارک۔ ''کچن'' میں رمضان کے حوالے سے تمام ڈشز بہترین تھیں۔ خاص کر چھولے چاٹ، پوٹلی سموسے، کسٹرڈ فلڈ کریم پفس، سنگھار بھی خوب رہا۔ اب اجازت ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ۔

صبا عبدالغنی ——— کراچی

ہواؤں کی دوش پر ہنستا مسکراتا اور ڈھیروں چاہت کی مہکتی کلیوں کے ساتھ تمام ردا ممبرز کو السلام علیکم! سب سے پہلے دلی معذرت کہ امتحانوں کی مصروفیت کے باعث میں اتنے ماہ سے سندیسے کی محفل سے غیر حاضر تھی۔ امید ہے آپ سب نے مجھے مس کیا ہوگا۔ اب آتے ہیں ردا کی طرف پہلے میں مئی کے ردا پر تھوڑا سا تبصرہ کرنا چاہوں گی سب سے پہلے تو سیدہ فرزانہ حبیب کی شادی کا احوال بہت دلچسپ تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم بھی اس محفل میں شریک ہوں۔ اس بار پورے شمارے کی جان عائشہ ذوالفقار کا ناول تھا۔ کیا الفاظ تھے۔ کیا قسط تھے ایمان کو بڑھانے والی اور اللہ پر توکل کو مضبوط کرنے والی۔ پڑھ کر مزہ آگیا۔ باقی دونوں سلسلے وار ناول بھی بہترین تھے۔ مکمل ناول میں مصباح مسکان رؤف اور قرۃ العین سکندر دونوں نے شاندار لکھا۔ ناولٹ میں مہرین کنول ہر بار کی طرح چھا گئیں۔ جب کہ فرحین اظفر نے نہایت سبق آموز تحریر لکھی۔ افسانوں میں سب ہی نے اچھا

لکھا۔ باقی مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بہترین تھے۔ اب آتی ہوں جون کے شمارے کی طرف تو ''گوشۂ آگہی'' میں اپیا کی باتوں نے ہمیشہ کی طرح متاثر کیا۔ ''ردائے جنت'' رمضان المبارک کے فضائل سے سجا دل ونگاہ کو منور کر گیا۔ عائشہ ذوالفقار کا ناول ہر بار کی طرح ردا کی جان بنا ہوا ملا۔ اس ناول کو پڑھ کر اپنی پچھلی اسٹوڈنٹ لائف یاد آجاتی ہے۔ ساتھ ہی دل میں شدت سے ایک خواہش سر ابھارتی ہے کہ کاش! میں بھی ایسی ہی کامیابیاں سمیٹوں، ان شورٹ یو آر دی بیسٹ۔ نائلہ طارق ہر بار کی طرح بہتر سے بہترین کی جانب گامزن ہیں۔ عرش کا کردار بہت پاورفل ہے۔ شازیہ مصطفیٰ ہمیشہ کی طرح بہت سارے کرداروں سے سجے ناول کے ہمراہ ہمیں اپنی منتظر ملیں، ویلڈن۔ مکمل ناول میں سمعیہ عباسی نے بہت عمدہ لکھا۔ ناولٹ تینوں ہی اچھے تھے۔ قرۃ العین سکندر! آپ اپنی تحریروں کے ذریعے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب رہیں، ویلڈن۔ ثوبیہ ملک! آپ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ اسویرہ علی! آپ بھی ایک بہترین رائٹر ہیں۔ صالحہ آپی! آپ جب بھی لکھتی ہیں کچھ انوکھا ہی لکھتی ہیں۔ اس لیے آپ کی یہ تحریر بھی انوکھی تھی۔ صدف سعد! آپ کا افسانہ بھی اچھا تھا۔ عائشہ ذوالفقار! آپ میری نظر میں کتنی اچھی رائٹر ہیں یہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔ آپ کی ہر تحریر مجھے بہت پسند ہے۔ رابعہ ولی! آپ نے بالکل صحیح ٹاپک پر قلم اٹھایا ہے۔ تعویذ گنڈوں کے چکر میں لوگ اپنی زندگی تباہ کر لیتے ہیں۔ گل مہر! آپ نے بھی بہت بہترین لکھا زبردست۔ میری پیاری سی دوست رابعہ افضال خان! آپ تو ہمیشہ ہی اچھا لکھتی ہیں۔ آپ کا یہ افسانہ اور اس کا نام بہت خوب صورت تھا۔ سحرش فاطمہ! ماشاء اللہ آپ کی تحاریر میں دن بدن پختگی آتی جا رہی ہے۔ فریدہ

فرید! آپ نے انتہائی سبق آموز افسانہ لکھا۔ آپ کی تو ہر تحریر ہی خاص ہوتی ہے۔ فرحین اظفر! آپ کی تحریر اتنی اچھی تھی کہ میرے پاس تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ عمدہ لفظوں کا چناؤ آپ کی ہر تحریر کو خاص بناتا ہے۔ تہمینہ بانو! ہر بار کی طرح ایک منفرد سی تحریر لیے ہمیں اپنی منتظر ملیں۔ بہت پیاری اور منفرد تحریر تھی۔ فرح ناز رفیق! ہمیشہ کی طرح حب الوطنی سے چور آپ کا افسانہ پسند آیا۔ باقی تمام مستقل سلسلے ہر بار کی طرح لاجواب تھے۔ ''سندیسے'' میں کیتی آراء کری صدارت پر براجمان دل میں اتر گئیں۔ ماریہ یاسر! آپ کی مستقل آمد ردا کی رونق میں اضافہ کر رہی ہے۔ رابعہ افضال خان! ردا میں چار چاند بلکہ آٹھ آٹھ چاند کا اضافہ کرتیں ہمیں بہت پسند ہیں۔ میری ہم نام ڈاکٹر صباء خان کی ردا فیملی میں پہلی آمد ہے تو انہیں دل سے خوش آمدید۔ سحر مبین! آپ جب بھی سندیسہ لکھتی ہیں کمال ہی لکھتی ہیں۔ درخشاں ضیاء! منفرد انداز میں لکھا آپ کا سندیسہ مجھے بہت پسند آیا۔ شیریں تبسم! آپ کا تبصرہ بھی زبردست تھا۔ ''دوستوں کے نام'' میں اس بار کا سب سے خاص اور منفرد پیغام فریدہ فرید کا تھا۔ آپ کی یہ عید وش مجھے ہمیشہ یاد رہے گی جزاک اللہ۔ شہلا گل سحر صالح! آپ نے مجھے میری برتھ ڈے وش کر کے ڈھیروں خوشیاں دی ہیں۔ 8 جون کو آپ کی برتھ ڈے تھی تو میری طرف سے سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ ریما نور رضوان! آپ کی اتنی خوب صورت نظم کے لیے جزاک اللہ۔ سحر مبین! اپنے پیغام میں آپ نے مجھے یاد رکھا جزاک اللہ۔ پیغام بھی اچھے تھے۔ آخر میں تمام ردا فرینڈز کو عید کی خوشیاں بہت بہت مبارک ہوں۔ اجازت انشاء اللہ اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گی تب تک کے لیے فی امان اللہ۔

......☆......

دوستوں کے نام پیغام

دوستوں کے نام

پیاری آپی جان

میں کوئی شعر بھولے سے نہ کہوں گی آپ پر
فائدہ کیا جو مکمل آپ کی تحسین نہ ہو

نورین ملک

دیکھا جو عید کا چاند لگا تھا بہت پیارا
دیکھا جو ذرا غور سے وہ چہرہ تھا تمہارا

نائلہ طارق

سوچا تھا آپ کی سادگی پہ لکھوں گی اِک غزل
مگر آپ کے معیار کے الفاظ نہ مل سکے

شازیہ مصطفیٰ

آنکھوں کا ہے قصور کہ حسنِ جمال ہے
آتی ہے کیوں نظر آپ کی صورت جگہ جگہ

سباس گل

ہر سال خوشیوں کا چمن ہو آپ کے لیے
ہر دن عید ہو ہر رات شب برأت ہو آپ کے لیے

قمر دش شہک

تو بول لے تو لفظ خوشبو تو سوچ لے تو خیال خوشبو
تیرے تکلم سے بن گیا ہے جواب خوشبو سوال خوشبو

نوشابہ فاروق

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

فریدہ فرید۔ پاکپتن شریف

ردا کی سہیلیوں کے نام

ردا کے تمام اسٹاف اور سہیلیوں کو میرا اسلام۔
ردا سے میرا رشتہ زیادہ پرانا نہیں ہے مگر سچ کہوں تو یہاں بالکل اجنبیت نہیں لگتی۔ ایسا لگتا ہے کہ میرا اور ردا کا رشتہ برسوں پرانا ہے۔ ہمارے اسی تعلق کو مضبوط کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ صالحہ آپی اور نورین آپی کا ہے۔ میں نے آپ سے صرف ٹیلی فون پر بات کی ہے مگر آپ کے بات کرنے کا انداز ہی اتنا اچھا ہے کہ میں آپ دونوں کی گرویدہ ہو گئی۔ اللہ پاک ہم لوگوں کا قلمی اور دلی تعلق قائم و دائم رکھے، آمین۔ ردا کے توسط سے مجھے بہت ساری سہیلیاں ملیں۔ پیاری سی رابعہ افضال خان، معصوم سی ماریہ یاسر، منفرد سی ریما نور، شرارتیں بکھیرتی افشاں علی، زندہ دل گیتی آرا، سندیسے کی رانی صبا عبدالغنی اور چنچل سی فریدہ فرید۔ آپ سب کے خلوص اور اپنے پن کی میں ہمیشہ مشکور رہوں گی اور امید کرتی ہوں کہ ہماری یہ دوستی ردا کے ساتھ مزید پروان چڑھے گی۔ میری جانب سے آپ تمام سہیلیوں اور صالحہ آپی کو عید کی بہت بہت مبارک باد قبول ہو۔ عید کا ایک شعر آپ کی نذر کر رہی ہوں

کچھ اور بڑھ گیا ہے عید کے دن ناز دوستی
اے جان دوست عید مبارک ہو آپ کو

درخشاں ضیاء۔ کراچی

السلام علیکم دوستو! سب کو عید کی خوشیاں بہت بہت مبارک ہوں۔ خدا سے دعا ہے جس طرح ہر بار میری ویرانیوں بھری عید گزرتی ہے کسی اور کی نہ گزرے۔ افشاں علی میری جان خدا تمہیں ہمیشہ آباد رکھے۔ صبا عبدالغنی آئی لو یو سوئچ ایوری ڈے۔ تم نہیں جانتی تم میرے لیے کیا ہو دل ہو جگر ہو درد کا درمان ہو عید مبارک یار۔ رامین ناز کہاں ہو خوش رہو عید مبارک۔ رابعہ افضال یار پتا نہیں بعض دفعہ خود سے نجانے کیوں نفرت سی ہونے لگتی ہے تو ہر چیز سے کنارا کر لیتی ہوں کبھی سوچتی ہوں ردا نہ ہوتا تو میرا کیا ہوتا تھینک یو سوچ ردا۔ تمہیں عید مبارک۔ سیدہ فرزانہ حبیب تمہارے اپنے سجنا کے سنگ پہلی عید ہے خوش رہو۔ کہتے ہیں شادی کے بعد جیسی پہلی عید گزرتی ہے زندگی بھی پھر ویسی ہی گزرتی ہے۔ خوش رہنا اچھا سوچنا تاکہ اچھا ہو زندگی میں۔ عید مبارک خوش رہو۔ عائشہ الیاس! میری دوست سدا مسکراتی رہو عید مبارک آباد رہو۔ نور بانو! عید مبارک مسکراتی رہو۔ ماریہ یاسر! عید مبارک۔ سعدیہ نواز! ویلکم ردا، عید مبارک۔ بسمہ احمد! اچھا لکھتی رہو عید مبارک۔ درخشاں ضیاء! عید مبارک خوش رہو۔ فریدہ فرید! آباد رہو، عید مبارک مسکراتی رہو۔ سباس گل! خوش رہو عید مبارک۔ شہلا گل سحر! عید مبارک خوش رہو۔ پلیز آپ سب دعا کریں کہ یہ عید میرے لیے بھی مبارک ہو، آمین۔ صالحہ آپی اور نورین آپی دونوں کو عید بہت بہت مبارک ہو۔

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

عید وہ خوب صورت تہوار جو نام ہے خوشیوں کا چاہتوں کا رنگوں کا محبتوں کا مسکراہٹوں و قہقہوں کا اور یہ رنگ و بو اور خوشیوں بھرا تہوار ادھورا ہوتا ہے اپنوں کے بنا اور اپنوں میں فیملی ممبر دوست و احباب ہی نہیں بلکہ ہمارے لیے اپنوں میں ردا اور ردا سے جڑے ممبر بھی شامل ہیں۔ اس لیے عید کی ان خوشیوں بھری سعادتوں میں ہم آپ سب کو بھی شریک کرتے ہوئے دل کی تمام تر گہرائیوں چاہتوں و محبتوں سے میٹھی میٹھی عید مبارک کہتے ہیں۔

ہر آنگن خوشیوں بھرا سورج اترے
مہکتا رہے ہر آنگن عید کے دن

عید وش کرنے کی شروعات کرتے ہیں حرف تہجی سے افشاں علی کی جانب سے عید مبارک ہو سب سے پہلے

آ سے آسیہ کو۔

ا سے امبرین حیدر، افسانہ آفتاب، ایقان علی، ایمان علی، انعم خان کو۔

ب سے بسمہ شانزے پارس نواب اور بسمہ احمد کو۔

ث سے ثنا کنول اللہ دتہ کو اور ثمینہ فیاض کو۔

ج سے جہانہ آفتاب اور جیا قریشی کو۔

ح سے حمیرا عروش (حمیرا شعیب) کو، حنا کنول کو اور حافظہ مون شاہ کو۔

د سے دھنک ناز، دانیہ آفرین اور درخشاں ضیاء کو۔

ز سے زارا صدف قمر، زاہدہ ہاشمی کو۔

ر سے رابعہ افضال، ریما نور رضوان، رضوانہ آفتاب، روشانے عبدالقیوم، ریمل آرزو کو۔

س سے سباس گل، سحر مبین، سیدہ امبر ہاشمی، سعدیہ عابد، سیدہ فرزانہ حبیب فرزین، سحرش فاطمہ۔

ش سے شہلا گل، شازیہ مصطفیٰ آپی کو اور شیریں تبسم کو۔
ص سے پیاری صبا عبدالغنی، صباسحر کو اور صالحہ آپیا کو۔
ع سے عانیہ نیازی، علشبہ احمد اور عائشہ ذوالفقار کو۔
ف سے فرح ناز رفیق، فرزانہ شوکت، فریدہ فرید کو۔
ق سے ہر دل عزیز قمر دش شہک آپی، قرۃ العین سکندر کو۔
ک سے میری پیاری دوست کشف ضیاء کو اور کنول خان کو۔
گ سے رداکے سندیسے کی جان گیتی آرا کو۔
م سے مریم ماہ منیر، مصباح مسکان، ملالہ اسلم، مدیحہ اعجاز کو۔
ن سے ہماری پیاری نورین ملک، پیاری سی رائٹر نائلہ طارق، نور الصباء، نوشین مدثر، نظیر فاطمہ اور پیاری نور بانو، ندا حسنین کو۔
اس کے علاوہ میری سوشل سائیڈ پر موجود تمام فرینڈز خاص کر انجم، حفصہ فیاض، سدرہ مرتضیٰ، سحر ندیم، فہمیدہ انجم، حنا اشرف، سلمیٰ، کنول خان اور باقی سبھی فرینڈز کو دلی عید مبارک قبول ہو۔ جو نام لکھنے سے رہ گئے ان سب سے معذرت میری پوری کوشش رہی کہ تمام نام شامل پیغام ہوں اگر کوئی رہ گیا ہو تو دلی معذرت دوستوں اب اجازت اور آپ سب کے نام

خالق کائنات نے ہمیں یہ حسین اعزاز دیا
کہ اس نے آپ جیسے ستاروں سے نواز دیا

افشاں علی۔ کراچی

فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب میرے پیارے قارئین و دوست۔ یار کبھی کبھی آتی ہوں اس کے لیے سوری مگر تم سب کے بغیر گزارا بھی نہیں ہے۔ سب کو عید مبارک۔ عانیہ، افشاں، ریما نور، قمر دش، نائلہ، شازیہ، صالحہ آپی، نورین سب کو جن کے نام نہیں لکھے ان کو بھی۔ اب آتے ہیں اصل بات پر آج کل لوگ بہت سوشل ہو گئے ہیں اور سوشل میڈیا پر اپنے مقاصد کے لیے دوسروں کی ذات کو ہدف بنالیا ہے تو ان لوگوں سے یہ کہنا ہے کہ تنقید کرنا آسان ہے کبھی لکھ کر دکھاؤ، شازیہ کی طرح ایک کردار اشہد جیسا بھی لکھو انسانیت سوز فعل کے بعد شیشے جیسا کچھ۔ ارے آپ لوگ کہتے ہیں قمر دش بہت کھلا لکھتی ہیں۔ خدارا! اس طرح نہ کریں آپ تنقید کرنے والے وہ ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا پہلے خود کو اس قابل بنائیں کہ قمر دش یا کسی بھی سینئر پر تنقید کر سکیں۔ قمر دش وہ ہیں کہ رفعت سراج یا شازیہ چوہدری کے بعد کسی کو رومانس لکھنا آیا تو قمر دش ہیں تو آئندہ سوچ سمجھ کر اپنے ذرائع استعمال کریں۔ کسی کو حق نہیں ہم میں سے کسی کو یہ بتانے کا کہ ہم کیسے لکھیں اگر پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھے جانے والے ادارے میں جگہ مل رہی ہے تو کچھ تو بات ہے تنقید برائے اصلاح ہونی چاہیے تنقید برائے تنقید قابل قبول نہیں۔ سب لوگ اچھا لکھ رہے ہیں تنقیدی لوگ نہیں جانتے ایسے ہی کچھ نہیں لکھ دیا جاتا پوروں کا لہو دل کے جذبات آنکھوں کے خواب لفظوں کی صورت لڑی بنتے ہیں تو کچھ تخلیق ہوتا ہے ہر تحریر لہو مانگتی ہے آخر میں بس دعاؤں کی طالب ہوں، اجازت دیں۔

فرح ناز محمد رفیق۔ کراچی

تمام دوستوں کے نام

تمام رداڈائجسٹ پڑھنے والوں کو میرا تہہ دل

سے سلام عرض ہے۔ میرا پیغام ان تمام دوستوں کے نام جنہوں نے زندگی کے ہر راستے میں میری رہنمائی کی۔ اللہ کا شکر ہے کہ پچھلے ماہ میرا پہلا افسانہ ردا ڈائجسٹ میں شائع ہوا۔ مجھے موقع دینے کے لیے اور حوصلہ بڑھانے کے لیے ردا ڈائجسٹ اور آپی صالحہ محمود، نورین آپی کی شکر گزار ہوں۔ کوئی بھی انسان اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے پیچھے بہت سے لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ سباس گل، ندا حسنین، امانیہ سردار خان کی میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ انہوں نے میری بہت رہنمائی کی آپ سب کا شکریہ اور بہت ساری محبت۔ میری دوستوں میں ثمرہ عبدالسلام، عاصمہ زاہرہ، شافعہ نواز، سنبل سیف اور ماریہ سیف کا بھی شکریہ اور سب سے بڑھ کر میرے پاپا بشارت علی چیمہ، میرے عزیز از جان بھائی اسامہ مسعود، عاطف مسعود اور میرے شوہر طلحہ ہمایوں کا جنہوں نے مجھے ڈھیر سارا حوصلہ دیا۔ آپ سب سے التجا ہے کہ میرے لیے دعا کیجیے کہ اس راستے پر کامیابی سے اپنا سفر جاری رکھوں اور اپنے خوابوں، خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔

مادر ابشارت چیمہ۔ وزیر آباد

میرے پیاروں کے نام عید مبارک

میرے میاں سکندر شاہین، بیٹے قاسم بیٹی عالیشہ فاطمہ کو پیاری باجی جو امریکہ میں پردیسی ہو گئیں شادی کے بعد عذرا باجی عرفان بھائی عید مبارک ہو۔ پیاری امی پیارے ابو جی اور بھائی اور سویٹ سی بھابی کو عید مبارک۔ میری پیاری سی دوست سعدیہ عمران، شازیہ نوید، مریم گل، فاطمہ خان، فاطمہ حسین، سحرش فاطمہ، پلوشہ خان، سمعیہ علی، سامیہ رشید، ام ہانی، کنول خان، ہانیہ خان درانی کو عید مبارک ہو۔ پیاری باجی طاہرہ، آصفہ اور چھوٹی لاڈلی بہن عطیہ کو عید مبارک اور میرے ایک خاص الخاص بھائی میرا مان عمران رضا بٹ بھائی کو بہت بہت عید مبارک۔

قرۃ العین سکندر۔ لاہور

دوستوں کے نام

سب سے پہلے تمام قارئین ردا، رائٹرز، ردا اسٹاف، صالحہ آپی اور نورین ملک کو سلام محبت قبول ہو۔ السلام علیکم۔ سب سے پہلے ثناء کنول اللہ وتہ! آپ کو آپ کی برتھ ڈے بہت بہت مبارک ہو اور آپ ردا فیملی سے غائب بھی ہیں۔ اٹس ناٹ فیئر۔ پتا ہے آپ کے جنم دن کے موقع پر آپ کے لیے میری دعا ہے کہ آپ کا دامن سدا مسرتوں اور خوشیوں سے بھرا ہو، آمین۔ افشاں علی! آپ نے مجھے وش نہیں کیا۔ اٹس ناٹ فیئر، خیر آپ کو ردا سے جڑے پانچ سال کا عرصہ ہو گیا۔ تو پانچ سالہ سفر کی کامیابی بہت بہت مبارک ہو۔ دعا ہے آپ کا سفر ردا کے سنگ یونہی جاری و ساری رہے، آمین۔ رابعہ افضال خان! آپ نے سچ مچ مجھے اتنے شاندار طریقے سے برتھ ڈے وش کیا ہے کہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور میں نے آپ کی ٹریٹ تیار رکھی ہے۔ دعاؤں سے سجا کیک، مشروب محبت اور ڈھیر سارا پیار و خلوص۔ کیسی لگی ٹریٹ ضرور بتائیے گا او کے۔ شہلا گل سحر صالح! مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کون سے لفظ لکھوں جو آپ کے خلوص کا جواب دے سکیں۔ اتنا ڈھیر سارا پیار، اتنا سارا خلوص اور اتنی ڈھیر ساری دعاؤں کے لیے میرا دامن تنگ ہو رہا ہے۔

اتنے مختصر سے دنوں میں آپ نے میرے دل میں بہت خاص جگہ بنالی ہے۔ آپ کو بھی آپ کی برتھ ڈے بہت بہت مبارک ہو۔ دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں، آمین۔ ریما نور رضوان! آپ نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے جسے میں پورے خلوص کے ساتھ تھام رہی ہوں۔ آپ جیسی پیاری دوست کا ساتھ ہی زندگی کو خوشنما بناتا ہے۔ فریدہ فرید! آپ کے خلوص کا جواب دینے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ آپ مجھے پرخلوص سمجھتی ہیں جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ خود بہت پرخلوص ہیں۔ آپ کو آپ کی برتھ ڈے بہت بہت مبارک ہو۔ آپ کا ساتھ میرے لیے کتنا اہم ہے یہ میں لفظوں میں نہیں بتا سکتی۔ آپ نے میری غیر حاضری کو محسوس کیا، میرے لیے اتنے خلوص بھرے لفظ لکھے، اتنے خوب صورت انداز میں عید وش کی اور اتنا خوب صورت گانا میرے نام کیا۔ قسم سے دل خوش کر دیا آپ نے۔ سحر مبین! آپ نے مجھے یاد رکھا اس کے لیے جزاک اللہ۔ بہت خوشی ہوئی پیغام میں اپنا نام دیکھ کر۔ یونہی ردا میں شامل ہو کر اس کی رونق میں اضافہ کرتی رہیے گا۔ درخشاں ضیاء! آپ بھی ردا فیملی میں ایک بہترین اضافہ ہیں۔ اس لیے اس ردا فیملی میں یونہی شامل رہیے گا۔ مہرین کنول! آپ نے بھی مجھے برتھ ڈے وش کی اس کے لیے جزاک اللہ۔ آپ نہیں جانتی کہ آپ نے مجھے کتنی خوشی دی ہے۔ تھینکس آ لوٹ ڈیئر۔ آخر میں تمام دوستوں کو عید کی ڈھیروں مبارک باد۔

صباء عبدالغنی۔ کراچی

ثوبیہ کے نام

میری زندگی تو فراق ہے وہ ازل سے دل میں مکیں سہی
وہ نگاہِ شوق سے دور ہیں رگ جاں سے لاکھ قریں سہی
ہمیں جان دینی ہے ایک دن وہ کسی طرح وہ کہیں سہی
ہمیں آپ کھینچئے دار پر جو نہیں کوئی تو ہمیں سہی
سر طور ہو سر حشر ہو ہمیں انتظار قبول ہے
وہ کبھی ملیں وہ کہیں ملیں وہ کبھی سہی وہ کہیں سہی
نہ ہو ان پر جو میرا بس نہیں کہ یہ عاشقی ہے ہوس نہیں
میں ان کا تھا میں ان کا ہوں وہ میرے نہیں تو نہیں سہی
جو فیصلہ وہ سنا کے اسے حشر پر نہ اٹھائیے
جو کریں گے آپ ستم وہاں وہ ابھی سہی وہ یہیں سہی
اسے دیکھنے کی جو لو لگی تو دیکھ ہی لیں گے ہم محسن
وہ ہزار آنکھ سے دور ہو وہ ہزار پردہ نشیں سہی

کلام: محسن نقوی

انتخاب: ایم جے قریشی۔ ڈی آئی خان

سونیا اظہر کے نام

سنو تمہارے جنم دن کے موقع پر
اپنے دل کے سیف کو
خلوص اور محبت کی چابی سے کھولا
تو دعاؤں کے ڈھیر سارے موتی
ہتھیلیوں کی زمین پر اتر آئے
اور میرے لبوں پر دعا کے یہ حرف بکھرے ہیں
جتنے گگن پر روشن ستارے
اپنی خوشی کے موتی سارے
تیری راہِ زیست کو
چمکتی دمکتی کہکشاں میں بدل دے (آمین)
دعا ہے کہ
تم جیو ہزاروں سال
اور ہر سال کے دن ہو پانچ ہزار

جیا اظہر۔ حیدر آباد

......☆......

مہندی کے ڈیزائن





کچن

عید کا موقع ہوتا ہے خوشیاں بانٹنے کا، گلے شکوے دور کرنے کا، بات خوشی کی ہو تو دسترخوان کا سجنا بھی شرط ہے اور عید تو ہوتی ہی کھانے پینے کے لیے۔ تو آپ بھی اپنے دسترخوان کو ہمارے بتائے ہوئے کھانوں سے منفرد بنادیں۔

شاہی ٹکڑے رنگین سویوں کے ساتھ

اجزاء

رنگین سویاں : ڈیڑھ کپ
دودھ : ایک لیٹر
چینی : آدھا کپ
بادام، پستہ (کترے ہوئے) : حسب ضرورت
ڈبل روٹی کے سلائس : آٹھ عدد
تیل یا گھی : تلنے کے لیے
چینی : آدھا کپ
پانی : آدھا کپ

ترکیب: دودھ کو ابال لیں اور چینی اور سویاں ڈال کر پکائیں۔ سویاں نرم ہو جائیں تو چولہا بند کردیں اور ڈش میں نکال لیں۔ ڈبل روٹی کو حسب پسند شیپ میں کاٹ کر تل لیں۔ چینی میں پانی ڈال کر پکائیں کہ چینی گھل جائے۔ اب تلے ہوئے سلائس شیرے میں ڈال کر نکال کر سویوں پر رکھیں۔ سلائس پر کھویا، بادام، پستہ رکھ کر پیش کریں۔

سویوں کا زعفرانی زردہ

اجزاء

سویاں : ایک پیکٹ
گھی : آدھا کپ
الائچی (کچلی ہوئی) : چھ عدد
چینی : ایک کپ
دودھ (پکا کر گاڑھا کرلیں) : ایک کلو
کھویا : ایک پاؤ
زعفران : ایک چائے کا چمچہ
زعفرانی ایسنس : آدھا چائے کا چمچہ
زعفرانی رنگ : ایک چٹکی

ترکیب: ایک کڑاہی میں گھی گرم کریں۔ الائچی ڈالیں پھر سویوں کو ڈال کر ہلکی آنچ پر بھونیں۔ اب چینی، زعفران، زعفرانی رنگ، دودھ ڈال کر مکس کریں اور پانچ منٹ پکائیں۔ اب کھویا مکس کردیں اور دم پر رکھ دیں۔ سویاں الگ الگ ہو جائیں تو زعفرانی ایسنس، ناریل، کشمش مکس کردیں اور ڈش میں نکال لیں۔ کھوئے، پستہ، بادام، ناریل، کشمش سے سجاوٹ کردیں۔

سرخ تل والا تکہ

اجزاء

مرغی (چکن تکہ پیس) : ایک عدد
لہسن، ادرک پیسٹ : آدھا چائے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
گرم مصالحہ پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچہ
خشخاش : آدھا چائے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر : حسب ذائقہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



لال مرچ پاؤڈر : حسبِ ذائقہ
لیموں کا رس : دو کھانے کے چمچے
دہی : آدھا کپ
جائفل، جاوتری پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچہ
ووسٹر شائر سوس : ایک کھانے کا چمچہ
تیل : دو کھانے کے چمچے
تل : دو کھانے کے چمچے
کھانے کا سرخ رنگ : آدھا چائے کا چمچ

ترکیب: گوشت میں نمک، لال مرچ پاؤڈر، سیاہ مرچ پاؤڈر، لہسن، ادرک پیسٹ، گرم مصالحہ پاؤڈر، خشخاش، لیموں کا رس، جائفل، جاوتری، دہی، ووسٹر شائر سوس، تیل، تل اور کھانے کا رنگ لگا کر اچھی طرح سے مکس کر کے ایک گھنٹے میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ اس کے بعد اسے باربی کیو کریں۔ روسٹ کریں یا پھر تیل میں فرائی کرلیں اور چٹنی، کیچپ اور سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

مٹن اگنی بریانی

اجزاء
مٹن : آدھا کلو
چاول : آدھا کلو (دو کنی رکھ کر ابال لیں)
لیموں : ایک عدد (رس نکال لیں)
تیز پات : ایک عدد
بڑی الائچی : دو عدد
پیاز : دو عدد (سلائس کاٹ لیں)
لونگ : دو تین عدد
ہری مرچ : دو تین عدد (کاٹ لیں)
انڈے : چار عدد (ابال لیں)
فرائیڈ پیاز : پون کپ
دہی : آدھا کپ
لہسن پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
ادرک پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
زیرہ : آدھا چائے کا چمچ
دار چینی : ڈیڑھ انچ کا ٹکڑا
زردہ اور سرخ رنگ : ایک ایک چٹکی (تھوڑے سے پانی میں الگ الگ حل کرلیں)
ہرا دھنیا : آدھی گٹھی (چوپڈ)
کُٹی سرخ مرچ : حسبِ ذائقہ
نمک : حسبِ ذائقہ
آئل : حسبِ ضرورت

ترکیب: دار چینی، لونگ، بڑی الائچی، زیرہ اور تیز پات ڈرائی روسٹ کر کے گرائنڈ کرلیں۔ آئل گرم کر کے پیاز، لہسن اور ادرک پیسٹ ہلکا فرائی کریں۔ اب مٹن، نمک، کُٹی سرخ مرچ، ہری مرچ اور آدھا ہرا دھنیا ڈال کر بھونیں۔ دہی اور گرائنڈ کیا گیا مصالحہ شامل کر کے بھونیں پھر پانی ڈال کر گوشت گلا لیں۔ پین میں چاولوں کی تہ لگا کر اوپر مٹن پھیلائیں پھر چاول کی مزید ایک تہ لگا دیں۔ آخر میں بقیہ ہرا دھنیا، فرائیڈ پیاز، لیمن جوس، زردہ اور سرخ رنگ ڈال کر دم لگا دیں۔ ابلے ہوئے انڈوں سے سجا کر گرم گرم سرو کریں۔

چکن نہاری

اجزاء
مرغی کا گوشت : ایک کلو
نہاری مصالحہ : ایک پیکٹ
گھی : ڈیڑھ کپ
لہسن، ادرک پیسٹ : دو چائے کے چمچے
پیاز : ایک عدد (سلائس کاٹ لیں)
آٹا : آدھا کپ

نمک : حسب ذائقہ
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا) : آدھا کپ
ہری مرچیں : دو عدد (چوپ کرلیں)
ادرک کے سلائس، لیموں : سجاوٹ کے لیے

ترکیب: دیگچی میں گھی گرم کر کے پیاز ڈال کر سنہری کرلیں۔ لہسن ادرک پیسٹ اور گوشت ڈال کر بھونیں۔ نہاری مصالحہ ڈال کر مزید بھونیں اور حسب ضرورت پانی شامل کر کے ڈھک کر پکائیں۔ آٹا ایک کپ پانی میں گھول لیں۔ گوشت گل جائے اور حسب پسند شوربہ باقی رہ جائے تو آٹا اور نمک شامل کردیں۔ چمچہ مسلسل چلاتی رہیں۔ ڈھک کر دھیمی آنچ پر دس منٹ تک پکائیں۔ تیل الگ ہو جائے تو آنچ سے اتار لیں۔ سرونگ ڈش میں نکال لیں۔ الگ ڈش میں ہرا دھنیا، ہری مرچیں، ادرک کے سلائس اور لیموں کی قاشیں سجا کر نہاری کے ساتھ پیش کریں۔

ملائیشین پراٹھے

اجزاء
میدہ (چھنا ہوا) : آدھا کلو
انڈہ : ایک عدد
مکھن : دو کھانے کے چمچے
چینی : ایک کھانے کا چمچہ
بیکنگ پاؤڈر : پون چائے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
انڈہ (پھینٹا ہوا) : لگانے لیے

بھرنے کے اجزاء
انڈے (ابلے اور چوپ کیے ہوئے) : چار عدد
پیاز (چوپ کی ہوئی) : ایک عدد
لہسن (چوپ کیے ہوئے) : پانچ جوئے
موزریلا پنیر (کدوکش) : سو گرام
پسی ہوئی لال مرچ : ایک چائے کا چمچہ
کٹی ہوئی کالی مرچ : آدھا چائے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
تیل : تلنے کے لیے

ترکیب: پیالے میں آٹے کے اجزا ملا کر اسے گوندھ لیں۔ اس کے پیڑے بنا کر چوکور روٹیاں بیلیں، ایک پیالے میں بھرنے کے اجزاء ملا لیں۔ بیلی ہوئی روٹیوں کی ایک جانب پیالے کا تھوڑا تھوڑا آمیزہ پھیلائیں اور اسے دہرا کر بند کرلیں۔ ان کے کناروں کو انڈہ لگا کر بند کردیں۔ برش کی مدد سے انڈہ اس کے اوپر لگائیں۔ پراٹھوں کو توے پر دونوں جانب سے سینک کر درمیان سے تکونے کاٹ لیں۔ سرونگ ڈش کو سلاد پتوں سے سجائیں اور پراٹھے رکھ کر پیش کریں۔

کھجور کا ٹھنڈا مشروب

اجزاء
دودھ : آدھا کلو
کھجور : ایک پاؤ
چینی : سو گرام
سبز الائچی : تین عدد
برف کا چورا : ضرورت کے مطابق

ترکیب:
دودھ میں تھوڑا پانی ڈال کر ایک اُبال دے کر اتار لیں پھر کھجور کی گٹھلیاں نکال کر تھوڑے سے دودھ میں نرم ہونے کے لیے بھگو دیں پھر بھیگی ہوئی کھجوروں کو مکسچر میں ڈال کر خوب باریک پیس لیں اب اس مرکب کو اور چینی دودھ کو مکسچر میں ڈال کر دوبارہ سے باریک کرلیں پھر اس کو برابر برابر گلاس میں ڈال لیں اور اوپر سے برف کا چورا اور سبز الائچی کا پاؤڈر ڈال کر پیش کریں۔

☆

شہلا مشائق

سنگھار

آئی لائنر لگانا آرٹ ہے

آئی لائنر ایسا میک اپ پروڈکٹ ہے جسے ہر عمر کی خواتین لگانا پسند کرتی ہیں اور کسی بھی حال میں اسے لگانا نہیں بھولتیں۔ خواہ وہ کوئی اور میک اپ کریں یا نہ کریں لیکن آئی لائنر ضرور لگاتی ہیں۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ آئی لائنر کی محض ایک ہلکی سی لائن بھی آنکھوں کی خوب صورتی میں اضافہ کر دیتی ہے۔

البتہ اسے لگاتے ہوئے نفاست اور مہارت سے کام لینا ضروری ہے۔ دوسری صورت میں آپ کی آنکھیں خوب صورت نظر آنے کے بجائے بدنما بھی دکھائی دے سکتی ہیں۔ آج کل انواع واقسام کے آئی لائنر مارکیٹ میں دستیاب ہیں جن میں پینسل آئی لائنر کے علاوہ جیل اور پاؤڈر آئی لائنر شامل ہیں۔ انہیں لگانے کے انداز بھی بے شمار ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور اہم بات یہ کہ ہر ایک کی آنکھوں کی شیپ علیحدہ ہوتی ہے۔ سو آئی لائنر اپلائی کرتے وقت آنکھوں کی شیپ کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔ آنکھوں کی بناوت کے مطابق آئی لائنر لگانے میں مہارت حاصل کرنا آسان کام نہیں۔ کیونکہ آنکھیں تب ہی اچھی لگتی ہیں کہ جب آئی لائنر ان کی بناوٹ کے لحاظ سے ان پر سجایا گیا ہو۔ یہاں آپ کے لیے کچھ سادہ سے طریقے پیش کیے جا رہے ہیں جن کی مدد سے آپ بڑی آسانی سے آئی لائنر لگانا سیکھ سکتی ہیں۔

چھوٹی آنکھیں

اگر آنکھیں چھوٹی ہیں تو ان کے اندرونی کناروں میں آئی لائنر نہ لگائیں کیوں کہ اس طرح یہ مزید چھوٹی دکھائی دیں گی۔ اس کے بجائے صرف پپوٹوں کے اوپر ایک باریک سی لائن بنا لیں۔ تاہم اگر کسی خاص تقریب میں شرکت کا موقع ہو اور آپ اپنی لُک میں تبدیلی لانا چاہیں تو اس کے لیے آنکھوں کے بیرونی گوشوں پر ''ونگ شیپ'' بنائیں اور آنکھوں میں کشادگی کا تاثر پیدا کرنے کے لیے آنکھوں کے اندر سفید یا کسی اور ہلکے رنگ کا لائنر لگا لیں۔

کشادہ اور ابھری ہوئی آنکھیں:

اس قسم کی آنکھوں میں لائنر لگانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پوری آنکھ کے گرد لائنر کی باریک سی لائن بنائیں تا کہ یہ ضرورت سے زیادہ نمایاں نظر نہ آئیں۔ جب کہ آنکھوں کے اندرونی کناروں پر ذرا نوکیلے انداز میں اس طرح لائنر لگائیں کہ یہ گول گول نہ دکھائی دیں بلکہ قدرے شیپ میں آ جائیں۔ تاہم کشادہ اور ابھری ہوئی آنکھوں میں لائنر لگانے کے لیے ماہرین یہ مشورہ بھی دیتے ہیں کہ پوری آنکھ کے گرد لائنر اپلائی کرنے کے بجائے صرف آدھی آنکھ پر لائنر لگایا جائے تو اس کا تاثر زیادہ اچھا دکھائی دیتا ہے۔

کارآمد تجاویز:

☆ لائنر لگانے سے پہلے اپنی آئی لائنر پینسل

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

چھیل لیں اور پپوٹے کے اوپر مضبوطی سے اپنا ہاتھ رکھیں۔ اب آنکھ کے اندرونی گوشے کی جانب سے اسے لگانا شروع کریں اور آگے بڑھاتے ہوئے آخری گوشے تک لے جائیں اور آخر میں لائن کو قدرے بڑھا دیں۔

☆ آنکھ کے باہر کی جانب آئی لائنر لگاتے ہوئے بھی یہی طریقہ استعمال کریں۔ اس کے بعد اوپر والے پپوٹے کو پکڑیں اور اس کے اوپر نفاست کے ساتھ باریک لائن بنالیں۔

☆ آئی لائنر کو بڑے اسٹروکس میں لگانے کے بجائے چھوٹے اسٹروکس میں لگائیں۔ اس طرح آپ کی لائن نفاست کے ساتھ بن پائے گی۔

☆ اگر آپ کی جلد بہت خشک ہے اور آپ کو درست طریقے سے آئی لائنر لگانے میں دشواری پیش آ رہی ہے تو آئی لائنر لگانے سے پہلے پپوٹوں پر تھوڑی سی کولڈ کریم لگالیں۔

☆ اگر آپ کے پاس آئی لائنر ختم ہو جائے تو اس کے بجائے آپ مسکارا کو بطور آئی لائنر استعمال کر سکتی ہیں۔ اسے لگانے کے لیے باریک برش استعمال کریں۔

☆ آئی لائنر پینسل کے اوپر اگر ذرا سا پاؤڈر آئی لائنر لگالیا جائے تو اس سے آئی لائنر زیادہ دیر تک برقرار رہتا ہے اور آنکھیں بھی خوب صورت دکھائی دیتی ہیں۔

آزمودہ نسخے، پرانے اطوار

☆ رات کو سونے سے قبل باتھ سالٹ کو پانی میں ملا کر غسل کرنے سے دن بھر کی تھکاوٹ دور ہونے کے ساتھ ساتھ دکھتے ہوئے جوڑوں اور پٹھوں کو بے حد آرام ملتا ہے یا اگر آپ کی جلد خشکی اور ایگزیما کا شکار ہے تو اس صورت میں بھی نمکیات ملے پانی سے غسل کرنا آپ کے لیے بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ بحیرہ مردار سے حاصل کیا جانے والا جسے ڈیڈسی سالٹ کہا جاتا ہے جلد کی خشکی دور کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ اسے اپنے شیمپو میں ملا کر استعمال کرتے ہیں تاکہ سر کی خشکی اور اس کی کھال پر جمع ہونے والی گندگی دور ہو جائے۔ اس عمل سے مختلف ہیئر پروڈکٹس کے مضر اثرات بھی آپ کے بالوں سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمالیہ سالٹ اور ایلیم باتھ سالٹ کے طور پر خاصے مقبول ہیں۔ ہفتے میں دو بار ان کا استعمال تروتازگی اور توانائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ جن بچوں کو ایگزیما اور دمہ کی شکایت ہو ان کے لیے بھی انہی تینوں نمکیات کا غسل تجویز کیا جاتا ہے۔

☆ لیموں کے رس میں شہد ملا کر پانچ منٹ تک چہرے پر اس کا مساج کریں اور پھر بیس منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ اس عمل سے بہترین فیس پالش کا تاثر حاصل ہوتا ہے۔

☆ ایک کپ پانی میں دس پودینے کی پتیاں ابال کر روزانہ پئیں۔ اس سے آپ کے چہرے پر نکلنے والے دانوں اور مہاسوں میں کمی آتی ہے اور جلد تروتازہ رہتی ہے۔

☆ چہرے کے دانوں پر دن میں دو بار خالص شہد لگائیں بہت جلد افاقہ حاصل ہوگا۔

☆ ہونٹوں کی خوب صورتی اور نرمی برقرار رکھنے کے لیے ان پر ایسی لپ اسٹک استعمال کریں جس میں وٹامن ای شامل ہو۔

☆ اگر آپ بغیر ایکسرسائز کیے اپنا وزن کم کرنا چاہتی ہیں تو چار باتوں پر باقاعدگی سے عمل کریں۔ ناشتا روز کریں، چینی کا استعمال ترک کر دیں، مرچ مصالحے والے کھانے کھائیں اور پوری نیند لیں۔ ان سب باتوں پر عمل کرنے سے آپ کے وزن میں نمایاں فرق آئے گا۔

......☆......